عطرِ تصوّف

اکمال الشیم

تصوّف و اخلاق کی مشہور بلند پایہ کتاب

مصنف

حضرت شیخ عطاء اللہ اسکندریؒ : م ۷۰۹ھ

مبوّب

حضرت مولانا علی متقی ہندیؒ : م ۹۷۵ھ

مترجم

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ : م ۱۳۴۶ھ

شارح

حضرت مولانا محمد عبداللہ گنگوہیؒ : م ۱۳۳۵ھ

مقدمہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ : م ۱۴۰۲ھ

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انار کلی ○ لاہور

عِطرِ تصوّف

اِکمالُ الشِّیَم

تصوّف و اخلاق کی مشہور بلند پایہ کتاب

مُصَنِّف

حضرت شیخ عطاء اللہ اسکندری : م ۷۰۹ ھ

مُبَوِّب

حضرت مولانا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ : م ۹۷۵ ھ

مُترجِم

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری : م ۱۳۴۷ ھ

شارِح

حضرت مولانا محمد عبداللہ گنگوہی : م ۱۳۴۵ ھ

مُقدمہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا : م ۱۴۰۳ ھ

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

سالِ طباعت : ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ، جنوری ۱۹۸۴ء
باہتمام : اشرف برادران (سلمہم الرحمٰن)
ناشر : ادارہ اسلامیات، لاہور
طباعت :
قیمت : -/۳۵ روپے، مجلّد، ڈائی دار

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور ۲
دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی ۱
ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم، دارالعلوم، کراچی ۱۴

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ سیّدنا محمّد وآلہ واصحابہ اجمعین: اما بعد!

'اکمال الشیم' تصوف واخلاق کی ان مشہور کتابوں میں سے ایک ہے۔ جس کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ ساتویں صدی کے اواخر میں لکھی جانے والی یہ کتاب علماء اور صوفیاء کرام کے لئے ہمیشہ حرزِ جان بنی رہی ہے۔ تصوّف کی اصل حقیقت کیا ہے؟ نفس وشیطان کے کیا مکائد ہیں اور اُن سے کیسے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے؟ دل کو لگے ہوئے روگ نکالنے کے واسطے صحیح طریقہ علاج کیا ہے؟ اور وہ کون سا دستورالعمل ہے۔ جس پر عمل کرکے مسلمان کا دل آئینہ سے زیادہ شفاف ہو کر انوارِ الٰہی کا محل بن سکتا ہے؟

یہ کتاب ان جیسے تمام سوالات کا جواب دیتی ہے اور صرف راستہ کا پتہ ہی نہیں بتلاتی بلکہ اگر انسان عملِ صالح کا عزم لیکر اس کتاب کا یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کرلے تو یہ کتاب معرفت کے بہت سارے دروازے کھول دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب پر بڑے بڑے اولیاء اللہ نے محنت فرمائی اور تقریباً تمام مشائخ، طالبینِ دین کو اس کتاب کے پڑھنے کا مشورہ دیتے رہے ہیں۔ اس کتاب کی طرف اولیاء اللہ کی توجہ کا اس سے اندازہ کیجیے کہ حدیث شریف کی مشہور جامع کتاب "کنز العمّال" کے مصنّف حضرت مولانا شیخ علی متقی قدس اللہ سرہٗ نے اس کتاب کی دسویں صدی ہجری میں تبویب فرمائی۔

برصغیر کے مشہور محدث اور صاحبِ نسبت بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد محدّث سہارن پوری قدس سرہ نے سیّد الطائفہ قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ کے حکم سے اُردو میں اس کا ترجمہ فرمایا، اور حضرت مولانا محمد عبد اللہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اس کی اُردو شرح فرمائی، جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

علاوہ ازیں اس دَور کے مجدّد الملّت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ صرف کہ سب سے پہلے اس کتاب کو شائع فرمایا بلکہ اس کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر اُسے خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کے درسِ سلوک کے نصاب میں بھی داخل فرمایا تھا اور طالبین کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقریظ سے ظاہر ہوگا جو آئندہ صفحات میں درج کی جا رہی ہے۔

اس کتاب کا ایک ایڈیشن اس سے قبل ادارہ اسلامیات سے شائع ہو چکا ہے۔ جس کے شروع میں مولانا محمد رمضان شوق صاحب کا مقدمہ درج ہے اور بحمد اللہ اس ایڈیشن کو قبول عام حاصل ہوا۔

مگر نئے ایڈیشن کی طباعت کے وقت مناسب معلوم ہوا کہ اس اشاعت میں اس دَور کے مشہور بزرگ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ تفصیلی مقدمہ شامل اشاعت کر دیا جائے جو گرانقدر ہونے کے ساتھ تفصیلی بھی ہے اور معلومات افزا بھی۔

سابقہ ایڈیشن میں اصل کتاب کی کتابت کروائی گئی تھی جو ہمارے پاس موجود ہے۔ مگر حال میں ہمیں ۱۳۴۶ھ (یعنی آج سے تقریباً اٹھاون سال پہلے) کا طبع شدہ وہ نسخہ مل گیا جو حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے خلیفۂ راشد حضرت مولانا عبد المجید صاحب بچھرایونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زیرِ نگرانی طبع کروایا تھا۔ چنانچہ اس مرتبہ اُسی نسخہ کا فوٹو پیشِ خدمت ہے۔ جو انشاء اللہ تصحیح متن کے اعتبار سے سب سے بہتر ثابت ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ ہماری اس کوشش کو قبول فرما کر ہمیں اور جملہ قارئین کو اس مبارک کتاب کی برکات سے مستفید فرمائے۔ آمین!

والسّلام
اشرف برادران (سلّمہم الرحمٰن)
ادارہ اسلامیات، لاہور

کلماتِ طیّبات

جامع شریعت و طریقت استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمدؒ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، بانی جامعہ خیر المدارس، ملتان و خلیفۂ ارشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ۔

باسمہٖ سبحانہٗ و تعالیٰ ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ !

چونکہ ظاہر و باطن کی اصلاح کے ذریعہ حق تعالیٰ سے تعلق بڑھانا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ جو تصوف کی روح ہے اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ کتاب "اکمال الشیّم شرح اتمام النّعَم" اس عظیم الشان مقصد کے حصول کے لیے اکسیر اعظم ہے۔ اسی واسطے آسمان تصوف کے نیّرِ اعظم اشرفُ المشائخ قطبُ الارشاد والتکوین مجدّدالملّۃ والدین حکیم الامت سیّدنا و مرشدنا حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہٗ العزیز اسکو پسند فرماکر خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون کے درس سلوک کے نصاب میں داخل فرماکر سالکین کو اس کے مطالعہ کی تاکید فرماتے رہے۔ چنانچہ دربار اشرفی کے ادنیٰ خادم کاتب الحروف حقیر پر تقصیر کو بھی اس مطالعہ کا امر فرمایا تھا۔

میرے نزدیک یہ کتاب تصوّف کا عطر ہے۔ لہٰذا ہر طالب اصلاح اور ہر سالک کو اس کے مطالعہ سے ضرور استفادہ کرنا چاہیئے۔

احقر خیر محمدؐ عفا اللہ عنہ
مہتمم مدرسہ خیر المدارس، ملتان
یکم ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

اِس کتاب پر ایک نظر

۱۔ دراصل یہ کتاب، تصوّف کے گرانقدر موتیوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ تھا۔ جسے حضرت شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۰۹ھ) نے تحریر فرمایا تھا مگر اس رسالہ کے مضامین متفرق تھے۔ جن میں کسی خاص ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ رسالہ کا نام "اَلحِکَمُ العَطَائِیَّۃ" تھا۔

۲۔ حدیث شریف کی مشہور جامع کتاب "کنز العمّال" کے نامور مصنّف حضرت مولانا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۷۵ھ) نے اس رسالہ کی بتویب کی جس کا نام "تبویبُ الحِکَم" رکھا۔

۳۔ سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی قدس اللہ سرّہ کے حکم سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدّث سہارنپوری قدس سرّہ (متوفی ۱۳۴۷ھ) نے اُردو زبان میں اُسکا ترجمہ فرمایا۔ جس کی پہلی اشاعت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ذریعہ سے ہوئی اور حضرتؒ ہی نے اسکا نام "اتمامُ النِّعَم ترجمہ تبویبُ الحِکَم" تجویز فرمایا۔

۴۔ مگر اُردو ترجمہ کے ساتھ تشریح و تسہیل کی ابھی ضرورت باقی تھی۔ جسے حضرت مولانا محمد عبد اللہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بحسن و کمال پورا فرمایا اور اب شرح کے ساتھ یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔ اس اُردو شرح کا نام "اکمالُ الشِّیَم" تجویز ہوا۔ جسکے معنی تکمیل اخلاق کے ہیں۔

۵۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ عرصہ قبل اس کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ کا اضافہ فرمایا ہے۔ جس میں مصنّف اور مبوّب کے اجمالاً اور مترجم و شارح (رحمہم اللہ) کے تفصیلاً حالات تحریر فرمائے۔ یہ مقدمہ اس طباعت میں بحمد اللہ شامل اشاعت ہے۔ (والحمد للہ علیٰ ذلک)

فہرست مضامین

مقدمہ

اکمال الشیم

از قلم فیض رقم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمدؒ زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَہْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ؕ (القرآن)

ترجمہ

اللہ اپنی طرف جسکو چاہے کھینچ لیتا ہے، اور جو شخص اُس کی طرف رجوع کرے، اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔

(سورۃ الشوریٰ آیت ۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اکمال الشیم ترجمہ اردو اتمام النعم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؐ

حمد وصلوٰۃ کے بعد جیسا کہ ارشاد الملوک کی تمہید میں لکھا جا چکا ہے کہ اس ناکارہ نے گذشتہ سال ماہ مبارک سے ان مخلص دوستوں کے لئے جو یہاں کثرت سے ماہ مبارک گذارنے آتے ہیں ارشاد الملوک اور اکمال الشیم کا سننا تجویز کیا تھا۔ ارشاد الملوک کے متعلق اس کی تمہید میں تفصیل گذر چکی ہے۔ اکمال الشیم حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کی شرح ہے جو انھوں نے اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی کتاب اتمام النعم کی شرح حضرت کے حکم سے لکھی تھی جیسا کہ عنقریب "دیباچہ از شارحؒ" کے ذیل میں آرہا ہے اور اتمام النعم تبویب الحکم کا اردو ترجمہ ہے جیسا کہ اتمام النعم کے بیان میں آرہا ہے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہ کے مخصوص شاگردوں میں تھے جنھوں نے از اول تا آخر سب کچھ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہی پڑھا۔ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ جب شوال ۱۳۱۱ھ میں دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے تو قصبہ کے شرقی حصہ میں لال مسجد کے نام سے ایک مشہور مسجد تھی جو اب بھی اسی نام سے مشہور ہے اب تو اس میں بہت تعمیرات جدیدہ ہوگئی ہیں مگر اس وقت معمولی حالت میں تھی۔ اس کے ایک حجرہ میں میرے والد صاحبؒ اور میرے پھوپھا مولانا رضی الحسن صاحبؒ اور بعض دوسرے طلبہ کا قیام تھا یہ حضرات سبق پڑھنے کے لئے قطب عالمؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوتے اور سبق سے فارغ ہوکر اپنی مسجد میں واپس تشریف لے آتے۔ اس مسجد کے قریب ہی مولانا عبداللہ صاحبؒ

کا مکان تھا اور یہ کم عمر دس بارہ برس کے بچے تھے لیکن نماز کے بہت پابند تھے اس کم عمری میں بہت پابندی سے پانچوں وقت کی نماز مسجد میں پڑھتے تھے ان کی یہ ادا میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو بہت پسند آئی اور ان کو عربی پڑھنے کی ترغیب دی کہ چھٹی کے اوقات میں تھوڑی تھوڑی عربی بھی پڑھ لیا کرو۔ انگریزی کے ساتھ ساتھ مولوی بھی ہو جاؤ گے یہ اس وقت انگریزی اسکول میں پڑھا کرتے تھے۔ کچھ دنوں تک اسکول کے ساتھ ساتھ عربی پڑھتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور اسکول چھوڑ کر اول عالم کامل بنے اور پھر حضرت اقدس سہارنپوری رح کی جانب سے خلافت ملنے کے بعد شیخ طریقت بنے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ نے تذکرۃ الخلیل میں ان کی ابتدائی تعلیم کا حال اس طرح لکھا ہے مولوی عبد اللہ صاحب گنگوہی کہ حضرت کے مجاز طریقت تھے مولانا محمد یحییٰ صاحب رح ہی کے شاگرد اور مارے باندھے ادھر لائے ہوئے تھے کہ انگریزی اسکول میں پڑھا کرتے تھے اور اپنے محلہ والی مسجد میں جس کا حجرہ مولوی محمد یحییٰ صاحب رح نے اپنے قیام کے لئے رکھا تھا کبھی کبھی نماز کو آجایا کرتے تھے آپ نے تاڑ لیا کہ نماز کا شوق رکھتا ہے اس لئے کیا عجب ہے کہ دینی تعلیم کی طرف رغبت پا جائے۔ لہٰذا صاحب سلامت پیدا کی اور بہلا پھسلا کر خارج وقت میں عربی پڑھنے کا شوق دلایا۔ مولوی عبد اللہ کہنے میں آگئے اور میزان شروع کر دی۔ ذرا غبی زیادہ تھے ایک دن مولانا نے ایک گردان یاد کرنے کو کہدیا جن کو رٹتے رٹتے شام ہو گئی۔ مولانا نے فرمایا کہ خدا کے بندے کیا ظلم ہے کہ ایک گردان میں شام کر دی۔ کہنے لگے نہیں مولوی صاحب یہ تو دو تھیں دو تھیں اور یہ کہکر رونے لگے۔ غرض اس طرح بہلا پھسلا کر آگے چلایا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی چھوٹ گئی اور عربی کے ہو رہے۔ حق تعالیٰ نے خوش نصیب بنایا تھا لہٰذا اول عالم باعمل ہوئے پھر سالک مجاز طریقت۔ اس بنا پر مولانا مرحوم کے اعمال حسنہ بھی مولوی محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نامۂ اعمال میں درج ہیں ورنہ جس انگریزی میں پڑ لئے تھے وہ خدا جانے کہاں پہونچاتی۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب رح کی وفات کے بعد اپنے استاد زادہ مولوی محمد زکریا صاحب سے مولوی صاحب کو نسبت بڑھ گئی تھی اور باوجود عمر میں بڑے ہونے کے ان کا

احترام فرمانے لگے تھے ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ مولوی زکریا صاحب میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر بتاؤ خواب یہ ہے کہ آسمان سے ایک بڑا انار گرا اور زمین میں گرتے ہی اس کے سب دانے جدا جدا ہو گئے مولانا محمد یحییٰ صاحب تشریف رکھتے تھے اور فرمارہے ہیں بھائی اس انار میں ایک دانہ میرا بھی ہے۔ یہ خواب سنا کر تعبیر کا تقاضا کیا اور جب مولوی زکریا صاحب نے بار بار یہی جواب دیا کہ مجھے تعبیر دینا نہیں آتی تو فرمایا کہ اچھا میں بتاؤں تعبیر کہ وہ دانہ میں ہوں اور میں تو آخر مولوی صاحب کا ہوں ہی۔ اور یہ بشارت ہے میری موت اور پھر مغفرت کی۔ چنانچہ چند ماہ بعد اسی سال مولانا کا وصال ہو گیا۔ اور دق میں مبتلا ہو کر ہنستے اور باتیں کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحبؒ مرحوم میرے والد صاحب قدس سرہٗ کے بہت ہی اخص الخواص شاگردوں میں تھے۔ استاذ کو شاگرد پر اور شاگرد کو استاذ پر بڑا فخر تھا اور میرے حضرت اقدس سہارنپوری کے بڑے اجل خلفاء میں سے تھے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ غالباً ۱۳۲۷ھ میں خلافت ملی تھی اور اسی سنہ میں مولانا شبیر علی صاحب نے بھی اپنے مکتوب میں خلافت ملنا لکھا ہے

از زکریا یہ وہ سال ہے جس میں مولانا مرحوم مدرسہ مظاہر علوم کے مدرس تھے۔ اس کے باوجود شوال ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت قدس سرہ حجاز تشریف لے جارہے تھے تو مولانا مرحوم نے تجدید بیعت کی درخواست کی اتفاق سے اسی دن اس سیہ کار نے بھی بیعت کی درخواست کر رکھی تھی اور حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمادیا تھا کہ مغرب کے بعد جب میں نفلوں سے فارغ ہو جاؤں تو میرے پاس آجانا یہ ناکارہ مغرب کے بعد ہی سے حضرت کے پیچھے فصل سے بیٹھا رہا۔ نوافل کے بعد جب حضرت قدس سرہ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو یہ ناکارہ قریب حاضر ہو گیا اور مولانا مرحوم بھی جو مدرسہ قدیم میں دوسری جانب دور بیٹھے ہوئے تھے حاضر خدمت ہو گئے۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑ کر خطبہ شروع فرمایا اور مولانا مرحوم پر اس زور کا گریہ شروع ہوا کہ چیخیں نکل گئیں اور اخیر تک بہت شدت سے روتے رہے اور حضرت قدس سرہٗ پر بھی اس کا اثر ایسا پڑا کہ آواز

میں گھر گھراہٹ پیدا ہوگئی اور دونوں حضرات پر بہت ہی زیادہ اثر تھا۔

اس ناکارہ کو چونکہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے ابتدائی حالات معلوم نہیں تھے اس لئے حضرت مولانا الحاج ظفر احمد صاحب تھانوی شیخ الاسلام پاکستان اور الحاج مولانا شبیر علی صاحب تھانوی ثم الپاکستانی برادرزادہ حضرت حکیم الامتہ تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں عریضے لکھے تھے یہ دونوں حضرات بھی حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کے خاص شاگردوں میں ہیں اور ان دونوں حضرات کے جو خطوط بندہ کے جواب میں آئے ہیں وہ بعینہٖ نقل کراتا ہوں۔ (نقل خط مولانا شبیر علی صاحب تھانوی)

برادرم عزیزم سلمکم اللہ وعافاکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

راحت نامہ ملا۔ آپ نے تحصیل علم اور پھر اس کی تبلیغ میں جس قدر محنت شاقہ برداشت کی ہے اور کر رہے ہیں اس کا اثر صحت جسمانی پر ہونا لازمی تھا اللہ تعالیٰ اس کا بھرپور اجر انشاء اللہ تعالیٰ عطا فرماویں گے۔ آپ کا آرام اور چین ہی چونکہ تحصیل و تبلیغ علم ہی ہے اس کے بغیر نہ چین مل سکتا ہے اور نہ آرام، اس لئے یہ کہنا تو حماقت ہے کہ آپ آرام کیا جائے ہاں یہ دعا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ صحت کلی عطا فرمائے تاکہ تحصیل و تبلیغ میں سہولت سے راحت و آرام بھی نصیب ہو، آمین۔

اس مرتبہ کی ملاقات تو بس لغۃً ہی ملاقات تھی ورنہ میں بھی ترستا ہی رہ گیا۔ اگر میں علیل نہ ہوتا تو ہوائی اڈے تک ضرور جاتا کہ کچھ اور وقت مل جاتا مگر بصورت اللہ تعالیٰ صحت و عافیت سے پھر ملنا نصیب فرماوے آمین۔ میرے استاد محترم مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات آپ نے دریافت کئے ہیں جس عمر میں استاد محترم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری رہی اس وقت تو اتنا شعور کہاں تھا کہ مختلف سنین یاد رکھے جاتے (اور شعور تو اب بھی کہاں ہے مگر اس وقت تو شرعاً بھی غیر مکلف تھا) بہرحال کچھ اپنی عمر کا حساب لگا کر لکھتا ہوں اس حساب سے آپ بھی اندازہ فرمالیں گے کہ سنین کا تقریبی حساب صحیح ہوگا۔ اور امید ہے کہ آپ کے سوالات کا جواب بھی

ہو جائے گا۔ سوال ۱ :۔ مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھانہ بھون میں ابتدائی تقرر کب ہوا۔ اور ان کی کیا خصوصیت تھی جس کی بنا پر یہ تقرر ہوا؟ جواب: میری پیدائش ۸ رمضان ۱۳۱۲ھ کی ہے جب میری عمر چھ سال کی تھی تو بڑے ابا (یعنی حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ) اور بڑی اماں نے میرے والدین مرحومین سے لیکر گویا مجھے متبنیٰ بنا لیا اور مجھے لیکر تھانہ بھون واپس آئے اور بڑے ابا کو میری تعلیم کی فکر ہوئی۔ آگے وہ لکھتا ہوں جو استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا۔ استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا تھانویؒ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ مجھے اپنے بچہ کی تعلیم کے لئے کسی ذی استعداد طالب علم کی ضرورت ہے اگر آپ کے پاس کوئی ایسا طالب علم ہو تو مجھے دیدیا جائے تو مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے (یعنی استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کو) دیدیا کہ انشاء اللہ یہ آپ کی مرضی کے مطابق تعلیم دے گا مجھے اس پر اطمینان ہے۔ بڑے ابا استاذ محترم کو تھانہ بھون لے آئے میری عمر چھ سال کی ظاہر ہے کہ ۱۳۱۸ھ میں ہوئی لہٰذا استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ بھی ۱۳۱۸ھ یا زیادہ سے زیادہ شروع ۱۳۱۹ھ میں تھانہ بھون تشریف لائے۔ یہ تو تشریف آوری کا سن ہو گیا اور خصوصیت ان کی اپنے استاذ الاساتذہ کے نزدیک ذی استعداد اور قابل اطمینان ہونا تھا۔

سوال ۲ :۔ سہارنپور کی مدرسی اور پھر سہارنپور سے واپسی؟

جواب: ان دونوں کا سبب بھی یہی بدنام کنندہ ہے یعنی جس طرح میرے استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ الاساتذہ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر کسی کو پڑھایا نہیں بلکہ گھول کر پلایا ہے تو شاگرد رشید کیوں ایسے نہ ہوتے۔ چنانچہ جب میں استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کیا گیا تو اول مجھے کچھ اردو پڑھائی اور پھر فارسی شروع کرادی۔ اس زمانہ میں آمدنامہ وغیرہ سے فارسی شروع کرائی جاتی تھی مگر استاذ محترمؒ کو تو گھول کر پلانا تھا لہٰذا میری تعلیم کے لئے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمانا شروع کی جس کا نام تیسیر المبتدی ہے اور اس کے دیباچہ میں استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا سبب تالیف بھی یہ تحریر

فرمایا کہ ایک عزیز بچہ کا فارسی اور عربی شروع کرنا ہے۔ وہ عزیز بچہ ہی بدنام کنندہ ہے غرض یہ گھول کر پلانے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ میری عمر جب چودہ سال کی تھی تو ہدایہ، مشکوٰۃ وغیرہ سب مجھے گھول کر پلا چکے تھے۔ اب بڑے ابا نے مجھے سہارنپور دورہ کیلئے بھیجنا تجویز فرمایا اور حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے میری عمر وغیرہ لکھکر مشورہ فرمایا۔ حضرت مولانا سہارنپوری ؒ نے تحریر فرمایا کہ ضرور بھیجدیا جائے۔ میں اس کو مثل اپنی اولاد کے رکھوں گا اور پڑھاؤں گا۔ اس جواب کے بعد میرا جانا تجویز ہو گیا ۱۳۲۶ھ ہوا۔ اب استاذ محترم ؒ نے بڑے ابا سے عرض کیا کہ شبیر کی عمر کم ہے اور وہ اب تک تنہا باہر جا کر رہا نہیں۔ سہارنپور میں وہ پریشان ہوگا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہاں کچھ اور انتظام فرما لیا جائے۔ میں اس کے ساتھ سہارنپور جانا چاہتا ہوں مجھ سے مانوس ہے تو پریشان نہیں ہوگا۔ بڑے ابا نے فرمایا کہ وہاں معاش کا کیا انتظام ہوگا تو عرض کیا کہ وہ شہر ہے کچھ محنت مزدوری کر لیا کروں گا مگر شبیر کو اکیلا بھیجنے کو دل گوارا نہیں کرتا (میاں زکریا اس وقت میرا دل قابو میں نہیں آنکھ سے آنسو جاری ہیں۔ ہائے کیسے استاذ تھے آنکھیں ان ہستیوں کو دیکھنے کو ترستی ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرما کر ان حضرات کی جوتیوں میں جگہ عنایت فرمائے) بڑے ابا نے میرے والد صاحب مرحوم کو لکھا کہ شبیر کو سہارنپور بھیجنا تجویز ہو گیا ہے اور اس کے استاذ اس کے ساتھ جانے پر مُصر ہیں یہاں مدرسہ سے ان کو دس روپے ماہوار ملتے تھے اگر تم یہ رقم مقرر کر دو تو اچھا ہے۔ والد صاحب مرحوم نے لکھا کہ میں ان کی خدمت میں پندرہ روپے پیش کیا کروں گا۔ اس طرح شوال ۱۳۲۶ھ میں استاذ محترم ؒ مجھے لیکر سہارنپور تشریف لے گئے۔ وہاں میری موجودگی میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سب بات ہوئی۔ استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مشاہرہ کا ذکر بھی فرمایا حضرت مولانا ؒ نے فرمایا ہم کو ایک مدرس کی ضرورت ہے اگر تم منظور کرو تو اس مدرسہ سے بیس یا پچیس روپے (اس میں مجھے شک ہے) ماہوار مل جایا کریں گے۔ استاذ محترم ؒ نے بخوشی منظور کیا اور یہ عرض کیا کہ شبیر کو ساتھ رکھوں گا۔ حضرت مولانا نے منظور فرما لیا۔ اس طرح

حساب سے شوال ۱۳۲۶ھ استاذ محترم کی سہارنپور آمد کا سن ہے۔ بوجہ میری کم عمری کے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دورہ حدیث کو میرے لئے دو سال میں پورا کرنا تجویز فرمایا چنانچہ دو سال میں دورہ حدیث سے میں فارغ ہوا اور دو سال تک استاذ محترم رح بھی سہارنپور رہے اور دورہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میرا قصد حضرت دیوبندی سے حدیث پڑھنے کا اور ایک مرتبہ اور دورہ پڑھنے کا قصد ہے اس وقت میری عمر سولہ سال تھی اور ۱۳۲۸ھ تھا۔ استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب ماشاء اللہ تیری عمر بھی زیادہ ہوگئی ہے اور باہر رہ بھی چکا ہے اب مجھے بے فکری ہے شوق سے دیوبند جا اور استاذ محترم رح نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ میں شبیر کی وجہ سے یہاں رہتا تھا اب وہ دیوبند جا رہا ہے اور اب اس کو ضرورت بھی نہیں ہے اور کاندھلہ کے حضرات مجھے بہت اصرار سے بلا رہے ہیں اگر اجازت ہو تو میں وہاں چلا جاؤں۔ حضرت مولانا نے بخوشی اجازت دیدی۔ استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ (تھانہ بھون نہیں بلکہ) سہارنپور سے کاندھلہ ہی تشریف لے گئے تو یہ ۱۳۲۸ھ ہے کہ سہارنپور سے واپسی بھی ہوئی اور کاندھلہ تشریف بری بھی۔

سوال ۳:- دورۂ حدیث کہاں پڑھا؟

جواب:- خاص طور پر دورۂ حدیث کا تو کبھی ذکر نہیں آیا مگر یہ بارہا فرمایا کہ میں نے سب کچھ حضرت مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہی سے پڑھا ہے اس لئے غالب گمان یہی ہے کہ دورہ بھی انھیں سے پڑھا ہوگا۔ میں نے اپنی عمر کا حساب چھ سال[عـــہ] کی عمر سے لگایا ہے ممکن ہے کہ اس میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو میں پانچ یا سات سال کی عمر میں بڑے ابا کے ساتھ آیا ہوں لہٰذا روئداد مدرسہ میں میرے لکھے ہوئے سال سے اگر مطابقت نہ ہو تو روئداد کا سن صحیح ہے۔ ہاں یہ بھی لکھدوں کہ استاذ محترم رح کو انہی دو سال کے قیام میں حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجاز بیعت بھی فرمایا تھا۔ آخر میں نہایت عاجزی سے درخواست ہے کہ میری ظاہری و باطنی اصلاح اور ایمان پر خاتمہ کی دعا

عـــہ روئداد مدرسہ سے سات سال کی تائید معلوم ہوتی ہے ۱۲

سے دریغ نہ فرماویں۔ والسلام۔ جس سے جی چاہے میرا سلام کہدیں۔ برخوردار سلمہٗ کو دعا ایک

احقر محمد شبیر علی تھانوی

ناظم آباد کراچی مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۸۶ھ ۹ جولائی ۶۶ء

مدرسہ کی مطبوعہ روئیداد کے موافق مولانا عبد اللہ صاحبؒ کی مظاہر علوم میں آمد ۱۲ شوال ۲۷ھ کو ہے اور شوال ۱۳۲۸ھ میں اکابر مدرسہ کے ساتھ حج کو روانگی ہے اور محرم ۲۹ھ میں حج کی واپسی کے بعد ماہ صفر سے ایک ماہ چوبیس دن مدرسہ کا تعلق ہوا اور پھر استعفا ہے۔ مولانا مرحوم کا مدرسہ میں ابتدائی تقرر پندرہ روپے سے ہوا تھا۔ مولانا شبیر علی صاحب کا امتحان بھی شعبان ۱۳۳۱ھ میں دورہ کی کتابوں میں ہے (نقل مکتوب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی شیخ الاسلام پاکستان)

مکرمی! مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث سلمہ اللہ تعالیٰ وکرمہ وعافاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ عرصہ کے بعد موصول ہوا۔ میں نے جو کارڈ آپ کی روانگی از کراچی کے بعد لکھا تھا اور اسی کے ساتھ عزیز ہارون سلمہٗ کو نظام الدین دہلی کے پتہ پر خط لکھا تھا دونوں کا جواب نہیں ملا۔ کل ۱۲ ربیع الاول کا لکھا کارڈ ملا۔ آپ کی نگاہ پر ضعف کا اثر معلوم کر کے رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ ضعف بصر کو قوت سے بدل دیں اور آپ کے فیض تالیف و تحریر کو عام و تام فرمائیں۔ آمین۔ مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کی صحیح خبر مجھے بھی نہیں ہے مگر اتنا خیال ہے کہ جب میں نے تھانہ بھون میں ان سے ابتدائی صرف و نحو کی تعلیم شروع کی ہے میری عمر اس وقت تیرہ (۱۳) سال تھی اور مولانا کی عمر ۲۵ سال کے لگ بھگ تھی۔ میری ولادت ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ ہے تو مولانا کی ولادت ۱۲۹۸ھ ہوگی۔ مولانا عبد اللہ صاحب کی تعلیم پوری حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے پاس ہوئی ہے۔ مولانا کے والد نے ان کو اسکول میں داخل کیا تھا مگر مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے ارشاد پر اسکول سے اٹھا کر عربی تعلیم کے لئے مولانا کے حوالہ کر دیا تھا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ ان کے والد کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے تاکہ اسکول سے اٹھانے کی تلافی ہو جائے۔ مولانا

عبداللہ صاحبؒ نے تین سال میں تعلیم پوری کر لی تھی پھر حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے خانقاہ امدادیہ کے لئے مدرس تجویز کرنے کو فرمایا تو انھوں نے مولانا محمد عبداللہ کو تھانہ بھون بھیجدیا جو ابھی فارغ ہوئے تھے۔ تنخواہ نو روپے ماہوار تھی مگر مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے اس کے ساتھ تجارت کتب کا سلسلہ بھی جاری کرنے کی ہدایت کی اور اپنے کتب خانے سے کتابیں دیتے رہے تاکہ سلسلہ تجارت جاری کر سکیں۔ غالباً پہلے کچھ معتد بہ بمقدار بلا قیمت دی تھی اور پھر قیمتہً دیتے رہے۔ اس سلسلہ تجارت سے ان کو قلت تنخواہ کی فکر لاحق نہ ہوئی اور اطمینان سے تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے مواعظ قلمبند کرنے کا کام بھی ان کے سپرد کر دیا۔ اس سے بھی خاصی آمدنی ماہوار ہوتی رہی۔ مولانا عبداللہ صاحبؒ کو ابتدائی تعلیم صرف و نحو ادب میں کامل مہارت تھی تیسیر المبتدی ہمارے ہی واسطے لکھی تھی اور روزانہ جو سبق لکھکر لاتے تھے پہلے حضرت حکیم الامت کو دکھلاتے تھے۔ اس طرح یہ کتاب مکمل ہو کر طبع ہو گئی اور بہت مقبول ہوئی جس سے مولانا عبداللہ صاحبؒ کو مالی نفع بھی ہوا کہ اول انھوں نے ہی اسکو طبع کرایا تھا۔ میں نے میزان، منشعب، پنج گنج کے ساتھ ساتھ تیسیر المبتدی پڑھی تھی۔ حصہ صرف ختم ہونے کے بعد نحو میر کے ساتھ اس کا حصہ نحو پڑھا تھا۔ مولانا اسی زمانے میں ہم سے اردو کی عربی اور عربی کی اردو بنوایا کرتے تھے۔ عصر کے بعد سیر و تفریح کو جاتے اور ہمیں ساتھ لیتے۔ خود قرآن شریف پڑھتے جاتے اور ہم سے قرآن کے صیغے دریافت کرتے جاتے اور نحوی ترکیب بھی پوچھتے جاتے۔ اس طرح نحو میر پڑھنے کے زمانے ہی میں مجھے عربی لکھنے اور بولنے کی مشق ہو گئی تھی۔ میں نے اسی زمانے میں اپنے ایک ساتھی کو دیوبند خط لکھا تو اس میں عربی کے چند اشعار بھی لکھے تھے جن میں سے ایک شعر یاد ہے ؎

انا مارأیتک من زمن ٭ فاذ دادفی قلبی الشجن۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے میرا یہ خط دیکھ لیا تو بہت دھمکایا کہ ابھی سے شعر و شاعری کا مشغلہ ابھی تو محنت کرنے اور یاد کرنے کا زمانہ ہے مگر مولانا عبداللہ صاحب سے فرمایا کہ میں نے اگرچہ ظفر کو شعر و شاعری پر دھمکایا ہے مگر آپ کی خوبی تعلیم کا مجھ پر بہت اثر ہوا کہ نحو میر پڑھنے والے کو عربی شعر

بنانے کی لیاقت ہوگئی اگرچہ شعر کیا تھے محض تک بندی تھی مگر نحوی ترکیب صحیح تھی وزن
بھی درست تھا۔ میں نے مولانا سے میزان، منشعب، پنج گنج، نحومیر، شرح مائۃ عامل،
ہدایۃ النحو، اور ادب کی ایک کتاب الطریف للادیب الظریف (مؤلفہ مولانا عبدالاول
جونپوری رحمۃ اللہ علیہ) پڑھی تھی۔ اس کے بعد قدوری اور ترجمہ قرآن شروع کیا تھا
یہ زمانہ ۱۳۲۳ھ کا تھا کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو مکشوف ہوا کہ حضرت مولانا
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وقت قریب ہے تو مولانا عبداللہ صاحبؒ سے فرمایا کہ آپ
مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں اب مولانا کا وقت قریب ہے۔ آپ مدرسہ
تھانہ بھون سے چھ ماہ کی رخصت لیکر گنگوہ حضرت کی خدمت میں چلے جائیں۔ اس زمانہ
میں حضرت حکیم الامتؒ اپنے خدام کو برابر گنگوہ جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ مجھے اور میرے
بھائی مولانا سعید احمد صاحب مرحوم کو بھی گنگوہ بھیجا کہ حضرت کی زیارت کرلو۔ پھر معلوم
موقع ملے یا نہ ملے۔ چنانچہ ہم تین دن گنگوہ رہے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے ذریعہ سے بعد نماز فجر حجرہ شریفہ میں زیارت سے مشرف ہوئے فرمایا کہ کون؟ میں نے
عرض کیا کہ مولانا اشرف علی صاحب کا بھانجہ۔ فوراً فرمایا کہ شیخ نہال احمد کا پوتا۔ عرض کیا
جی ہاں۔ دعا کی درخواست کی تو حضرت نے دعاؤں سے نوازا۔ اس وقت مولانا محمد
عبداللہ صاحب گنگوہ ہی میں قیام پذیر تھے۔ ہمیں اپنے ساتھ حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں
ظہر سے عصر تک رکھتے تھے۔ اس وقت اور تو کچھ تمیز نہ تھی مگر اس مجلس کے انوار اب تک
یاد ہیں۔ بڑی پر انوار مجلس تھی۔ مولانا عبداللہ صاحب کی غیبت میں ترجمۂ قرآن شریف
شاہ لطف رسول صاحب سے اور التلخیصات العشر کا کچھ حصہ حضرت حکیم الامت سے
اور بقیہ اپنے بڑے بھائی صاحب سے پڑھتا رہا۔ پھر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اب میں
نے تفسیر بیان القرآن لکھنا شروع کر دی ہے کہ اب مجھے درس کا وقت نہیں ملے گا میں
تم دونوں کو اپنے خاص تلامذہ کے پاس کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں داخل کرنے
کے لئے اپنے ساتھ لے جاتا ہوں وہاں تکمیل کرلو۔ چنانچہ ہم دونوں کو ساتھ لیا اور جامع
العلوم کانپور میں داخل کرا دیا۔ جب میرا امتحان داخلہ مولانا محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بردوانی

نے لیا تو پوچھا آپ نے اب تک کیا پڑھا! میں نے وہی کتابیں گنا دیں جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔ فرمایا کہ نہ آپ نے کافیہ پڑھا اور نہ شرح جامی اور نہ مختصر المعانی تو اب کیا پڑھنے کا ارادہ ہے میں نے کہا کہ اگر تھانہ بھون میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تو میں اس وقت ہدایہ جلالین، مشکوٰۃ یا تیسیر الوصول پڑھتا۔ فرمایا کہ بغیر نور الانوار اور مختصر المعانی کے آپ مشکوٰۃ، جلالین کیسے پڑھ لیں گے۔ اچھا اس وقت ہدایہ اخیرین پڑھنے والا جہاں سے پڑھ رہا ہے اس کے آگے آپ پڑھیں۔ میں نے عبارت صحیح پڑھ دی۔ فرمایا کہ ترجمہ کیجئے۔ میں نے ترجمہ بھی صحیح کر دیا۔ فرمایا کہ مطلب بیان کیجئے۔ میں نے کہا اس عبارت کا تعلق ذرا اوپر سے ہے ذرا اوپر سے دیکھ لوں۔ اتنا سنتے ہی فرمایا کہ تم ہدایہ، مشکوٰۃ، جلالین ضرور پڑھ لوگے۔ یہ ہدایہ اخیرین پڑھنے والے نہ عبارت صحیح پڑھتے ہیں اور نہ ترجمہ صحیح کرتے ہیں اور نہ ان کو اس کی خبر کہ کس مضمون کا تعلق کس سے ہے۔ چنانچہ نام داخل کر دیا اور حضرت حکیم الامت رح سے فرمایا کہ یہ تو آپ کی کرامت ہے کہ بغیر شرح جامی، مختصر المعانی، نور الانوار پڑھے مولوی ظفر ہدایہ اخیرین کی عبارت صحیح پڑھ گئے اور ترجمہ بھی صحیح کر دیا حالانکہ نہ پہلے سے مطالعہ کیا اور نہ کتاب کو دیکھا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ ہنسنے لگے اور فرمایا کہ یہ کرامت نہیں بلکہ تعلیم کی خوبی ہے ہمارے یہاں مولوی عبداللہ صاحب ابتدائی تعلیم بہت اچھی دیتے ہیں کہ نحو میر اور ہدایۃ النحو پڑھنے والوں کو عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کی پوری مشق ہو جاتی ہے۔ میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کانپور ہی میں تھا کہ حضرت مولانا گنگوہی رح کے انتقال کی خبر آگئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے بعد ہی مولانا عبداللہ صاحب تھانہ بھون تشریف لے آئے اور میں کانپور میں تعلیم پاتا رہا۔ پھر چونکہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا عبداللہ صاحب نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ سے رجوع کیا تھا حضرت نے ان کی تکمیل و تربیت کے لئے غالباً اس کی ضرورت ظاہر فرمائی کہ وہ سہارنپور حضرت کی خدمت میں رہیں۔ چنانچہ تھانہ بھون سے رخصت لیکر انھوں نے مدرسہ مظاہر علوم میں قیام فرمایا اور مدرس مظاہر علوم بنا لئے گئے۔ ۱۳۲۴ھ میں جب بندہ مدرسہ جامع العلوم کانپور سے

سند فراغ من الدینیات حاصل کر کے تھانہ بھون حاضر ہوا تو مولانا اس وقت مظاہر علوم کے مدرس تھے۔ میری کتب فنون منطق و فلسفہ باقی تھیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے دار العلوم دیوبند بھیجنے کی ہوئی لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کا پیام یہ پہونچا کہ مولوی ظفر احمد کو مظاہر علوم سہارنپور بھیجدیا جائے۔ یہاں گو اسوقت مولانا محمد یحییٰ صاحب سہسرامی مدرس فنون موجود نہیں ہیں وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے ہیں مگر ان کی جگہ مدرس فنون بلایا ہی جائے گا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی تمھارے حال پر توجہ ہے تو اللہ کا نام لیکر مظاہر علوم ہی میں داخل ہو جاؤ۔ میرا دل بھی یہی چاہتا تھا کیونکہ مولانا عبد اللہ صاحب بھی وہاں مدرس تھے ان سے دل بہت مانوس تھا۔ چنانچہ محرم ۱۳۲۸ھ میں بندہ سہارنپور حاضر ہو گیا۔ اس زمانے میں مولانا عبد اللہ صاحب نے میرے ساتھ شرکت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ بنام منذر بن ساوی عبدی اور والا نامہ بنام ہرقل شاہ روم فوٹو سے چربہ لیکر طبع کرایا اور دو آنہ یا چار آنہ ہدیہ رکھا۔ مجھے اس میں پچاس روپے منافع ہوا۔ اور اسی قدر مولانا کو بھی ہوا۔ یہ رقم ہمارے سفر حج میں کام آئی کہ اسی سال شوال ۱۳۲۸ھ میں مولانا عبد اللطیف صاحب اور مولانا ثابت علی صاحب مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری کی معیت میں بندہ نے اور مولانا عبد اللہ صاحب نے بھی حج کا ارادہ کر لیا تھا۔ مولانا عبد اللہ صاحب کو میری خوابوں پر بہت اعتماد تھا جب ہم حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ جانے لگے تو فرمایا کہ مولوی ظفر تم کو اپنا وہ خواب بھی یاد ہے کہ تم نے نحو میر پڑھنے کے زمانے میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی حضورؐ نے تم کو جنت کی بشارت دینے کے بعد فرمایا تھا کہ پڑھنے کے بعد ہمارے یہاں بھی آؤ گے۔ تم نے عرض کیا کہ حضورؐ اشتیاق تو بہت ہے آپ دعا فرما دیں حضورؐ نے دعا فرمائی تھی دیکھو اس خواب کا ظہور ہو گیا کہ تم پڑھنے سے فارغ ہوتے ہی مدینہ جا رہے ہو۔ مکہ سے مدینہ چلتے ہوئے میں اور اونٹ پر تھا اور مولانا عبد اللہ صاحب دوسرے اونٹ پر۔ مدینہ سے واپسی میں دونوں ایک اونٹ پر تھے تو فرمایا کہ تم نے ایک خواب یہ دیکھا تھا کہ میں اور تم

دونوں ایک اونٹ پر مکہ مدینہ میں سفر کر رہے ہیں دیکھو اس کا بھی ظہور ہو گیا۔ ہم دونوں ایک ہی اونٹ پر سفر کر رہے ہیں۔ سفر حج سے واپسی پر مولانا عبد اللہ صاحب نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے پھر تھانہ بھون میں مدرسی کی جگہ پر جانے کی اجازت چاہی حضرت نے اجازت دیدی وہ تھانہ بھون تشریف لے آئے اور ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ سے یہ ناچیز ان کی جگہ مظاہر علوم میں مدرس بنا دیا گیا۔ جو اسباق مولانا عبد اللہ صاحب کے پاس تھے شرح وقایہ، نور الانوار وغیرہ وہ میرے سپرد ہوئے۔ پھر ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بنیت ہجرۃ مکہ مدینہ تشریف لے گئے تھے میں مظاہر علوم سے رخصت لیکر تھانہ بھون رہا۔ حضرت کی واپسی پر پھر حاضر ہوا۔ مگر حضرت سے اجازت لیکر مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں دو ڈھائی سال مقیم رہا پھر مستقل قیام تھانہ بھون ہی ہو گیا جس وقت میں گڑھی پختہ میں تھا اسی زمانے میں مولانا عبد اللہ کاندھلہ کے مدرسہ میں تشریف لے گئے تھے اور یہ معلوم نہ ہوا کہ اس کی وجہ کیا ہوئی۔ بہر حال آخر عمر تک کاندھلہ ہی میں پڑھاتے رہے اور وہیں انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون یغفر اللہ لنا ولہ ویرحمنا وایاہ وادخلنا وایاہ الجنۃ برحمتہ وفضلہ والسلام

نوٹ:۔ مولانا عبد اللہ صاحب کے دو لڑکے تھے ایک کا نام عبید اللہ اور دوسرے کا نام یاد نہیں وہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں کچھ معلوم ہو تو اطلاع دیں۔ مولانا عبد اللہ صاحب کا کچھ حال تذکرۃ الخلیل میں بھی ملیگا۔ فقط ۲۰ ربیع الاول ۸۰ھ

مولانا عبد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے دو صاحبزادے تھے جو مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد میرے چچا جان حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں چلے گئے تھے اور مستقل وہیں قیام تھا۔ لیکن بڑے لڑکے مولوی حافظ عبید اللہ کا چند سال ہوئے کسی تبلیغی سفر میں انتقال ہو گیا اور دوسرے صاحبزادے حافظ انعام اللہ پر چند سال سے کچھ جنون یا جذب کا اثر ہے۔ بہت دنوں سے اسی حال میں شہروں اور جنگلوں میں پھرتا رہتا ہے اللہ جل شانہ اس کے حال پر رحم فرمائے۔

مولانا عبد اللہ صاحبؒ کی اس تالیف اکمال الشیم کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف

معروف و مشہور ہیں جن میں تیسیر المبتدی اور تیسیر المنطق سب سے زیادہ مشہور ہیں تیسیر المبتدی تھانہ بھون کے قیام میں تالیف فرمائی۔ اور جیسا کہ مولانا شبیر علی صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے انھیں کے لئے تالیف ہوئی۔ اس لئے کہ تیسیر المبتدی پر حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی تقریظ میں ارشاد ہے کہ بلحاظ حالت زمانہ اکثر یہ امر پیش نظر رہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے محصلین علوم کے لئے سہولت و اختصار کی رعایت رکھنا ضروری ہے چنانچہ یہ رسالہ جو آپ کے پیش نظر ہے اسی خیال کا ایک مظہر ہے۔ محرک اس کا خاص اپنے ایک عزیز مبتدی بچہ کا فارسی اور عربی شروع کرنا اور اس کیلئے ایک محدود غیر وسیع وقت کا ظاہر کیا جانا ہے۔

اس وجہ سے میں نے مشفقی، محبی مولوی حافظ محمد عبداللہ صاحب گنگوہی سلمہ سے جو فی الحال میرے پاس تدریس طلبہ میں مشغول ہیں چند مختصر قواعد فارسی و عربی کے جو کہ کثیر الاستعمال ہوں اور اگلی کتب قواعد و مقاصد کے تفہیم میں معین ہوں واضح اور سلیس عبارت میں تدوین کرنے کے لئے درخواست کی۔ چنانچہ مولوی صاحب نے اپنے بیش بہا وقت میں سے ایک حصہ اس میں صرف کرکے اس کو مرتب کیا۔ اور محض بناء بر حسن ظن حرفاً حرفاً میری نظر سے اس کو گذارا۔ اور مختلف مواقع پر میرے مشوروں کو بھی قبول کیا۔ نفع اس کتاب کا محتاج بیان نہیں۔ مبتدی کو پڑھا کر خود دیکھا جا سکتا ہے۔

اس تقریظ کی تاریخ ۴ ار ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ ہے۔ اور تیسیر المنطق کاندھلہ کے دوران قیام میں تالیف فرمائی جس کی تمہید میں مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں طلبہ کی استعدادیں بہت ضعیف ہو گئی ہیں۔ اور منطق ایک ایسا علم ہے کہ جس کا تعلق صرف ذہن اور فہم سے ہے اس لئے اس سے بہت کم مناسبت ہوتی ہے۔ اور رسائل منطق...... سب غیر زبان فارسی یا عربی میں ہیں........ اس ضرورت سے ضروری مسائل منطق کے اردو میں لکھے گئے ہیں اور ان کو تیسیر المنطق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس رسالہ کو تصحیح کے لئے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مفتی ریاست مالیر کوٹلہ تلمیذ حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ و سرپرست و ممتحن درجات ابتدائیہ دارالعلوم دیوبند

(مظاہر علوم سہارنپور) کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس رسالہ کی تالیف ۲۵ ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۲۶ھ کو پوری ہوئی جیسا کہ رسالہ کے ختم پر لکھا ہے۔

مدرسہ کی روئداد کے موافق حضرت مولانا الحاج عبداللہ صاحب گنگوہیؒ کا تقرر مظاہر علوم میں ۱۲ ر شوال سنہ ۱۳۲۷ھ میں ہوا۔ اور شوال سنہ ۱۳۲۸ھ میں اکابر مدرسہ کے ساتھ سفر حج کے لئے تشریف لے گئے اور سفر حج سے واپسی پر صفر سنہ ۱۳۲۹ھ سے ایک ماہ چوبیس یوم مدرسہ میں کام کیا۔ اس کے بعد اس ناکارہ کے یاد کے موافق تو کچھ زمانہ تھانہ بھون کے قیام کے بعد کاندھلہ جانا ہے اور مولانا شبیر علی صاحب کے گرامی نامہ کے موافق سہارنپور کے بعد براہ راست کاندھلہ تشریف لے جانا ہے۔ مولانا شبیر علی صاحب کی عمر اس ناکارہ سے تین سال زائد ہے اور ان کا قیام بھی تھانہ بھون تھا اس لئے ان کی یاد زیادہ مقدم ہے لیکن مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ نے جن کی عمر مولانا شبیر علی صاحب سے بھی دو سال زائد ہے سہارنپور سے تھانہ بھون تشریف لے جانا تحریر فرمایا ہے۔ بہر حال سہارنپور سے براہ راست یا تھانہ بھون ہو کر اہل کاندھلہ کے اصرار اور حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہ کے ارشاد پر کاندھلہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں مدرسہ عربیہ میں جو پہلے سے قائم تھا جسکو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قیام سے بہت زیادہ ترقی ہوئی آخیر تک تعلیم فرماتے رہے اور وہیں قصبہ میں ایک کرائے کے مکان میں مع اہل وعیال تشریف فرما رہے اور ۱۵ ر رجب سنہ ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶ ر مارچ سنہ ۱۹۲۱ء شب شنبہ میں کاندھلہ ہی میں انتقال ہوا اور ہمارے جدی قبرستان متصل عیدگاہ میں جس میں حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نور اللہ مرقدہ وغیرہ اکابر علماء ومشائخ خاندان مدفون ہیں تدفین عمل میں آئی نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ

مولانا ظفر احمد صاحب اور مولانا شبیر علی صاحب نے اپنے استاذ مولانا عبداللہ صاحب کے طرز تعلیم کے متعلق جو فرمایا وہ بالکل صحیح ہے۔ اور یہ اثر ان کے استاذ میرے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کا طرز تعلیم تھا کہ وہ اپنی تعلیم میں بالخصوص درجہ ابتدائی کی تعلیم میں بالکل مجتہد تھے اور ہر شخص کی حیثیت کے موافق اپنی ایجاد سے تعلیم دیا کرتے تھے وہ خاص طور سے طرف کی کتابوں متداولہ کتابوں میں سے کوئی نہیں پڑھاتے تھے

بلکہ خوب مشق و تمرین کے بعد صرف میر، پنج گنج کتب ایک ایک دو دو دن میں سن لیا
کرتے تھے خود اس ناکارہ کے ساتھ بھی یہ پیش آیا کہ انھوں نے مثال مضاعف اجوف
واوی یائی ناقص واوی یائی کے قواعد زبانی بتاکر کاپی پر لکھوائے اس کے بعد دو حرف
ب ت لکھوائے اور پھر فرمایا کہ ان قواعد پر ان کے صیغے بناکر لاؤ اور کاپی پر ہر صیغہ مع
اس کی تعلیل کے لکھوا کر دیکھتے تھے یہ بَتَّ تو مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ اس کے بہت صیغے
بنائے اسی طرح نحو میں زبانی قواعد بتاکر ان کو لکھوا کر ان کی ترکیبیں ان قواعد کے مطابق
لکھوایا کرتے تھے۔ یُوسُفِ زلیخا کسرِ فا کے ساتھ کی ترکیب اب تک یاد ہے کہ ہم سے کرائی
تھی میں نے کر دی کہ یُوسُ منادی مرخم ہے اور فِ وفا سے امر کا صیغہ ہے اور زلیخا
مفعول اسی طرح اور بھی بہت سے صیغے صرف کے اور نحو کی ترکیبیں یاد ہیں۔ علم ادب پر
ان کا بہت زور تھا اور اس میں بھی متداول کتابیں، مقامات متنبی وغیرہ تمرین کے بعد
دورہ حدیث کی طرح سنتے تھے۔ نحو میر کے ساتھ ان کے یہاں چہل حدیثوں کے پڑھانے
کا بہت دستور تھا مجموعہ چہل حدیث جس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، ملا جامی
قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی چہل حدیثوں کا مجموعہ ہے اور خود انھوں نے ہی طبع کرایا
تھا پڑھاتے تھے کافیہ کے ساتھ پارہ عم کا ترجمہ پڑھایا کرتے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ
ادب میں دو چیزیں ہیں الفاظ اور ترجمہ مسلمان بچے کو پارہ عم تو یاد ہی ہوتا ہے صرف
ترجمہ یاد کرنا پڑتا ہے اور الفاظ پارہ ہونے کی وجہ سے مسلسل یاد رہتے ہیں۔ ہدایۃ النحو
اور کافیہ ساتھ پڑھانے کا دستور تھا۔ کافیہ کی ترتیب کے موافق صبح کو ہدایۃ النحو اور
جتنا ہدایۃ النحو کا سبق ہو گیا اسی کے مطابق شام کو کافیہ اسی طرح قدوری کنز بھی ساتھ
پڑھانے کا دستور تھا۔ کنز کی ترتیب کے موافق کنز کا سبق گویا اصل تھا اور قدوری کا
سبق اس کے لئے بمنزلۂ مطالعہ کے جمعہ کے دن تلخیص کا سبق اتنی مقدار میں کہ اگلے جمعہ
تک کی مختصر المعانی کی مقدار پوری ہو جائے۔ پورے ہفتہ اس کی مختصر المعانی ہوتی اور
آئندہ جمعہ کو پھر تلخیص کا اتنا ہی سبق۔ یہی معاملہ منار اور نور الانوار کے ساتھ رہتا۔ منار
چونکہ علیحدہ مطبوع نہیں ہے اسلئے جمعہ سے پہلے پہلے نور الانوار میں سے اسکا نقل کرنا بھی تھا

الفیہ ابن مالک کا سبق حفظ سنتے تھے اس ناکارہ نے رجب ۲۸ھ میں تو میزان وغیرہ شروع کی تھی اور رمضان میں نحو میر شروع ہو گئی تھی) شعبان ۲۹ھ تک نحو میر شرح مائۃ مع ترکیب ہدایۃ النحو، کافیہ، کبریٰ، ایساغوجی، شرح تہذیب، مفید الطالبین، بعض قصائد نفحۃ الیمن، الفیہ ابن مالک، فصول اکبری، مجموعہ چہل حدیث، ترجمہ پارہ عم و تبارک الذی پڑھی تھیں۔ ان کو ابتدائی کتابیں پڑھانے کا زیادہ شوق تھا۔ انھوں نے اہل مدرسہ سے بار بار اس پر بھی اصرار کیا کہ درجۂ ابتدائی مجھے دیدو حدیث پڑھانے والے تو اور بھی مل جائیں گے۔ اسی کا اثر ان کے سب شاگردوں میں بھی خوب رہا۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ گنگوہی کو بھی ابتدائی کتابوں کے پڑھانے کا بہت شوق تھا وہ جس انہماک اور دلچسپی سے ابتدائی کتابیں پڑھاتے تھے اس طرح اوپر کی کتابیں نہیں میرے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو بھی ابتدائی کتابوں کے پڑھانے کا بہت اہتمام تھا۔ میرے والد صاحبؒ کی رائے یہ بھی تھی کہ اہل مدارس کو درجۂ ابتدائی کا مدرس ایسے شخص کو ہرگز نہ بنانا چاہیئے جو پورا مولوی ہو۔ ان کو خیال تھا کہ جو ہوشیار طالبعلم ذہین و فہیم ہو اس کو شرح جامی، مختصر المعانی پڑھا کر ابتدائی مدرس بنا دیا جائے وہ فرمایا کرتے تھے کہ پورا مولوی ہمیشہ آئندہ ترقی کی فکر میں رہتا ہے اور چھوٹے اسباق کو بے توجہی سے پڑھاتا ہے اور جس نے اوپر کی کتابیں پڑھی ہی نہیں ہوں گی وہ ترقی کی فکر میں نہیں پڑے گا وہ مدارس کے موجودہ طرز تعلیم کے بہت ہی خلاف تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مدارس کا یہ طرز کہ مدرس تقریر کرتا رہے طالب علم کا کرم ہے کہ سنے یا نہ سنے اس سے کیا استعداد پیدا ہو سکتی ہے اس ناکارہ کو اپنی تعلیم کے قصے تو بہت یاد ہیں مگر بے ارادہ طول ہوتا جا رہا ہے صرف مشکوٰۃ شریف پڑھنے کا قصہ لکھتا ہوں کہ وہ بغیر ترجمہ کے پڑھی ہے البتہ یہ اجازت تھی کہ جس لفظ کا دل چاہے ترجمہ پوچھ لوں اگر ان کے نزدیک بتانے کے لائق ہوتا تو بتاتے ورنہ ایک ڈانٹ پلاتے اور ان کا جہاں دل چاہے ترجمہ پوچھ لیں اگر صحیح بتلا دیا الحمد للہ ورنہ ایک ڈانٹ اور پڑتی کہ پوچھا کیوں نہیں۔ حدیث پوری ہونے کے بعد اس ناکارہ کے ذمہ تھا کہ یہ بتاؤں کہ یہ حدیث مذہب حنفیہ کے

موافق ہے یا مخالف۔ اگر مخالف ہے تو اپنی دلیل اور حدیث پاک کی توجیہ مشکوٰۃ شریف کے مطالعہ کے لئے مظاہر حق دیکھنے کی تو اجازت نہیں تھی لیکن ہدایہ اور طحاوی مطالعہ کے وقت دیکھنا ضروری تھا۔ مشکوٰۃ کے حواشی اور دورے کی جس کتاب کے حاشیہ کو دل چاہے دیکھنے کی اجازت تھی خوب یاد ہے اور رہے گا کہ ایک حدیث کے ختم پر اس ناکارہ نے یہ توجیہ کی کہ تغلیظ پر محمول ہے ایک تھپڑ کھایا اور فرمایا کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ محض ڈرانے کے لئے جھوٹ بولدیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ تغلیظ کی توجیہ احکام میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ چور کے اور شراب پینے والوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ چوتھی مرتبہ قتل کردیں۔ اخبار میں یہ توجیہ نہیں ہوا کرتی اس کے بعد جب اکابر شراح کے کلام میں کہیں اخبار میں تغلیظ کی توجیہ دیکھتا ہوں تو اپنا وہ تھپڑ یاد آجاتا ہے۔ اس سیہ کار کو والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے مشکوٰۃ شریف بھی بہت اہتمام سے شروع کرائی تھی ظہر کی نماز کے بعد متصلاً غسل فرمایا اس کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھی اسکے بعد میری طرف متوجہ ہو کر بسم اللہ اور مشکوٰۃ شریف کا خطبہ پڑھوایا اس کے بعد قبلہ کیطرف متوجہ ہو کر بہت دیر تک نہایت الحاح وزاری سے دعا فرمائی۔ تذکرۃ الخلیل میں یہ قصہ تفصیل سے مولانا میرٹھی تحریر فرما چکے ہیں۔ والد صاحب نور اللہ مرقدہ کو انگریزی دانوں کو بھی عربی پڑھانے کا بہت شوق تھا وہ انگریزی دانوں کو یوں فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بہتر گھنٹے دیدو میں انشاء اللہ عربی پڑھادوں گا۔ مگر وہ بہتر گھنٹے اس طرح ہوتے تھے کہ ہر اتوار کو دو گھنٹے اور وہ ان دو گھنٹوں میں اتنے قواعد اور اصول بتادیتے تھے کہ اگلے اتوار تک اس کی تکمیل ان لوگوں سے ہمت ہی سے ہوتی تھی۔ چنانچہ مولوی منفعت علی صاحب سابق وکیل سہارنپور جو تقسیم کے بعد میں کراچی جاکر وہیں وفات پاگئے رحمہ اللہ تعالےٰ انھوں نے میرے والد صاحبؒ سے اسی طرح عربی پڑھی تھی اور اس کے بعد ہدایہ اولین فقہ پڑھتے تھے اور بھی یہاں متعدد انگریزی دانوں کو عربی پڑھائی مگر وہ اپنی ملازمتوں کیوجہ سے تبادلہ وغیرہ کی وجہ سے رہ گئی۔ ان کا اصول یہ تھا کہ محنت ساری شاگردوں کے ذمے اور استاذ کے ذمہ صرف یہ ہے کہ وہ سنتا رہے صحیح ہو تو تصویب کردے اور غلط ہو تو اُس کو

کرے اور طالب علم اگر زیادہ بے تکی کہے تو وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید ومنافع للناس
پر عمل کرے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے چار کتابیں تو پڑھنے کے لئے اتاری ہیں
اور ایک تعامل کے لئے یہ بھی آسمان ہی سے اتری ہے۔ ان کا اصول یہ بھی تھا کہ ادب کی
کتابوں میں ایسی کتاب کا پڑھانا جس پر حاشیہ ہو یا اعراب ہو ان کو گوارا نہیں تھا
سبعہ معلقہ متنبی وغیرہ تو وہ اپنی یاد سے طالب علموں کو لکھواتے تھے اور اس ناکارہ نے
جب مقامات پڑھی ہے تو خاص طور سے کلکتہ کی چھپی ہوئی معری بلا حاشیہ خرید کر منگائی تھی
وہ طالب علم کے لئے ترجمہ والی کتاب کے پڑھانے کے مخالف تھے۔ غرض وہ طالب علم سے
اتنی محنت لیتے تھے کہ جس کو سن کر آجکل یقین آنا بھی دشوار ہے وہ درسی کتب کے پورا
کرنے کا بھی اہتمام نہیں فرماتے تھے۔ بجز حدیث شریف کی کتابوں کے کہ ان کو تو تمت
کی تا تک پورا کراتے تھے بلکہ اثناء سبق میں کسی طالب علم کی ایک حدیث رہ جانے کا بھی
قلق ہوتا تھا۔ حدیث پاک کے علاوہ اور کتابوں میں ان کا اصول یہ تھا کہ جس کتاب کے
آٹھ دس سبق ایسے پڑھ لئے جائیں جس میں استاذ جو چاہے پوچھے طالب علم کچھ نہ پوچھے
وہ کتاب اس نے گویا پڑھ لی اب اس کو آگے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ متنبی
میں انھوں نے مجھسے بہت جلد ہی فرما دیا تھا کہ بس آگے ضرورت نہیں اور حماسہ شروع کرا
دیا۔ یہ واقعات بہت تفصیل طلب ہیں مگر نہ اپنی سوانح لکھنی ہے اور نہ والد صاحب نور اللہ
مرقدہ کی۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اور مولانا شبیر علی صاحب نے جو حضرت مولانا عبد اللہ
صاحب گنگوہی کی طرز تعلیم کے متعلق تحریر کیا ہے اس کا ماخذ اور اس کا آپ بیتی نمونہ دکھلانا
تھا۔

اتمام النعم

جس کی شرح اکمال الشیم ہے۔ حضرت اقدس سیدی ومرشدی حضرت مولانا الحاج
خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کی تالیف ہے جس کو سید الطائفہ حضرت الحاج
امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی تعمیل حکم میں حضرت قدس سرہ نے تبویب الحکم کا اردو
ترجمہ فرمایا تھا۔ لیکن حضرت نے اس ترجمہ کا کوئی نام تجویز نہیں کیا تھا بلکہ حضرت حاجی

صاحب کے تعمیل ارشاد میں تالیف فرماکر حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کو طبع کرانے کے لئے دیدیا تھا حضرت تھانوی قدس سرہ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے حکم سے سب سے پہلے اس کو طبع کرایا۔ اور اس کا نام "اتمام النعم" تجویز فرمایا۔ جیسا کہ خود حضرت تھانوی قدس سرہ کی تقریظ میں آرہا ہے۔ اتمام النعم اس وقت تالیف ہوئی جب کہ حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ مظاہر علوم سے قبل دار العلوم کے مدرس تھے چنانچہ اتمام النعم کے ختم پر حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے ستائیسویں رمضان ۱۳۰۳ھ کو بعد نماز جمعہ مسجد محلہ خانقاہ قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں یہ ترجمہ تمام ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین حضرت حکیم الامت نے سب سے اول حضرت حاجی صاحب کے حکم کی تعمیل میں طبع کرایا اور کتاب کے شروع میں یہ تقریظ تحریر فرمائی۔

(تقریظ از جناب جامع کمالات صوری ومعنوی جناب مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ واہب النعم۔ واسع الفضل والکرم۔ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد الذی اوتی جوامع الکلم۔ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ ینابیع الحکم۔ سبحان اللہ مقبولان الٰہی کی بھی کیا شفقت و دل سوزی ہے کہ شب و روز بندگان خدا کے فیض رسانی و نفع بخشی کا خیال رہتا ہے یہی لوگ درحقیقت آیۃ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کی تفسیر ہیں۔ چنانچہ ہمارے حضرت قبلہ و کعبہ پیر و مرشد مولانا سیدنا الحاج الحافظ الشاہ محمد امداد اللہ دامت برکاتہم کے ایسی ہی شفقت کا مصداق یہ امر ہے کہ آپ کی ذات بابرکات سے مفید مفید کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ترجمے ہوئے۔ اشاعت ہوئی انھیں مفید اور ضروری کتابوں میں سے ایک کتاب معروف بنام حکم جامع ارشادات قطب الوقت حجۃ اللہ حضرت ابن عطاء اسکندری مصنف تنویر فی اسقاط التدبیر ہے۔ واقعی جو طرز روحانی تربیت و اتقان معرفۃ کا ان بزرگ کے کلام میں پایا جاتا ہے کم کسی کے کلام میں دیکھا گیا۔ یہ کتاب بھی اپنے حسن ظاہر و جمال

باہر کی وجہ سے وصف و بیان سے مستغنی ہے۔ کسی کا قول ہے "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے"۔ مگر
اس کے مضامین متفرق ہونے سے طالب کو پتہ نہیں لگتا تھا کہ یہ مسئلہ کس باب کا ہے۔
شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ترتیب و تبویب نہایت خوبی کے ساتھ کی جو النہج الاتم
فی تبویب الحکم کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت سیدنا و مرشدنا ممدوح الصدر نے بنظر نفع رسانی
اہل ہند کے اس کے ترجمہ کے لئے جامع الفضل والکمال۔ عزیز النظیر والمثال جناب مولانا
خلیل احمد صاحب مدرس سابق مدرسہ اسلامیہ دیوبند و مدرس حال مدرسہ اسلامیہ سہارنپور
کو حکم فرمایا۔ مولانا نے نہایت سلیس و مطلب خیز عبارت میں ترجمہ فرمایا اور حسب ارشاد
سیدنا اس احقر کو طبع کرانے کے لئے عنایت ہوا۔ چونکہ غایت انکسار و خلوص کی وجہ سے
جناب مولانا المترجم نے اس ترجمہ کا نام تک نہیں رکھا بھلا اپنا نام ظاہر کرنا تو کہاں اس
لئے احقر نے اتمام النعم ترجمۂ تبویب الحکم اس کا نام رکھدیا۔ اور مشفقی مخلصی خیر مجسم تصویر ہمت
وکرم جناب حافظ محمد ابو سعید خاں صاحب مہتمم مطبع نظامی نے باقتضاء اس خلوص کے
جو حافظ صاحب موصوف کو حضرت سیدنا دام ظلہ کے حضور میں ہے۔ اپنی عالی ہمتی سے
اس کو نہایت اہتمام و تصحیح کے ساتھ طبع فرما کر مشتاقین کی آنکھوں کو نور اور دل کو سرور
بخشا۔ یہ لآلی بے بہا انہیں غوطوں کے بعد بحر خفا سے ساحل ظہور پر آئے ہیں۔ جو اب بھی
اس کو آویزہ گوش قبول بنائے ہیں پس و پیش ہو تو بجز ناقدر شناسی کے اور کیا الزام دیا
جائے۔ فقط کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ۔

مصنف اتمام النعم

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ کے حالات
حضرت قدس سرہ کی سوانح "تذکرۃ الخلیل" میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نے
درج فرمائے ہیں اور مختصر حالات اس ناکارہ کی شرح مؤطا اوجز کے مقدمہ میں بھی مذکور ہیں
حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حافظ القرآن والحدیث سیدی و مرشدی الحاج
ابو ابراہیم خلیل احمد بن الشاہ مجید علی ابن الشاہ محمد علی بن شاہ قطب علی الایوبی الانصاری

الانبیٹھوی کی ولادت باسعادت اپنے وطن انبہٹہ ضلع سہارنپور میں اواخر صفر ۱۲۶۹ھ میں
ہوئی۔ ابتدائی کتب اردو، فارسی اپنے چچا شیخ انصار علی صاحب اور دوسرے علماء قصبہ
سے پڑھیں۔ اس کے بعد اپنے والد صاحب کے پاس گوالیار تشریف لے گئے۔ جیسا کہ خود
حضرت کی تحریر میں آرہا ہے۔ اس کے بعد محرم ۱۲۸۳ھ میں جب دارالعلوم کی بنیاد پڑی تو
اس میں داخل ہوگئے۔ لیکن اسی سال جب مظاہر علوم کی بنیاد پڑی اور حضرت نوراللہ مرقدہ
کے ماموں حضرت اقدس عارف باللہ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ خلیفۂ مجاز
حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ صدر مدرس ہو کر تشریف لائے تو حضرت سہارنپوری
اسی سال دیوبند سے سہارنپور تشریف لے آئے۔ اس وقت حضرت سہارنپوری قدس سرہ
کافیہ وغیرہ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد سے اخیر تک جملہ علوم آلیہ و دینیہ فقہ، تفسیر، حدیث
وغیرہ مظاہر علوم ہی میں پڑھ کر اسی مدرسہ میں تین روپے تنخواہ پر معین مدرس مقرر ہوئے۔
یہ ۱۲۸۸ھ کا سال ہے جب کہ حضرت قدس سرہ کی عمر مبارک ۱۹ سال کی تھی اور گویا پانچ سال
میں کافیہ کے بعد کی جملہ کتب درسیہ دینیہ و آلیہ سے فراغ حاصل ہوا۔ لیکن حضرت کو علم
ادب میں مہارت کا شوق ہوا۔ اس لئے معین مدرسی کے بعد حضرت مولانا فیض الحسن صاحب
ادیب سہارنپوری شارح معلقہ، متنبی، حماسہ کی خدمت میں جو کہ اس زمانہ میں ادب کے
مشہور استاذ تھے اور لاہور میں ملازم تھے۔ اس لئے لاہور تشریف لے گئے۔ اس ناکارہ
نے خود حضرت قدس سرہ سے حضرت کی ملازمت وغیرہ کے متعلق بہت سے استفسارات
کئے تھے جن کے جوابات حضرت قدس سرہ اپنی شفقت سے بار بار مرحمت فرماتے تھے۔ اس
ناکارہ کی یہ یادداشت اور اسی قسم کی دوسری تحریرات بھی حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب
نوراللہ مرقدہ کے پاس رہیں۔ جو تقریباً اپنے اپنے مواقع میں تذکرۃ الخلیل میں مولانا میرٹھی
کے اپنے الفاظ میں آچکیں۔ اس وقت حضرت قدس سرہ کا ایک ملفوظ بے اختیار بلفظہ
نقل کرنے کو جی چاہا۔ اس ناکارہ نے ۲۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۴۴ھ کو حضرت قدس سرہ سے
عرض کیا کہ حضرت نے کیا تمام کتابیں اسی مدرسہ میں پڑھی ہیں۔ حضرت قدس سرہ نے مختصر
طور پر یہ جواب ارشاد فرمایا کہ "اصل یہ ہوا کہ میرے والد گوالیار میں ملازم تھے اور میرے

چچا بھی (انصار علی) وہیں کہیں تھے اتفاق سے وہ بھی گوالیار آگئے اور انھوں نے مجھے عربی شروع کرادی۔ اس وقت میں بوستاں پڑھتا تھا کہ عربی شروع ہوگئی۔ عربی شروع کرکے صرف میر، پنج گنج تک پڑھی تھی کہ والد صاحب نے ملازمت چھوڑ کر انبہٹہ کا ارادہ کیا میں بھی ہمراہ آگیا۔ انبہٹہ میں کوئی خاص تعلیم کا انتظام (مدرسہ وغیرہ) نہیں تھا مگر یونہی ششم پششم کافیہ، شرح جامی تک پڑھا تھا کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑی"۔ اس ناکارہ کے ایک دوسرے سوال کے جواب میں ۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ میں حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا "انبہٹہ میں مولانا سخاوت علی صاحب ایک بزرگ تھے بڑے متبع سنت، اتباع سنت میں نہایت متشدد اور بڑے سخت تھے میں نے مدرسہ دیوبند کے قیام سے قبل کچھ کتابیں بھی ابتدائی ان سے پڑھی تھیں۔ سابقہ ارشاد کے اندر کہ مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑگئی۔ میں اور برادرم مولوی عبد اللہ و برادر مولوی صدیق احمد مدرسہ دیوبند میں داخل ہوئے۔ شرح جامی تک پڑھ چکے تھے مگر مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کافیہ تجویز فرماکر اس میں داخل فرمالیا اور چھ سات ماہ قیام کے بعد (یکم رجب ۱۲۸۳ھ میں) مظاہر علوم کی بنیاد پڑی۔ دیوبند میں آب وہوا موافق نہیں آئی تو مظاہر علوم میں آکر داخل ہوگیا مولانا محمد مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی برکت وشفقت تھی کہ مولانا نے فرمایا کہ شرح جامی کا کوئی سبق مدرسہ میں نہیں اس لئے مختصر المعانی میں داخل ہوجاؤ انتھی بلفظہ۔ لاہور سے واپسی کے بعد خود حضرت قدس سرہٗ کے الفاظ یہ ہیں" لاہور جاکر چند ماہ قیام کیا۔ مقامات متنبی مولانا فیض الحسن صاحب سے پڑھ کر دیوبند واپس آگیا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے وہاں سے ملازمت پر ایک پہاڑ پر دس روپے مشاہرہ کے ساتھ قاموس کا اردو ترجمہ کرنے کی خدمت پر بھیجدیا۔ وہاں دو ایک ماہ قیام کرکے واپس آگیا انتھی"۔ اس کے بعد حضرت منگلور ضلع سہارنپور کے مدرسہ عربی میں مدرس بناکر بھیجدیئے گئے۔ (تذکرۃ الرشید جلد اول) اسی دوران میں حضرت قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت قطب عالم گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے دست مبارک پر بیعت کی جس کا قصہ مستقل آخر میں آرہا ہے اور اسی دوران میں بھوپال سے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ پر ملازمت کے لئے بمشاہرہ تین سو روپے

برابر اصرار ہوا اور حضرت مولانا اس وقت دیوبند میں تیس روپے مشاہرہ پر ملازم تھے حضرت مولانا نے تو تشریف لے جانے سے انکار فرمایا تو مدار المہام صاحب کا اصرار ہوا کہ حضرت اپنے کسی معتمد کو تجویز فرماویں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بھانجے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کو تجویز فرمایا اور حضرت ماموں صاحب کے انتخاب اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی اجازت پر ۱۲۹۳ھ میں بمشاہرہ پچاس روپے تشریف لے گئے۔ ہر چند کہ وہاں ہر نوع کا راحت و آرام اور مدار المہام صاحب کی کوٹھی موتی محل میں قیام اور انہی کے یہاں خورد و نوش کا انتظام تھا لیکن جن انوار و تجلیات کی موسلا دھار بارش ان نواح میں تھی وہ وہاں نہ مل سکی اور وہاں کی آب و ہوا بھی موافق نہ آئی تو حضرت قدس سرہٗ نے اپنے شیخ و مرشد اعلیٰ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں استعفیٰ دیکر واپس آنے کی اجازت چاہی۔ اعلیٰ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ تذکرۃ الخلیل میں درج ہے جو حسب ذیل ہے:۔

برادرم مولوی خلیل احمد صاحب مد فیوضہم بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند آج خط آیا حال معلوم ہوا۔ درصورتیکہ ہوا وہاں کی آپ کو موافق نہیں تو ترک وہاں کا ضروری ہے کہ اس جگہ کا کہ ہوا ناموافق ہو ترک کرنا بحکم حدیث ثابت ہے مگر چونکہ معاش کا قصہ نازک ہے لہٰذا جب تک دوسری جگہ سامان نہ ہو جائے ترک مناسب نہیں اس واسطے چندے قیام وہاں کا مناسب ہے۔ مراد آباد میں آپ کی طلب بہت رہی۔ اب وہاں مولوی عبدالحق پوری آگئے ہیں مگر جیسا چاہیئے ویسا کام ان سے نہیں ہوتا۔ اگر مناسب ہوا وہاں یا دوسری جگہ کہ تدبیر اس کی کرتا ہوں تجویز ہو کر مطلع کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقط ۱۸ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ بروز جمعہ

حضرت قدس سرہٗ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے تعمیل حکم میں بھوپال تشریف فرما رہے کہ موسم حج آگیا اور حضرت قدس سرہ پر بھی حرمین شریفین کی حاضری کا جذبہ زور شور سے پیدا ہو گیا اور ریاست کے قانون کے موافق کہ جو ملازم حج کو جائے اسکو رخصت بلا وضع تنخواہ مل جاتی ہے اور چند ماہ کی تنخواہ پیشگی مل جاتی ہے۔ حضرت نے بھی رخصت کی

درخواست دیدی اس میں جو روپیہ تنخواہ وغیرہ کا ملا وہ ناکافی تھا لیکن حضرت پر شوق کا غلبہ تھا اس لئے ناکافی رقم لے کر تشریف لے گئے۔ جس کی تفصیل تذکرۃ الخلیل میں موجود ہے اور مکہ مکرمہ پہونچ کر سید الطائفہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے دولت کدہ پر حاضر ہو گئے وہاں کا تو پوچھنا ہی کیا کہ انوار باطنیہ اور لذائذ معاشیہ کا لطف آگیا۔ یہ حضرت نور اللہ مرقدہ کا پہلا حج ہے جس کی تفصیل تذکرۃ الخلیل میں بسط سے لکھی ہے حج سے فارغ ہو کر مدینہ پاک حاضری کا ارادہ ہوا لیکن مدینہ پاک کا راستہ اس وقت بہت خطرناک تھا۔ جو لوگ مدینہ پاک جا رہے تھے وہ بھی بد امنی کی وجہ سے واپس آ رہے تھے۔ قتل و غارت کا زور تھا۔ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے حضرت سے دریافت فرمایا کہ مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں اس لئے حجاج بکثرت واپس وطن جا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کہ موت کے لئے جو وقت مقرر و مقدر ہو چکا وہ کہیں بھی نہیں ٹل سکتا اور اس راستہ میں آجائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہیئے کیا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچا دیا۔ اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑوں تو مجھ سے زیادہ بد نصیب کون۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرت کا چہرہ خوشی کے مارے دمکنے لگا۔ اور فرمایا بس بس تمھارے لئے یہی رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور انشاء اللہ تعالیٰ پہونچو گے۔ چنانچہ میں حضرت سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوا اور جس طمانیت اور راحت کے ساتھ پہونچا وہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔ تقریباً دو ہفتہ حاضر آستانہ رہا اور پھر بخیریت تمام وطن پہونچکر امام ربانی کا قدم بوس ہوا۔ اسی سفر میں حضرت قدس سرہ کو شیخ الحرم مولانا الشیخ احمد دحلان سے اور شیخ المشائخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی نقشبندی دہلوی ثم المدنی نور اللہ مرقدہما سے اجازت حدیث بھی ہے جو مسلسلات کے شروع میں بلفظ طبع ہو گئی ہے۔ شیخ احمد دحلان سے اجازت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ سے حج کے بعد مدینہ پاک کی حاضری پر۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی اجازت مدینہ منورہ میں ۱۲۹۳ھ میں ہے سفر حج سے واپس آکر حضرت نے بھوپال کا ارادہ نہیں فرمایا کہ آب و ہوا ناموافق تھی۔ چند

روز وطن (انبہٹہ) رہ کر جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ میں سکندر آباد ضلع بلند شہر کے مدرسہ عربیہ جامع مسجد میں مدرس ہوکر تشریف لے گئے مگر وہاں بلند عین نے نہایت شدید مخالفت کی ہر طرح سے ایذا رسانی کی جس پر حضرت نے اعلیٰ حضرت گنگوہی سے واپسی کی اجازت چاہی مگر حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہ نے اجازت نہیں دی اور حسب ذیل والا نامہ تحریر فرمایا:۔

مولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے نامے ورود کیا حال معلوم ہوا۔ قصہ جدیدہ سے کچھ آپ وحشت نہ کریں۔ عالم میں موافق و مخالف دونوں ہوتے ہیں۔ آپ اپنا کام کئے جاویں۔ اگر مخالف برسر پرخاش ہیں تو موافق برسر نگہداشت ہیں۔ جب تک ہو اپنی طرف سے ترک مت کرو۔ ہدیہ اطفال کا اور ہدیہ ورثۂ اطفال کا لینا جائز ہے کچھ اندیشہ نہیں۔ پہلے خط میں لکھا ہو ہوا تھا فقط مکرر اس شکایت کی رفع اور تکذیب میر قادر علی سے اگر مناسب ہو کسی کی زبانی کرا دیجیو گو نافع نہ ہو۔ اپنی طرف سے سب کو راضی رکھنا بہتر ہے شاید کچھ نافع ہو جائے۔ قال اللہ تعالیٰ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم الخ۔ مگر اس فرقہ کا راضی ہونا متوقع نہیں خصوصاً جب واعظ ان کے ترغیب دینے والے دورہ کرتے ہوں۔ فقط والسلام

روز جمعہ ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۲۹۴ھ (۲۹ رجون ۱۸۷۷ء)

لیکن باوجود حضرت قدس سرہ کی نرمی کے برتاؤ اور مدارات کے وہاں کے لوگوں کا عناد بڑھتا ہی رہا اس لئے حضرت گنگوہی قدس سرہ کی اجازت سے وہاں سے استعفاء دیکر واپس تشریف لے آئے۔ اسی سال شوال ۱۲۹۴ھ میں اکابر ہند کا وہ مقدس قافلہ حج کیلئے روانہ ہوا جسکے اندر ہندوستان کے شمس و قمر حضرت اقدس گنگوہی اور حضرت اقدس نانوتوی نور اللہ مرقدہما اور حضرت مولانا محمد مظہر صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دار العلوم وغیرہ اکابر نور اللہ مراقدہم بھی ساتھ تھے حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے بھی بہت ہی تمنا و اشتیاق سے اس قافلہ کیساتھ جانیکی درخواست کی مگر سفر کے انتظام میں مشکلات کیوجہ سے بالخصوص جبکہ ابھی سفر حج سے واپسی ہوئی تھی حضرت گنگوہی نے اجازت نہ دی۔ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ میں یہ مبارک قافلہ واپس آیا تو غنیمت

کی ڈاک میں مولانا محمد یعقوب صاحب کو مولوی شمس الدین صاحب جیف جج بھاولپور کی ایک درخواست جس میں نہایت قابل مدرس کی طلب تھی اس میں بہت سے اوصاف کی قید تھی نوجوان ہو، نہایت ذکی، ہر فن میں متبحر، وجیہ، خلیق اور منتظم کہ طلبہ کا اتالیق بن کے مجسمۂ صلاح ہو کر صورت ہی سے نیک روی کا سبق لیا جاسکے وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس درخواست پر حضرت سہارنپوری قدس سرہ کو تجویز فرمایا۔ حضرت قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے عذر بھی کیا کہ حضرت یہ شرائط مجھ میں کہاں پائی جاتی ہیں مگر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اہل علم اپنے کو یونہی سمجھا کرتے ہیں تم کو اپنی نا قابلیت یہیں نظر آتی ہے کہ بڑے سر پر موجود ہیں۔ باہر جا کر دیکھو گے تو اتنا بھی کسی کو نہ پاؤ گے۔ بالآخر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت گنگوہی قدس سرہما کی اتفاق رائے سے حضرت سہارنپوری بمشاہرہ تیس روپے بھاولپور تشریف لے گئے اور وہیں کے قیام میں حضرت قدس سرہ کا دوسرا سفر حج ہے جو خود حضرت قدس سرہ کے اپنے قلم سے اپنی بیاض میں ان الفاظ میں لکھا ہے روانگی جانب بیت اللہ ۴ شوال ۱۲۹۷ھ بروز پنجشنبہ۔ تذکرۃ الخلیل میں بھی شوال ۱۲۹۷ھ ہی ہے اس لئے تذکرۃ الرشید جلد ثانی میں جو ۱۲۹۶ھ لکھا گیا ہے وہ کاتب کی غلطی ہے یہی وہ مبارک سفر ہے جس میں اعلیٰ حضرت سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت سہارنپوری قدس سرہ کو خلافت و اجازت بیعت مرحمت فرما کر اپنا عمامہ مبارک عطا فرمایا تھا جس کے متعلق تذکرۃ الرشید جلد ثانی میں تحریر ہے۔ مولانا ممدوح جب دوبارہ حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو امام ربانی (حضرت گنگوہی رح) نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں لکھا کہ مولوی خلیل احمد صاحب کو اجازت مرحمت فرما دیں۔ حضرت اعلیٰ مولانا کی حالت کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ محرم ۱۲۹۷ھ میں خلافت نامہ مزین بمہر کر کے عطا فرمایا اور کمال مسرت سے اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر مولانا کے سر پر رکھدی۔ مولانا ممدوح نے دونوں عطیہ حضرت امام ربانی کے حضور میں پیش کر دیئے اور عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کو مبارک ہو اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط

فرما کر مع دستار آپ کو خود عطا فرمایا۔ مگر آپ کا یہ ادب تھا کہ طالب کو بیعت کرتے وقت معاصی سے توبہ کرانے کے بعد فرماتے تھے کہو بیعت کی میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے خلیل احمد کے ہاتھ پر انتہی۔ اس تحریر میں محرم ۱۲۹۸ھ بھی کاتب کی غلطی ہے اسلئے کہ حضرت کی روانگی ہی حج کے لئے شوال ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔ یہی وہ مبارک عمامہ ہے جس کو حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ نے میرے والد صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو خلافت و اجازت بیعت دیتے ہوئے مرحمت فرمایا تھا جس کے متعلق تذکرۃ الخلیل میں مولانا عاشق الٰہی صاحب تحریر فرماتے ہیں آہ! مولوی محمد یحییٰ صاحبؒ مرحوم میرے محسن اور مخلص دوست تھے جن کے کمالات مخفیہ اور حالات سنیہ بیان کرنے کو مستقل تالیف کی ضرورت ہے آخر کوئی چیز تھے کہ امام ربانی کو اولاد سے زیادہ پیارے ہوئے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بڑھاپے کی لاٹھی اور نابینا کی آنکھیں فرمایا کرتے۔ اور کسی ضرورت سے وہ چند منٹ کے لئے ادھر ادھر ہو جاتے تو امام ربانی بے چین اور بیکل ہو جایا کرتے تھے۔ بارہ برس کامل اس لاڈ اور پیار میں گذرے کہ کوئی اس کی نظیر بیان نہیں کر سکتا حتیٰ کہ امام ربانی کا وصال ہو گیا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جنکی دوربین بصیرت بارہ برس پہلے سمجھ چکی تھی کہ مولوی یحییٰ کوئی چیز ہیں گنگوہ جاکر وہ عمامہ جو آپ کو مرشد العرب والعجم کے دست مبارک سے عطا ہوا اور اصل چیزوں پر بسا ہوا اب تک محفوظ رکھا ہوا تھا یہ کہتے ہوئے اپنے دست مبارک سے مولوی یحییٰ کے سر پر رکھدیا کہ اس کے مستحق تم ہو۔ اور میں آج تک اس کا محافظ اور امین تھا الحمد للہ کہ آج حق حقدار کے حوالے کرکے بار امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا" یہ حضرت قدس سرہٗ کا دوسرا حج تھا۔ حضرت قدس سرہٗ کا تیسرا حج اور اس کے بعد سے تمام حج سہارنپور ہی سے ہوئے۔ تیسرا حج حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ نور اللہ مرقدہٗ کے حادثہ انتقال کی بناء پر ہوا تھا کہ اس حادثہ جانکاہ کا اثر حضرت قدس سرہٗ کے قلب مبارک پر جتنا ہونا چاہئے تھا ظاہر ہے اور اس کا مداوی اور تسلی روضۂ اقدس پر حاضری ہی سے ہو سکتی تھی۔ چونکہ

حج ۱۳۲۸ھ میں ہوا۔ اس سال حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ اپنے خدام اور رفقاء کی بڑی جماعت کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے اور حضرت اقدس سہارنپوری دہلی تک حضرت اقدس رائے پوری کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے۔ دہلی سے واپسی پر عالی جناب شاہ زاہد حسین صاحب رئیس قصبہ بہٹ نے حضرت پر اصرار کیا کہ حضرت بھی تشریف لے چلیں تو میں بھی ہم رکابی میں چلوں۔ حضرت قدس سرہٗ کے قلب اطہر پر حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کے تشریف لے جانے کے بعد سے ایک شوق کا جذبہ تھا اور شاید اسی کا اثر شاہ صاحب کے قلب پر پڑا کہ شاہ صاحب نے بہت ہی اصرار کیا اور حضرت نے قبول فرمالیا اور وسط ذی قعدہ میں سہارنپور سے روانہ ہوکر ۶ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تک پہونچے اور حج کے بعد براہ ینبوع مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ بائیس دن وہاں قیام رہا اور آخر صفر ۱۳۲۹ھ میں سہارنپور واپسی ہوئی۔ اس سفر میں میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے اسباق کے ساتھ ساتھ حضرت قدس سرہٗ کے بھی جملہ اسباق پڑھائے۔ پانچواں حج وہ معرکۃ الآراء سفر ہے جو حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ کی معیت میں شوال ۱۳۳۳ھ میں ہوا۔ حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ کی معیت ابتدائے سفر میں تو نہ ہو سکی لیکن سفر سے پہلے ایک ہفتہ تک مظاہر علوم کے کتب خانے میں چار حضرات حضرت سہارنپوری رح، حضرت شیخ الہند رح، حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، اور مولانا الحاج حکیم احمد صاحب رامپوری کا جو مشورہ ہوتا تھا کہ ان چار حضرات کے علاوہ کسی پانچویں کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔ صبح کو اشراق کے بعد فوراً یہ حضرات تخلیہ میں تشریف لے جاتے دوپہر کے کھانے کے لئے بار بار حضرت قدس سرہٗ کے گھر سے اطلاعات آتی رہتیں اور یہ حضرات فرماتے کہ ابھی آتے ہیں۔ ظہر کی اذان سے کچھ پہلے اوپر سے اترتے اور جلدی جلدی کھانا نوش فرماکر ظہر پڑھنے اور ظہر کے بعد سے فوراً پھر تخلیہ میں تشریف لے جاتے اور عصر کی اذان کے بعد اترتے عصر کے بعد مجلس نہیں ہوتی تھی لیکن مغرب بعد کبھی کبھی ہو جاتی تھی۔ ہر شخص جستجو میں تھا کہ اتنا طویل مشورہ کس بات کا ہے مگر کسی کو پتہ نہیں تھا۔ اس ناکارہ کا بچپن تھا اور اکابر میں سے ہر ایک سے پوچھتا مگر میرے والد صاحب کو اجمالاً معلوم تھا اس لئے اشارۃً انھوں نے کچھ فرمایا جس سے

اس ناکارہ کی تسکین ہوئی۔ اس سفر میں شوال ۳۳ھ میں تشریف بری ہوئی جو اس
طویل مشورہ میں طے ہوئی تھی اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کی غیبت میں حضرت
رائے پوری نے ان کے کام کے اجراء و بقاء کی ذمہ داری لے لی تھی۔ ان حضرات اکابر کے
ارادے تو بہت کچھ تھے مگر مقدرات کہ پورے نہ ہو سکے اور وہاں شریف حسین کی زیادتیوں
کی وجہ سے حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کو قبیل الحج شوال ۳۴ھ میں واپس
آنا پڑا۔ اور حضرت اقدس شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ اسیر بنا کر مالٹا بھیجدیئے گئے۔ تذکرۃ الخلیل
میں حضرت کا اس سفر سے شعبان میں واپس ہونا طبع ہوگیا ہے وہ مسامحت ہے مکہ مکرمہ
سے آخر شوال میں روانگی ہوئی اور ۸ ذی قعدہ کو حضرت کا جہاز بمبئی پہونچا۔ اور میرے
والد صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کے حادثہ انتقال کا تار حضرت
کو جہاز سے اترتے ہی بمبئی میں ملا۔ سال بھر تک حجاز میں جن تفکرات اور حوادث سے
دوچار ہونا پڑا تھا اس کے بعد اس حادثہ عظیم کا تار حضرت کو ملا تو سنا ہے کہ حضرت تھوڑی
دیر کو سکتہ میں رہ گئے اور ان سب پر اضافہ یہ کہ بمبئی جہاز سے اترتے ہی حضرت اقدس کو
مع اہلیہ محترمہ اور ان کے بھائی حاجی مقبول احمد صاحب مرحوم کو جو حضرت کے گویا کارکن
تھے حراست میں لے لیا گیا اور تینوں حضرات کو مع سامان نینی تال پہونچا دیا گیا۔ وہاں
کئی دن تک تحقیق و تفتیش کا سلسلہ جاری رہا جو بہت طویل واقعات ہیں۔ اس کے
بعد پھر اللہ کے فضل سے آزادی نصیب ہوئی۔ چھٹا حج ۳۸ھ میں ہوا۔ سہارنپور سے
۲ر شعبان کو روانگی ہوئی یہ ناکارہ بھی اس سفر میں ہمرکاب تھا۔ بمبئی میں جہاز کے ملنے میں
کچھ تاخیر ہوئی اس لئے کہ حضرت کے ساتھ مجمع بہت تھا تقریباً تین سو کا اور بغیر جملہ رفقاء
کے حضرت کو سفر کرنا گوارا نہ ہوا اس لئے دو جہاز چھوڑنے پڑے اور شروع ہی سے تیسرے جہاز
کے جو اس وقت تک خالی تھا سب رفقاء کے ٹکٹ لے لئے گئے وہ زمانہ ایسا سخت تھا کہ
بمبئی میں دیوبندی کا علی الاعلان قیام مشکل تھا اس لئے شہر سے باہر دور جنگل میں بمبئی
کے بعض مخلص خدام نے خیمہ ڈال کر قیام تجویز کر رکھا تھا۔ گیارہ رمضان المبارک کو
مکہ مکرمہ حاضری ہوئی۔ حضرت نور اللہ مرقدہ نے اس ضعف و پیری میں دراںحالیکہ جہاز

کی حرکت سے حضرت کو دوران سر بھی خوب ہو جاتا تھا جہاز میں کھڑے ہو کر تراویح خود پڑھائی
آٹھ رکعات میں نصف پارہ حضرت قدس سرہ سناتے تھے اور بارہ رکعات میں پون پارہ۔ یہ
سیہ کار سناتا تھا۔ مکہ مکرمہ پہونچ کر حضرت قدس سرہ نے ایک بہت بہترین قاری کے پیچھے دو پارے
یومیہ از سر نو پورا قرآن سنا اور اپنا قرآن پاک نفلوں میں پورا فرمایا۔ مکہ مکرمہ پہونچتے ہی
حضرت مولانا محب الدین صاحب ولایتی مہاجر مکی نے جو سید الطائفہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب
قدس سرہٗ کے خلفاء میں سے تھے اور بڑے صاحب کشف حضرت سے معانقہ کرتے ہوئے
فرمایا مولانا آپ یہاں کہاں آگیا۔ یہاں تو قیامت کبریٰ قائم ہونے والی ہے فوراً ہندوستان
لوٹ جاؤ رمضان کے بعد۔ حضرت قدس سرہٗ نے ہم خدام سے فرمایا کہ میں تو مدینہ پاک قیام کے
ارادے سے آیا تھا مگر مولانا محب الدین صاحب اسکو سختی سے منع کرتے ہیں۔ میری تو مدینہ پاک
کی حاضری کئی دفعہ ہو چکی ہے تم لوگوں کا پہلا حج ہے نہ معلوم پھر مدینہ حاضری ہو نہ ہو
اس لئے تم ہو آؤ۔ زمانہ اس قدر بد امنی کا تھا کہ حج سے پہلے کچھ لوگ حاضر ہوئے اور حج کے
بعد تو بہت ہی قلیل نہ جانیں محفوظ تھیں نہ مال۔ شریف حسین کی حکومت کا کوئی اثر مکہ
کے چہار دیواری سے باہر نہ تھا۔ قتل و غارت عام تھی۔ مدینہ پاک میں صرف تین دن قیام
کی اجازت تھی اس سے زائد اگر کوئی ٹھہرے تو فی یوم ایک گنی (اشرفی) اپنے بدو کو دے
بشرطیکہ وہ قیام پر راضی ہو۔ ہم چند خدام حضرت قدس سرہٗ کی برکت سے اور اللہ کے فضل
وانعام سے انھیں خطرات میں اولاً سمندر کے کنارے کنارے اور اس کے بعد جبل غائر
کی گھاٹیوں میں چھپتے ہوئے مدینہ پاک حاضر ہوئے۔ اس سفر کی داستان تو بہت ہی
طویل ہے اور اللہ کے احسانات قدیمہ کا جو ہمیشہ اس ناکارہ پر رہے ایک معمولی کرشمہ اور
ان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوہا کی ایک مثال کہ بجائے تین دن کے ایک چلہ قیام ہوا کہ
مدینہ پہونچ کر تعب اور تکان کی وجہ سے ہمارے جمّال کا ایک اونٹ مر گیا نہ تو جمال کے
پاس اتنے دام تھے کہ وہ اونٹ لے سکے اور نہ ہم لوگوں کے پاس اتنا تھا کہ وہ ہم سے قرض
لے سکے۔ حضرت قدس سرہ نے ہم لوگوں کی آمد و رفت اور تین دن کے قیام کا حساب
لگا کر معمولی پیسے دیدیئے تھے۔ اور بقیہ رقوم سب رفقاء کی مکہ میں حاجی علی جان کی

دکان پر جمع کرادی تھیں اس لئے وہ جمّال جب کہتا کہ مجھے قرض دیدو کہ میں اونٹ خریدلوں تو ہم لوگ کہتے کہ تو اگر قرض دیدے تو ہم اپنے کھانے کا انتظام کریں کہ ہم تین روز کے کھانے کا انتظام کر کے لائے تھے۔ غرض وہ بیچارہ اللہ اس کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ غریب ہمیشہ اپنی تاخیر اور تقصیر پر معذرتیں ہی کرتا رہا۔ رفقاء میں سے کبھی کبھی کوئی شخص امیر مدینہ سے جاکر شکایت کر دیتا تو امیر مدینہ بھی معذرت کے ساتھ صبر کی تلقین فرماتے اور بدّو کو ڈانٹ پلاتے۔ یہ تو بہت ہی عجیب و غریب واقعات ہیں لیکن اپنی سوانح تو نہیں لکھنی۔ تبعًا بے ارادہ یہ سطور قلم سے نکل گئیں۔ بہرحال حج کے بعد حضرت قدس سرہ کی ہمرکابی میں واپسی ہو گئی اور صفر ۳۹ھ میں حضرت قدس سرہ سہارنپور پہونچ گئے۔ حضرت قدس سرہ کا ساتواں حج جو ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے الوداع والا سفر تھا۔ حیدرآباد کے خدام کے اصرار پر راستہ میں ایک ہفتہ حیدرآباد کا قیام طے ہو گیا۔ ۱۶ر شوال ۴۴ھ کو سہارنپور سے حیدرآباد کو روانگی ہوئی۔ اس ناکارہ کی حیدرآباد تک ہمرکابی تجویز تھی لیکن اسٹیشن پر پہونچنے کے بعد گاڑی میں بیٹھنے کے بعد عین گاڑی کی روانگی کے وقت معلوم ہوا کہ حضرت قدس سرہ کا اصل بکس حجرہ ہی میں رہ گیا جس میں جملہ امانات تھیں اور سب کے کرائے بھی۔ جس کی وجہ سے اس ناکارہ کو گاڑی کی روانگی کے وقت اترنا پڑا۔ دوسرے دن اسی گاڑی سے حضرت قدس سرہ کا بکس لیکر حیدرآباد پہونچا۔ تقریبًا ایک ہفتہ وہاں قیام کے بعد حضرت قدس سرہ بمبئی تشریف لے گئے۔ اور امانجی وغیرہ بقیہ رفقاء حسب تجویز سابق ۲۳ر شوال مطابق ۲ر مئی پنجشنبہ کو براہ راست بمبئی کے لئے روانہ ہوئے اور حضرت قدس سرہ ۲۵ر شوال شنبہ کی صبح نو بجے حیدرآباد سے روانہ ہو کر یکشنبہ کی صبح کو بمبئی پہونچے۔ وہاں سے ۱۰ر ذی قعدہ مطابق ۲۰ر مئی پنجشنبہ کو زبانی جہاز میں سوار ہو کر ۱۷ر کو کامران قرنطینہ کے لئے اترے ۱۸ر کو وہاں سے روانہ ہو کر ۲۱ر کو جدہ اور وہاں سے اونٹوں پر ۲۵ر کو مکہ مکرمہ حاضری ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں باب ابراہیم کے سامنے ایک گلی تھی اس میں حضرت قدس سرہ نے کرایہ پر مکان لیا جس میں قیام فرمایا۔ اسی میں ہم تین چار خادم بھی تھے۔ آٹھویں تاریخ کو منیٰ کو روانگی ہوئی۔ حضرت قدس سرہ اور امانجی مرحومہ

اونٹ پر تھیں اور بعض دوسرے خصوصی رفقاء دوسرے اونٹوں پر اور ہم چند خدام حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے مبارک اونٹ کے ساتھ ساتھ پیدل منیٰ میں مطوف کے خیمہ میں قیام ہوا ایک خیمہ زنانہ جس میں اماں جی اور ان کی خادمہ اور ایک مردانہ جس میں حضرت قدس سرہٗ اور ہم خدام اسی طرح منیٰ سے عرفات اور وہاں سے مزدلفہ اور منیٰ اور مکہ طواف زیارت کے لئے اور وہاں سے منیٰ کو واپسی ہوئی اور ۱۳ر ذی الحجہ کو دوبارہ منیٰ سے واپسی ہوئی۔ چند روز مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد مدینہ پاک کی حاضری کی تجویز ہوئی اور ۲۲ر ذی الحجہ شنبہ مطابق ۲ر جولائی ۱۹۲۶ء سے تبریز[عہ] شروع ہوئی۔ تھوڑے تھوڑے اونٹ جاکر جرول میں جمع ہوتے رہے۔ ۲۴ر دوشنبہ کو روانگی طے تھی لیکن حکومت نے ۲۳ اونٹ جبراً لے لئے اس لئے دو دن کی مزید تاخیر ہوئی اور چہارشنبہ کو عربی نو بجے عصر پڑھ کر جرول سے چلے۔ بعضوں نے وہاں سے چل کر تنعیم میں عصر کی نماز پڑھی اور عربی چھ بجے وادی فاطمہ پہونچے۔ اس میں کھجوروں کے بہت سے باغات ملے جن کی چوڑائی تو کم تھی اور لمبائی بہت ایک چھوٹی سی نہر نہایت شیریں۔ جس میں غسل بھی کیا اور کھجوریں بھی کھائیں اور وہاں سے جمعرات کے دن ظہر کے متصل چل کر جمعہ کی صبح کو عربی ۲ بجے عسفان پہونچے۔ قافلہ کے اونٹ عربی دو بجے تک پہونچتے رہے۔ وہاں ایک کنواں تھا جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن اس میں پڑا ہے۔ یہاں بھی کھجوروں کے باغات تو بکثرت تھے لیکن باغ کی صورت سے نہیں بلکہ دو دو چار چار متفرق۔ یہاں متعدد کنویں تھے جن کا پانی بہت میٹھا تھا۔ کھجور، مرغیاں، بکریاں اور دنبے بہت کثرت سے اور ارزاں تھے۔ عسفان سے عربی آٹھ بجے چلے اور مغرب سے قبل پہاڑ کی طویل چڑھائی طے ہوگئی اور عربی ۶ بجے شب شنبہ کو دَفّ پہونچے۔ مگر پہاڑ کی چڑھائی کی وجہ سے شب کے نو بجے تک قافلہ پہونچتے رہے۔ یہاں کھجوریں بھی بکثرت ملیں اور باریک روٹیاں گھی میں تر بتر نہایت

عہ تبریز اونٹوں کے سفر کی ایک معروف چیز تھی کہ مکہ سے دو ایک میل باہر جاکر قافلہ ایک شب کے لئے ٹھہر جاتا تھا تاکہ قافلہ کے لوگوں میں سے کسی کی کوئی چیز رہ گئی ہو تو جاکر لے آئے اور رفقاء میں سے کوئی رہ جائے تو وہاں جاکر مل جائے اور اصل سفر گویا مقام تبریز سے شروع ہوتا تھا اب موٹر کے سفر میں یہ چیزیں مفقود ہوگئیں اور لوگ یہ بھی نہیں جانتے ہونگے کہ تبریز کیا چیز ہوتی ہے ۱۲ ز

ارزاں فروخت ہوتی تھیں۔ اور دودھ بھی بکثرت ملا۔ یہاں سے عصر کی نماز پڑھ کر چلے اور یکشنبہ کی صبح کو عربی ۹ بجے قدیمہ پہونچے۔ یہ بڑی آبادی تھی۔ یہاں حکومت کا محکمہ۔ امیر اور سپاہی کثرت سے تھے۔ یہاں مکہ سے آنے والے متفرق راستوں کا مرکز تھا۔ جدہ سے آنے والے بھی یہاں پہونچتے تھے۔ یہاں پانی کی قلت بھی تھی اور کھارا بھی۔ یہاں سے ظہر کی نماز پڑھ کر عربی ۶ بجے چلے اور دوشنبہ کی صبح کو عربی ۲ بجے رابغ پہونچے۔ یہ پہلے تو ایک اچھا خاصا شہر تھا مگر اس وقت نجدی اور شریف کی لڑائی کی وجہ سے بہت ویران اور مکانات گرے پڑے تھے۔ وہاں ایک بازار بھی تھا جس میں کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ بھی بہت سی چیزیں ملتی تھیں۔ وہاں کے بعض تاجر حجاج سے خطوط لیکر اور ڈاک کا محصول لیکر اپنے ملازموں کے ذریعہ ینبوع یا جدہ کے ڈاکخانہ میں ڈلواتے تھے۔ جملہ قافلوں کا ایک شب کا قیام یہاں لازمی تھا۔ حضرت قدس سرہٗ کا بھی مع رفقاء ایک شب قیام رہا اور منگل کی شام کو بعد عصر عربی ۹ بجے چل کر بدھ کی صبح کو ۱۲ بجے مستورہ پہونچے۔ یہاں کے کنویں عام طور سے نہایت کڑوے جو چیز ان سے پکائی جاتی تھی وہ بھی کڑوی ہو جاتی۔ لیکن حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی برکت سے ہم لوگوں کو نہایت میٹھا پانی ملا۔ معلوم ہوا کہ حال ہی میں حکومت نے چند کنویں کھدوائے ہیں جو اللہ کے فضل سے شیریں نکلے ہیں اور ان کا پانی رابغ اور قدیمہ سے بھی زیادہ میٹھا تھا۔ بدھ کی شام کو بعد عصر ۹ بجے یہاں سے چل کر جمعرات کی صبح کو عربی گیارہ بجے بئر شیخ پہونچے۔ یہاں بازار تو تھا مگر دودھ اس میں نہیں ملتا تھا۔ وہاں سے عصر کی نماز پڑھ کر روانگی ہوئی اور جمعہ کی شب میں سحری کے وقت بئر بنی الحصان پہونچے۔ جس کو بئر شیخ عبد اللہ بھی اس وقت کہا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ حصان کوئی بڑا سردار تھا جس کے سات اولادیں تھیں اور بڑا رئیس اسی کی طرف یہ آبادی منسوب ہے۔ یہاں سے مدینہ پاک کے لئے کئی راستے ہیں جن کو بعض قافلہ تین منزلیں کرتے ہیں اور اکثر چار منزل۔ شفیٰ۔ غلس وتر۔ بئر راحہ۔ بئر عامر، فریش جس کو سر در دیش بھی کہتے ہیں۔ ذوالحلیفہ جس کو بیر علی بھی کہا جاتا ہے اور مدینہ پاک یہ ساری منازل ایک راستہ میں نہیں آتیں بلکہ بعض پہاڑ کی ایک جانب اور بعض پہاڑ کی دوسری جانب۔ حضرت

نور اللہ مرقدہٗ کا قافلہ بئر حصان سے جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے بعد روانہ ہوا۔ اور شنبہ کی صبح کو خلیص اترا۔ اور وہاں سے ظہر کی نماز پڑھ کر روانگی ہوئی اور اتوار کی صبح کو فریش اترے۔ یہاں سب متفرق قافلے جمع ہو گئے۔ بعض قافلوں نے دو منزلیں کیں اور بعض نے تین۔ یہاں سے اتوار کی شام کو چل کر دوشنبہ کی صبح کو چاشت کے وقت مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً میں حاضری ہوئی جو ذی الحجہ کی چاند کی تیس ہونے کی صورت میں ۸ محرم تھی اور ۲۹ ہونے کی صورت میں ۹ محرم۔ تایا عزیز الحسن کاندھلوی مرحوم کی بیاض میں جو اس سفر میں ساتھ تھے لیکن ان کے اونٹ بعض منزلوں میں ہمارے اونٹوں سے علیحدہ ہو جاتے تھے اور وہ کسی دوسری جگہ منزل کرتے تھے ۱۹ جولائی دوشنبہ کی صبح کو مدینہ منورہ پہونچنا لکھا ہے۔ اور تقویم العام میں ۱۹ جولائی کو ۸ محرم دوشنبہ لکھا ہے لیکن عرب میں ایک دن کی تقدیم تو تاریخوں میں ہوتی ہی ہے اس لئے ۱۹ جولائی کو وہاں کے حساب سے ۸ محرم دوشنبہ ہی ہوئی۔ اور مدرسہ شرعیہ قدیم (قدیم کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مدرسہ شرعیہ تھا تو تقریباً اسی جگہ پر جہاں اب ہے لیکن سعودی زمانہ میں جو تغیرات عظیم تعمیرات میں ہو گئے ہیں اور سب تعمیرات جدید طرز پر ہو گئی ہیں جس میں مدرسہ شرعیہ کی تعمیر بھی بالکل جدید ہو گئی ہے بلکہ قدیم طرز پر نہایت سادہ دلآویز تعمیر تھی) اس کا صدر دروازہ شارع عام باب النساء کی طرف تھا۔ اور چھوٹا دروازہ جنوبی جانب میں ایک گلی میں تھا جس میں حضرت اقدس مولانا الحاج سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ یعنی برادر معظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا مکان تھا۔ جو انھوں نے کرایہ پر لے رکھا تھا۔ نیچے کی منزل میں حضرت مولانا سید احمد صاحب کا قیام تھا اور درمیانی منزل میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ بذل المجہود تالیف فرمایا کرتے تھے اور تیسری منزل میں حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا زنانہ مکان تھا اور اس کے بالکل متصل باب النساء کی طرف حضرت قدس سرہٗ کا زنانہ مکان تھا۔ اشراق کی نماز کے بعد حضرت نور اللہ مرقدہٗ اس دار التالیف میں تشریف لے جاتے اور ہندوستانی تقریباً گیارہ بجے تک نہایت یکسوئی کے ساتھ بذل المجہود کا املاء

کراتے۔ اور پھر اسی کمرے میں کھانا تناول فرماتے۔ حضرت قدس سرہٗ کے مکان سے حضرت کا کھانا چلا جاتا اور اوپر سے حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کا کھانا آجاتا۔ بر سیہ کار بھی شریک دسترخوان تھا جس کو دونوں اکابر اپنا اپنا مہمان سمجھتے تھے۔ جس کا اندازہ اس سے ہوا کہ اس یکسالہ قیام میں صرف ایک مرتبہ بخار کی شدت کی وجہ سے یہ ناکارہ شریک دسترخوان نہ ہوسکا تو بعد ظہر دونوں اکابر کے یہاں سے اس ناکارہ کے لئے اہتمام سے کھانا علیحدہ علیحدہ آیا اور اس یکسالہ قیام میں اس سیہ کار کو خود اپنے کھانے کا انتظام کرنا نہیں پڑا۔ کھانے سے فارغ کے بعد حضرت زنانہ مکان میں تشریف لیجاتے تھوڑی دیر قیلولہ کے بعد زوال سے قبل مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے، کہ زوال سے تھوڑی دیر بعد ظہر کی اذان ہوجاتی اور چند منٹ بعد ظہر کی نماز سے فراغ کے بعد حضرت قدس سرہٗ تقریباً ایک گھنٹہ قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے اور اس کے بعد وفاء الوفاء کا مطالعہ فرمایا کرتے اور عصر کی نماز کے بعد جو ایک مثل پر ہوجاتی تھی مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تحتانی منزل میں جو مولانا سید احمد صاحب کی قیام گاہ تھی مغرب تک تشریف فرما ہوتے۔ یہ مجلس مجلس عامہ ہوتی تھی۔ جس میں مقامی حضرات بھی تشریف لاتے اور آفاقی زائرین مدینہ بھی۔ اور حضرت مولانا سید احمد صاحب بہت ہی مسرت اور ابتہاج کے ساتھ لطائف اور فکاہات کے ساتھ سادی سبز چائے کے فنجانوں کا دور چلاتے۔ ایک چمچہ پر سید صاحب مرحوم نے مشک و عنبر پگھلا کر جما رکھا تھا جس کا نام چمچۂ قدرت تھا وہ خاص خاص فنجانوں میں خوب پھرایا جاتا۔ حضرت قدس سرہٗ تو ایک ہی فنجان نوش فرماتے لیکن یہ سیہ کار بلا نوش آٹھ دس فنجان پی لیتا۔ اور اپنے ہاتھ سے اس چمچۂ قدرت کو خوب گھماتا۔ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ میں حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ بھی مدینہ پاک اپنے چند خدام کے ساتھ حاضر ہوئے۔ اور عصر کے بعد کی مجلس میں باوجود علالت کے بہت ہی اہتمام سے تشریف لاتے تھے لیکن حضرت کے بعض خدام حاضر نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے بطور معذرت و شکوہ کے حضرت قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ حضرت کچھ ایسی بے حسی غالب ہوگئی کہ اول تو ان لوگوں کو (اپنے بعض رفقاء) کو خود ہی

اس کا احساس چاہیئے تھا کہ جب میں خود اس اہتمام سے حاضر ہوتا ہوں تو وہ اہتمام کرتے اس کے علاوہ میں ان کو ٹوک بھی چکا ہوں. حضرت نے بڑے جوش میں فرمایا کہ حضرت بالکل نہیں مجھے تو اس میں بہت غیرت ہے میں نے اپنے شیخ (قطب عالم گنگوہیؒ) سے بیعت ہونے کی کبھی کسی کو ترغیب نہیں دی میں سمجھتا تھا کہ میرا شیخ آفتاب ہے جس کو اس سے نور حاصل نہ کرنا ہو میری پاپوش سے۔ پھر اس ناکارہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ تو ان باوا بیٹوں (مراد یہ ناکارہ اور میرے والد صاحبؒ) کا دستور ہے کہ جو ان کی طرف ذرا التفات کرے یہ اس کی چھاتی پر سوار ہو جاتے ہیں. ہوا یہ تھا کہ یہ ناکارہ کئی دن سے حضرت سے بار بار عرض کر رہا تھا کہ حضرت فلاں صاحب بہت ہی مخلص اور حضرت سے عشق کا تعلق رکھتے ہیں مگر ذکر اور شغل بالکل نہیں کرتے. حضرت ان کو ذکر کرنے کو تحریر فرمادیں. حضرت بار بار فرماتے رہے کہ جب وہ پوچھیں جب ہی تو بتاؤں بے طلب کیوں بتاؤں. اس حضرت رائے پوری والے واقعہ سے ایک دن پہلے میں نے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا تھا کہ اجازت ہو تو میں خود ان صاحب کو کچھ لکھدوں. حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری طرف سے کچھ نہ لکھنا اپنی طرف سے جو چاہے لکھدو. حضرت نوراللہ مرقدہٗ مدینہ پاک پہونچکر بذل المجہود کی تکمیل میں مشغول ہو گئے جیسا کہ پہلے لکھا گیا. یہاں کے قیام میں بذل المجہود کی چوتھی جلد کتاب الجنائز تک ہوئی تھی. وہاں پہونچکر کتاب الجنائز سے املا شروع فرمائی. چنانچہ جو مسودہ بذل کا مدینہ پاک میں شروع کیا گیا اس کے شروع میں لکھا ہوا ہے" ۱۳؍ محرم ۴۵ھ یوم السبت فی المدینۃ المنورہ". حضرت قدس سرہٗ کی یکسوئی اور مدینہ پاک کی برکات کہ تقریباً ساڑھے سات ماہ میں ڈیڑھ جلد کی تکمیل ہو گئی. بذل کی ساڑھے تین جلدیں تقریباً ساڑھے نو سال میں ہوئی تھیں اور ڈیڑھ جلد تقریباً ساڑھے سات ماہ میں. اس کا املا تو مولانا سید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کے کمرے میں ہوتا تھا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا. لیکن حصول برکت کے لئے اختتام مسجد نبوی میں روضہ من ریاض الجنۃ میں ہوا. چنانچہ بذل کے آخر میں حضرت قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ قد تم وکمل بتوفیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ وحسن تسدیدہ فی المدینۃ المنورۃ فی

روضۃ من ریاض الجنۃ عند قبر سید ولد آدم بل سید الخلق والعالم بتاریخ احد وعشرین من شہر شعبان سنۃ خمس واربعین بعد ثلثمائۃ والف من ہجرۃ النبی الامین اللہم تقبل منا کما تقبلت من عبادک المقربین الصالحین واجعلہ خالصًا لوجہک الکریم واغفر لنا ما وقع منا من الخطأ والزلل وما لا ترضی بہ من العمل فانک عفو کریم رب غفور رحیم۔

ترجمہ:۔ اللہ جل شانہ کی توفیق اور اس نے جو استواری عطا فرمائی اس کی برکت سے مدینہ منورہ میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ (روضۃ من ریاض الجنۃ) میں اولاد آدم کے سردار بلکہ تمام مخلوقات اور سارے عالم کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر اطہر کے پاس اکیس شعبان ۱۳۴۵ھ کو یہ شرح مکمل اور پوری ہوئی اے اللہ! اسکو ہماری طرف سے قبول فرما جیسا تو نے اپنے نیک اور مقرب بندوں سے قبول فرمایا اور اس کو اپنی کریم ذات کے لئے خالص فرما اور جو ہم سے خطا اور لغزش واقع ہوئی اور ناپسندیدہ اعمال واقع ہوئے ان کی مغفرت فرما تو معاف فرمانیوالا ہے کریم ہے پالنے والا ہے غفور رحیم ہے۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کو بذل المجہود کے ختم ہونے کی بہت ہی مسرت تھی۔ بذل کے ختم پر علماء مدینہ کی حضرت قدس سرہ نے بڑی وسیع دعوت فرمائی تھی اور دعوت نامہ بھی عربی میں طبع کرا کر علماء مدینہ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور محض مسرت میں شرکت کی خاطر ہندوستان کے بعض احباب کو جن میں حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ بھی تھے بھیجے تھے۔ اصل دعوت نامہ مطبوعہ بذل المجہود کے مسودہ کے ساتھ مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود ہے جس کی نقل یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ عالی حضرت الشیخ ....

المحترم مد فیوضہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

وبعد فقد من اللہ علی الداعی ان منحہ بتالیف بذل المجہود فی حل ابی داؤد وجعل ختامہ ببلدۃ صاحب المعجزات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ وازکی التسلیمات جعلہ اللہ خالصًا لوجہہ الکریم ونفع بہ الاسلام والمسلمین آمین فنؤمل تشریفکم بعد صلوٰۃ الجمعۃ

فی ۲۳ر شعبان ۱۳۴۵ھ الی مدرسۃ العلوم الشرعیۃ الکائنۃ فی زقاق البدور لتناول ماحضر اتماماً للمسرۃ بقدومکم وشکراً للہ تعالیٰ والسلام۔ داعیکم خادم الطلبۃ خلیل احمد عفی عنہ۔

ترجمہ :۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد حضرت الشیخ ...... المحترم مدفیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے داعی پر یہ احسان فرمایا کہ تالیف بذل المجہود شرح ابی داؤد سے نوازا۔ اور اس کا اختتام صاحب معجزات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ وازکی التسلیمات کے مقدس شہر میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اپنی کریم ذات کے لئے خالص بنائے اور اس سے اسلام اور مسلمین کو نفع پہونچائے آمین۔ ۲۳ر شعبان ۴۵ھ کو جمعہ کی نماز کے بعد مدرسہ علوم شرعیہ میں تناول ماحضر کے لئے اپنی مسرتوں کی تکمیل کی خاطر تشریف آوری کی امید رکھتا ہوں والشکر للہ

والسلام الداعی خادم طلبہ خلیل احمد عفی عنہ

اس گرامی نامہ میں جہاں نقطے لگائے گئے ہیں وہاں خالی جگہ پر ان صاحب کا اسم گرامی لکھا جاتا جن کے پاس یہ دعوت نامہ بھیجا گیا۔ حضرت قدس سرہ کا معمول بذل کی تکمیل تک جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے کہ صبح کا وقت بذل المجہود کے املاء میں اور بعد ظہر تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتا۔ بذل المجہود کے ختم کے بعد صبح کا وقت بھی وفاء الوفا، وغیرہ ان متفرق کتابوں میں خرچ ہوتا جو مدینہ پاک کے احوال میں وہاں حضرت کی خدمت میں جمع ہوگئی تھیں۔ چند روز بعد ماہ مبارک شروع ہوگیا۔ ماہ مبارک میں صبح کو اشراق کے بعد دیر تک تلاوت فرماتے اور تھوڑی دیر قیلولہ کے بعد قبل الزوال مسجد میں تشریف لے آتے اور ظہر بعد مکان تشریف لے جاتے۔ اہلیہ مرحومہ کو بھی قرآن پاک سناتے اور اس ناکارہ کو بھی کہ حضرت قدس سرہٗ کے مکان ہی پر ظہر بعد وقت مقررہ پر حاضر ہوجاتا۔ بعد عصر حسب معمول حضرت مولانا سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قیامگاہ پر تشریف لے جاتے اور قبیل مغرب مسجد نبوی تشریف لے جاتے اور وہیں کھجور اور زمزم سے روزہ افطار فرماتے بعد نماز مغرب علوم شرعیہ کی چھت پر دو پارے نوافل میں بیٹھ کر اس ناکارہ کو سناتے اور پھر عشاء کی نماز مسجد نبوی میں پڑھ کر اسی جگہ تشریف لاتے اور قاری محمد توفیق صاحب

کی اقتداء میں تراویح پڑھتے کہ وہ نہایت اطمینان سے دو پارے پڑھتے جن میں عربی پانچ بج جاتے جو یہاں سوا بارہ بجنے کا وقت ہے۔ اس کے بعد قریب چھ بجے عربی کے آرام فرماتے تھے اور اس نابکار کو حکم تھا کہ مجھے آٹھ بجے جگا دیا کرو۔ مگر ایک دو دفعہ کے علاوہ مجھے یاد نہیں کہ حضرت سوئے ہوئے ملے ہوں اور اس کے بعد حضرت دو پارے مدرسہ شرعیہ کے دو طالب علموں کی اقتداء میں علیحدہ علیحدہ سنتے۔ حضرت کو عرصہ سے قرأت نافع کے سننے کا بھی شوق تھا یہ دونوں طالب علم مغربی مالکی تھے قرأت نافع میں پڑھتے تھے۔ آخر ماہ مبارک میں حضرت قدس سرہٗ کو فالج کا اثر شروع ہو گیا کہ چلنا پھرنا بھی دشوار ہو گیا جس کا اصل سلسلہ تو بذل کے ختم کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا کہ بخار وغیرہ نزلہ شدت سے ہوا لیکن ماہ مبارک کی برکت سے ماہ مبارک شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا تھا۔ عید سے دو تین روز سے قبل پھر مرض نے عود کیا اور اس مرتبہ فالج کا اثر بھی ہو گیا اور یہ سلسلہ اخیر تک ایسا رہا کہ کبھی افاقہ وصحت اور کبھی عود مرض جو وصال تک منتہی ہوا۔ جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

بیعت وسلوک

کا واقعہ تو بہت ابتدائی ہے اور حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے تذکرۃ الخلیل میں بھی بہت تفصیل سے لکھا ہے اور تذکرۃ الرشید جلد اول میں اس کا ایک مستقل عنوان قائم کرکے بہت تفصیل سے اس کا ذکر بھی کیا ہے وہ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت امام ربانی یعنی قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ کے سند دار حالات جلیلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے دست مبارک پر علماء میں سے سب سے پہلے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے بیعت کی اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے دست مبارک پر علماء عصر میں سب سے اول حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دامت فیوضہم نے بیعت کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواب جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رؤیا میں تشریف لاکر حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کی بھاوج سے یہ فرمایا تھا کہ اٹھ حاجی امداد اللہ کے مہمان علماء ہیں ان کی روٹی میں پکاؤں گا اس طرح عالم ظہور میں آئی۔

کر بلا توسط پہلے بھائی امام ربانی ہوئے اور روحانی نسب میں متوسط پہلی بھائی حضرت مولانا انبہٹوی کے نصیب میں آئی۔ اس کے بعد تذکرۃ الرشید میں خود حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کے دست مبارک کی ایک تحریر نقل کی گئی ہے جس میں یہ درج ہے جس کو مختصراً یہاں نقل کرتا ہوں وہو ہذا "سلسلہ غلامی میں داخل ہونے سے بیشتر مجھ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور نہ کوئی قرابت قریبہ تھی۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک معمولی واقفیت تھی اور ہم صرف یہ سمجھتے تھے کہ ایک مقدس عالم ہیں۔ ایک روز میرے چچا مولوی انصار علی صاحب نے جب کہ میں ان کی خدمت میں پڑھتا تھا فرمایا کہ پڑھنے کے بعد مولوی صاحب (یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب) سے تصوف حاصل کیجیو۔ ایک دفعہ مجھ کو غالباً بارہواں چودھواں سال ہوگا رمضان میں گنگوہ گیا اور شب کو آپ کا قرآن سننے خانقاہ حاضر ہوا اور درخت نیم کے نیچے کھڑے ہو کر سنا۔ اس وقت آپ تراویح پڑھا رہے تھے۔ آپ نہایت خوش الحان حافظ تھے۔ آپ اس قدر خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ اس وقت تک اس کی حلاوت قلب میں ہے اور اس میں سے لفظ اشحۃ علی الخیر یاد ہے اور اب کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت سورۂ احزاب پڑھ رہے تھے اثناء تعلیم میں میری شادی گنگوہ ہوئی اور اس وجہ سے مجھے گنگوہ کے قیام کا زیادہ اتفاق ہوا۔ اور قیام گنگوہ کے زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں اکثر رہتا تھا۔ مجھ کو خوب یاد ہے کہ مجھے اس وقت آفتاب کی طرح محسوس ہوتا کہ اس احاطۂ مبارک میں ایک نورانیت اور قلب میں بشاشت اور طمانیت محسوس ہوتی تھی حالانکہ میں اس وقت نہ مرید تھا نہ چنداں معتقد تھا۔ دوسرے اس وقت جو لوگ حاضر باش آستانہ تھے حافظ عبدالرحمن صاحب و مولوی الطاف الرحمن صاحب وغیرہ ان کے نفوس اخلاق رذیلہ سے مزکی اور اوصاف حمیدہ کے ساتھ معلی فیض صحبت کی برکت سے پاتا تھا۔ ان کے اخلاق اور سادگی اور اتباع سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت گویا بالکل نقل صحابہ تھی مگر باایں ہمہ یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ حضرت سے درخواست بیعت کروں۔ جب میری تحصیل ختم ہو گئی اور مدرسہ منگلور ضلع سہارنپور

میں مدرس بنا کر بھیجا گیا تو ان ایام میں ایک خاص کیفیت اور رغبت الی العبادۃ طاری ہوئی۔ اس زمانہ میں جناب قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کا حلقہ بڑے زور شور کے ساتھ ہوا کرتا تھا میرے بھی دل میں آیا کہ میں بھی بیٹھا کروں مگر ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ اپنے بزرگوں سے مشورہ اور اجازت حاصل کر لوں۔ چنانچہ مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔ انھوں نے تحریر فرمایا کہ الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق وصول الی اللہ تعالیٰ کچھ اسی طریق میں منحصر نہیں ہے جو تم کرتے ہو یہ بھی ایک طریق وصول الی اللہ ہے۔ ابھی تمھارے لئے حلقہ میں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔ اسی اثنار میں غالباً ۱۲۸۸ھ یا ۸۹ھ میں خیال بیعت پیدا ہوا۔ اتفاقاً انہی ایام میں حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ رڑکی تشریف لائے اور حسب استدعا، بندہ واپسی میں منگلور قیام فرمایا۔ بندہ نے شب کو تنہائی میں عرض کیا کہ المستشار موتمن بطور مشورہ عرض ہے کہ مجھ کو خیال بیعت ہے اور ہمارے نواح میں چند بزرگ ہیں آپ اور مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا شیخ محمد صاحب اور قاضی محمد اسمٰعیل صاحب۔ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے کیا بہتر ہے۔ اگر آپ کے نزدیک میرے حق میں آپ کے خدام کے سلسلہ میں داخل ہونا بہتر ہو تو مجھ کو اپنی خدمت میں قبول فرمایئے ورنہ جو امر میرے لئے بہتر ہو مجھ کو فرمایئے۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طویل تقریر فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے اس وقت کوئی بہتر نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو بیعت کرنے سے نہایت کارہ ہیں۔ آپ ہی اگر سفارش فرما دیں گے تو یہ امر طے ہوگا۔ فرمایا اچھا جب میں گنگوہ آؤں اس وقت چلے آنا۔ چنانچہ میں متلاشی رہا۔ چند روز کے بعد مجھ کو حضرت مولانا کے گنگوہ جانے کی خبر معلوم ہوئی میں بھی فوراً پہونچا اور عرض کیا کہ الکریم اذا وعد وفی۔ تبسم فرما کر فرمایا کہ بہتر ہے۔ پھر صبح کو بعد فراغ حضرت سے باتیں کر کے مجھ کو بلایا۔ میں حجرہ میں حاضر ہوا مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے سلام کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو ساکت رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا تبسم کے ساتھ فرمایا کہ مجھ سے تو یہ جلاہے وغیرہ مرید ہو جاتے ہیں اور تم خود پیرزادہ ہو اور چناں ہو چنیں ہو۔ تم مجھ سے کیوں بیعت ہوتے

ہو۔ کچھ تو مجھ پر حاضر ہوتے ہی رعب و ہیبت کے آثار تھے اس کلام نے اور بھی رہے سہے ہوش کھو دیئے اور بجز اس کے کچھ عرض نہ ہو سکا کہ حضرت میں تو ان سے بھی زیادہ بدتر و حقیر و ناکارہ ہوں۔ فرمایا کہ بس بس۔ اچھا استخارہ کر لو میں مسجد آتا ہوں۔ میں نے اسی وقت مسجد میں جاکر وضو کر کے دو رکعتیں پڑھ کر دعاء استخارہ مسنونہ پڑھیں کہ حضرت تشریف لائے پوچھا کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ وہی رائے ہے۔ غلامی میں داخل فرما لیجئے۔ اتفاقاً اسی وقت مولوی محمد اسحاق صاحب انبہٹوی ابن برادر حمید علی جو حضرت کی خدمت میں پڑھتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ان پر نظر عنایت تھی وہ بھی بارادۂ بیعت آبیٹھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہم دونوں کو توبہ کرائی اور سلسلۂ غلامی میں داخل فرمایا والحمد للہ علی ذلک"۔

اس مضمون میں جو اوپر گزرا جو خود حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی تحریر ہے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ ہے لیکن تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو کہ حضرت گنگوہی رح کے استاذ زادے تھے اور حضرت انکا بہت ہی لحاظ فرماتے تھے اس مقصود کا واسطہ بنایا اور لکھا کہ حضرت گنگوہی سے میری سفارش فرما دیجئے کہ مجھے بیعت کر لیں۔ مولانا نے حضرت امام ربانی کے نام خط تحریر فرما کر حضرت کے پاس بھیجدیا اور وہ خط لیکر آپ گنگوہ حاضر ہوئے الخ۔ لیکن تذکرۃ الرشید کی عبارت خود حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی اپنی تحریر ہے اس لئے وہی راجح ہے۔ یہ تو عشق کی ابتدا تھی اور اس کے بعد کیا ہوا۔ اس کے متعلق ان کے شیخ قطب عالم گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے متعلق یہ ارشاد کہ "پھر تو مرمٹا" کے سوا کیا تعبیر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید جلد اول میں ہے کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جبکہ اعلیٰ حضرت کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے ذکر شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ رات کو اٹھا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا اچھا کیا مضائقہ ہے۔ اس تذکرہ پر کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا تو آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ "پھر تو مرمٹا" فقط۔ اسی کا ثمرہ تھا کہ ۱۲۹۴ھ میں بیعت ہوئی اور شوال ۱۲۹۶ھ میں اعلیٰ حضرت قطب عالم

گنگوہیؒ نے اپنے شیخ سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں مکہ مکرمہ
حضرت سہارنپوری کو خلافت عطا کرنے کی سفارش فرمائی اور محرم ۱۳۰۹ھ میں سید الطائفہ
حضرت حاجی صاحبؒ نے خلافت واجازت اور عمامہ مبارک سے مشرف فرمایا حضرت سہارنپوری
قدس سرہ کے احوال طیبہ کا اندازان خطوط سے ہوسکتا ہے جو تذکرۃ الرشید جلد ثالث
معروف بہ مکاتیب رشیدیہ میں بارہ عدد اور تذکرۃ الخلیل میں پانچ عدد ذکر کئے گئے ہیں.
میرے دوستوں میں سے ذاکرین کو اور بالخصوص ان لوگوں کو جن کو اس ناکارہ نے بیعت
کی اجازت دی ہے بہت اہتمام سے بار بار دیکھنے چاہئیں. تبرکاً مکاتیب رشیدیہ سے
ایک عریضہ جو حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہٗ کی
خدمت میں لکھا تھا اور حضرت قدس سرہ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا نقل کرتا ہوں
اور ایک والانامہ اعلیٰ حضرت گنگوہیؒ کا تذکرۃ الخلیل سے ـ

۱ حضرت سیدی ومولائی وسیلۂ یومی وغدی ادام اللہ ظلال برکاتکم.

کمترین غلامان کہترین عتبہ بوسیان ننگ خدام طفیل ذلیل تبلیغ تحیات وتسلیمات
کے بعد ملتمس عرضداشت ہے عرصہ سے ارادہ ہوتا تھا کہ اپنا ناکارہ حال پُراز حزن وملال
عرض کروں مگر جرأتِ گستاخی اور توسط وسائط کا خلجان وبال جان ہوکر مانع ہوتا رہا
ہے پہلے تو اس وجود بسط کے ساتھ بطفیل توجہات وابستگی ہوکر ایک گونہ طفل تسلی
ہوگئی تھی مگر ایام صیام مبارک سے اس گرداب حیرت میں مبتلا ہوں کہ کیا عرض کروں
بجائے قرب ووصال بُعد ومہجوری صرف فقد حال ہی نہیں بلکہ مضیق ہوگیا کہ یہ کوئی
صورت قرب ہے نہ وصال ہے نہ مشاہدہ ہے ـ مالی ولرب الارباب جل وعلا شانہٗ ابتداء
سے اس وقت تک کو کبھی اس ناکارہ سے کچھ نہ ہوسکا پر لطف خداوندی جل شانہٗ بطفیل
توجہات غریب نواز شامل حال رہا. ہمیشہ امتثال اوامر میں مقصر رہا. پر حضرت غریب نواز
نے اپنی ذرہ نوازی کم نہ فرمائی ـ اسی وجہ سے کچھ ہمت بندھی رہی اب اس وقت کمر ہمت
ٹوٹی جاتی ہے بلکہ ٹوٹ گئی ـ سچ ہے ماعرفناک حق معرفتک جو چیز خیال کی جاتی ہے غیر نظر
آتی ہے ـ انوار غیر ہیں، وجود غیر ہے ـ حیرت غیر ہے ـ دل چاہتا ہے کہ بے کیف ادراک ہو

بر محال نظر آتا ہے۔ بے کیف ادراک نہیں ہوتا اور جو ادراک ہوتا ہے وہ مکیف ع

ڈھونڈے، تجھ کو بتا جاؤں کہاں

غرض عجیب ادھیڑ بن میں طبیعت مبتلا رہتی ہے اور نظر لطف کی امیدواری ابتداء حال میں تو وجود کی چادر پارہ پارہ معلوم ہوتی تھی اب تلاش سے بھی کہیں پتہ نہیں ملتا کان لم یکن شیئاً مذکوراً۔ مگر اس حیرت کے ساتھ ایک تاریکی محسوس ہوتی ہے جو حوالی میں ایک جانب معلوم ہوتی ہے۔ بایں ہمہ الحمدللہ ثم الحمدللہ حضور قائم ہے اور باطن قلب میں انشراح ہے زیادہ جرأت سمع خراشی گستاخی ہے اگر اس کے متعلق خادم کے لئے کوئی کلمہ مبارک لکھنا مناسب ہو تو ارشاد فرمائیں کہ موجب طمانیت و تسلی ہو۔

کرو دیدۂ و دل کے طبقے بہ روشن ؛ کہ ہو ایک رشک مہ چاردہ تم
سنا ہے کہ تم نور سے اپنے کرتے ؛ منور بیک جلوہ چودہ طبق ہو

عرضداشت کمترین غلامان نظر لطف کا امیدوار:۔

خلیل احمد عفی عنہ از سہارنپور یوم جمعہ ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

جواب از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون آنکہ خط پہونچا۔ حال معلوم ہوا۔ جو کچھ آپ نے حیرت لکھی ہے وہ عین تقرب ہے "مقرباں را بیش بود حیرانی" بزرگان دین فرما گئے ہیں اور ذات حق تعالیٰ ادراک سے مبرا ہے لا یدرکہ الابصار۔ قلب و عقل بشر ادراک سے عاجز ہے

دور بینان بارگاہ الست ؛ غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

وہ ذات ہستی مطلق ہے کہ ہستی و اطلاق سے بھی بالا تر ہے اطلاق کو بھی وہاں گنجائش نہیں۔ اور جو کچھ کسی کے قلب میں یا عقل میں آیا ہے یا آتا ہے وہ سب غیر ہے ذات پاک اس سے مبرا ہے۔ پس ایسی حالت میں کسی کیف کا ہونا کیا گنجائش رکھتا ہے محض حضور حظ بندہ کا ہے اور بس۔ سو الحمدللہ کہ آپ کو اس سے حصہ حاصل ہے ان تعبد ربک کانک تراہ الحدیث" مقصود سب کا رہا ہے اور یہی مدعا شارع علیہ السلام کا ہے جس قدر اس سے کسی کو میسر ہوا وہی صاحب نصیب ہے سوائے اس کے جو کچھ حالات

ہیں وہ کوئی مقصود نہیں بس بحکم "لئن شکرتم لازیدنکم" نسبت حضور میں کوشش کرتے
رہو اور کسی شے کے طالب مت ہو لطف حق کے امیدوار رہو کر ع ہرچہ ساقی ما ریخت
عین الطاف است۔ فقط والسلام۔ بندہ کے واسطے بھی دعا خیر کریں اور بندہ آپ کے
لئے دعا کرتا ہے۔ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ (ماخوذ از مکاتیب رشیدیہ)

۲ مولوی خلیل احمد صاحب السلام علیکم

آپ کا خط آیا۔ حضور مسمی اور اس کے شکر کے عجز سے بہت بہت فرحت ہوئی۔ الحمد
للہ علی ذلک آدمی اگر ہر بُن مو ہزار ہا ہزار زبان ہو جائے اور مدت دنیا ایک ادنی نعمت
کا شکر ادا کرنا چاہے نہیں ہو سکتا بلکہ ہر قصد شکر بھی ایک نعمت عظمی ہے دوبالا مرہون
منن کبری ہوتا جاتا ہے وہ کون ہے کہ توفیق حضور کا شکر تلقین کر سکے۔ ہاں عجز عن ادائے
شکر کو اگر بجائے شکر قبول فرمالیویں تو بندہ نوازی سے کیا بعید ہے کہ ایسے نالائق
بس کو ایسے منعم صمد سے معاملہ ہوا بجز اینکہ ہمہ تن فنا اپنے کردار سے ہو کر پانی ہو جاوے
اور شرم اپنے قصور اور اس کے نعماء سے خاک بن جاوے اور کیا کر سکتا ہے۔ بارے شکر ہے
کہ آپ کو یہ مقام عطا ہوا اس کا نام یادداشت باصطلاح حضرات نقشبندیہ ہے۔ اب
اس یادداشت کے ساتھ حیاء مالک حقیقی کی ہونی ضرور ہے جیسا کہ ہم اپنے کسی بڑے مربی
منعم ذی جاہ کے سامنے کوئی سبک حرکتی خلاف رضا نہیں کر سکتے ایسا ہی معاملہ خلوت
میں اپنے اس حاضر ناظر مولی سے ہونا چاہیئے تاکہ حضور مسمی کا مصداق پورا ہو جاوے کہ
اپنی ہر ہر حرکت کو پیش نظر اس مالک تعالی شانہ جان کر بمیزان شرع کہ قانون رضا ہے
ناپ تول کا دھیان رہے اب یہ مراقبہ دائمی کرنا چاہیئے الغرض ہر کام کو بحضور ذات تصور
کرنا اور اس کا مرضی وغیر مرضی دریافت کر کے ترک وعمل کرنا چاہیئے اور اس کا ہی نام
احسان ہے وفقنا اللہ اور اس عاجز کو بھی بدعا خیر یاد دلانا کہ مجھ کو بھی یہ امر نصیب ہو۔
بسہلت عمر خرابی میں گذری اور اصل مقصود میسر نہ آیا ہاں احباب کا حسن ظن اگر
کارگر ہو جاوے تو انا عند ظن عبدی بی کا البتہ امیدوار ہوں۔ درباب نکاح کیا مشورہ
دوں۔ اپنے دل کی عزم تو یہ ہے کہ تجرد کی برابر کسی شے میں راحت نہیں ہے مگر حوائج ضروریہ

میں نکاح بھی ہے۔ ایک حاجت کے واسطے صدہا خدشات اٹھانے پڑتے ہیں اگر اس حاجت کا تقاضہ نہ ہو تو تجرد سے بہتر نا اہل کو نہیں جانتا ہوں مگر ہاں اگر اہل نیت تکثیر امت کا خیال کر کے کرے تو دوسری بات ہے لہٰذا اس امر میں صاف قطعی بات کچھ نہیں لکھ سکتا ہوں تم اپنے حال سے مجھ سے زیادہ واقف ہو۔ قیام گنگوہ کے باب میں جو آپ کی خوشی مجھ کو کیا عذر ہے زیادہ کیا کہوں اس میں مجھ کو کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ کے زعم میں اگر آپ کا فائدہ ہے تو بہتر۔ جواب والدین میں بھی اگر مناسب ہو تا رمضان توقف رکھو اور اپنے حال کو خوب غور سے دریافت کر لو۔ فقط (ماخوذ از تذکرۃ الخلیل)

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح لکھنا نہیں کہ وہ تو بہت بڑا ذخیرہ ہے اور تذکرۃ الخلیل بھی اس کا ایک مختصر نمونہ ہے تاہم نمونہ کے طور پر جیسے اوپر دو خط نقل کئے ہیں دو ایک واقعات تذکرۃ الخلیل سے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے علوم مرتبت۔ قوت باطنیہ اور تصرفات کے بھی نقل کرتا ہوں۔

عــ۱ :۔ حج پنجم میں جس وقت حضرت مسجد الحرام میں طواف قدوم کے لئے تشریف لائے تو احقر عــہ مولانا محب الدین صاحب کے پاس (جو کہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کے خاص خلفاء میں تھے اور صاحب کشف مشہور تھے) بیٹھا تھا مولانا اس وقت درود شریف کی کتاب کھولے ہوئے اپنا ورد پڑھ رہے تھے کہ دفعۃً میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے اس وقت حرم میں کون آگیا کہ دفعۃً سارا حرم انوار سے بھر گیا۔ میں خاموش رہا کہ اتنے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر باب الصفا کی طرف سعی کے لئے چلے تو مولانا محب الدین صاحب کے پاس کو آئے کہ وہی جگہ مولانا کی نشست کی تھی۔ مولانا کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمایا میں بھی تو کہوں کہ آج حرم میں کون آگیا یہ کہکر مصافحہ اور معانقہ ہوا اور حضرت سعی کے لئے آگے بڑھ گئے مولانا محب الدین صاحب اپنی جگہ بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ میاں ظفر مولانا خلیل احمد صاحب تو نور ہی نور ہیں ان میں نور کے سوا کچھ نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے مولانا رشید احمد صاحب کو نہیں دیکھا اور مجھ سے کہا گیا ہے کہ

عــہ یعنی مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ؒ اور یہ حج چہارم [illegible] والا ہے پنجم نہیں کیونکہ مولانا ظفر احمد صاحب [illegible] والے ہیں ۱۲

وہ قطب الارشاد تھے مگر میں نے مولانا کے خلفا کو دیکھکر سمجھ لیا کہ واقعی وہ قطب الارشاد تھے جو ایسے ایسے کامل بنا گئے۔ میں نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب کیسے ہیں فرمایا کہ بڑے قوی النسبت ہیں کہ ان کے پاس چاہے کوئی کیسا ہی دل لیکر آئے سب جھاڑ جھنکاڑ کر ایک دم صاف کر دیتے ہیں۔

۲۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت اپنی قوت قلبیہ کے تصرف کو بہت کم کام میں لاتے اور خاص ضرورت ہی کے وقت صرف فرمایا کرتے تھے۔ سہارنپور میں اہل اسلام اور آریہ کا مناظرہ ہوا جو موضع رد یڑی سے منتقل ہو کر سہارنپور آیا تھا حضرت شریک جلسہ تھے اور مسلمانوں کی طرف سے فریقین کی تقریروں کو قلمبند کرنے کے لئے مولوی کفایت اللہ اور مولوی احمد اللہ صاحب تجویز ہوئے تھے۔ مگر مولوی احمد اللہ تھک گئے تو صرف مولوی کفایت اللہ صاحب نے اس خدمت کو انجام دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجلس مناظرہ میں آریوں کی طرف ایک جوان خوبصورت گیروے کپڑے پہنے ہوئے سادھو تھا جو آرام کرسی پر لیٹا رہتا اور جب مسلمانوں کے مقرر تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو وہ گردن جھکا کر بیٹھ جاتا تھا۔ مقررین اسلام کی تقریریں نہایت پراگندہ اور خراب ہو رہی تھیں حتیٰ کہ مولانا عبدالحق حقانی سے دور و تسلسل کی تقریر بھی نہ ہو سکی تو میں نے صدر جلسہ مرزا عزیز بیگ کو ایک پرچہ پر لکھکر دیا کہ مسلمانوں کی طرف سے جب مناظر تقریر کرنے کو کھڑا ہوتا ہے تو یہ جوگی اثر ڈالتا ہے لہٰذا مولانا خلیل احمد صاحب کو اس کی اطلاع دیدو۔ صدر جلسہ نے یہ پرچہ پڑھکر حضرت کی طرف سرکا دیا اور حضرت نے پرچہ پڑھتے ہی گردن جھکا لی کہ دونوں حق و باطل میں تصرف قلب کی جنگ ہونے لگی۔ دو منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ وہ سادھو بے قرار ہو کر آرام کرسی سے اٹھا اور میدان جلسہ سے باہر چلا گیا پھر کیا تھا مسلمانوں کی وہ تقریریں ہوئیں کہ گویا دریا کا بند کھل گیا اور حالانکہ اس مناظرہ میں بہت کچھ بے عنوانیاں ہوئی تھی مگر نتیجہ یہ نکلا کہ گیارہ آدمی مشرف باسلام ہوئے۔ اسی دن دوپہر کو کھانا کھانے میں حضرت نے فرمایا کہ اس کا تو مجھے یقین تھا اور ہے کہ اسلام غالب رہیگا الحق یعلو ولا یعلیٰ۔ مگر حق تعالیٰ کی شان بے نیاز ہے اس کا خوف ہر وقت اور ہر بشر کو ہے۔

۳:- مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ سے فارغ ہو کر باہر کے مہمان رخصت ہوئے پنجاب جانے والی گاڑی پہلے آئی اور اس طرف کے مہمان گاڑی میں سوار ہوئے۔ گاڑی میں ایک سادھو بیٹھا تھا جو ہردوار سے آرہا تھا۔ اسٹیشن پر ازدحام دیکھکر اس نے دریافت کیا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے؟ حضرت کے خادم نے جو اس گاڑی میں سوار ہوئے تھے جواب دیا کہ یہاں سہارنپور میں ایک بڑے بزرگ شیخ ہیں سب لوگ مختلف اطراف سے ان کی زیارت کو آئے تھے اور اب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو رہے ہیں۔ وہ حضرت کے حالات پوچھنے لگا اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ کہتے تھے کہ کچھ دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ قلب پر ایک غیر مانوس اثر اور دباؤ پڑ رہا ہے جس کا ظاہری سبب کوئی معلوم نہیں ہوتا اور دل اندر سے گھبراتا اور اڑان ہوا جاتا تھا۔ حیران تھا کہ دن ہے رات نہیں مجمع ہے تنہائی نہیں ریل کا ڈبہ کھچا کھچ بھرا ہوا ہے جنگل یا بیابان نہیں ہے پھر یہ وحشت و پریشانی کیوں ہے کہ طبیعت آپے سے نکلی جاتی ہے اور زبان گنگ اور سن ہوئی جاتی ہے۔ اسی پریشانی میں تھا کہ دفعۃً حضرت کی شبیہ نظر آئی اور اس کا عکس دل پر پڑنا شروع ہوا اور اشارہ ہوا کہ پڑھو "حسبی اللہ ونعم الوکیل" چنانچہ زبان گنگ تھی مگر دل نے اس کا ورد شروع کیا اور گھبراہٹ واضطراب کے بادل پھٹنا شروع ہو گئے۔ چند منٹ میں وہ کیفیت جاتی رہی اور قلب کو سکون نصیب ہوا۔ کان میں آواز آئی۔ سادھو کہتا ہے واقعی تمہارے گرو بڑے کامل اور بہت زور والے ہیں۔ اسوقت میں سمجھا کہ یہ اثر ڈال رہا تھا اس لئے میں نے کہا بس تم میں اتنی ہی ہمت تھی ذرا کچھ کر کے دکھایا ہوتا۔ وہ کھسیانہ ہو گیا اور منہ موڑ کر بیٹھ گیا کہ پھر بات تک نہیں کی۔ فقط حضرت قدس سرہ کے کمالات کہاں تک لکھے جا سکتے ہیں بالخصوص اس مختصر میں ؎

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار ÷ گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد
نمی گر دید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم ÷ حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

یہ تو اوپر لکھا جا چکا ہے کہ بذل المجہود کے ختم ہونے کے ساتھ ہی سلسلۂ علالت شروع ہو گیا تھا کبھی افاقہ کبھی شدت کہ در اصل حضرت کی قوت وصحت ہی بذل المجہود

کے اختتام کے شوق وتمنا میں تھی آخر ماہ مبارک میں کچھ فالج کا اثر ہوگیا تھا اس میں بھی کبھی
افاقہ ہوجاتا اور کبھی وہ اثر عود کرآتا۔ عید الفطر کے دن بھی اس کا اثر غالب تھا اس لئے
عید کی نماز کے لئے بھی حرم شریف تشریف نہیں لے جاسکے لیکن پھر کچھ افاقہ ہوگیا اور
حرم شریف لکڑی کے سہارے سے تشریف لے جانے لگے۔ جب ہم لوگ مدینہ پاک سے
واپس ہوئے تو اس وقت حضرت قدس سرہٗ حرم شریف میں معمولی تکلف کے ساتھ
تشریف لے جاتے تھے کہ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں مرض میں اشتداد ہوا اور اسکی صورت یہی
ہوئی کہ کبھی بخار تیز کبھی فالج کا زور کبھی کمی۔ جب زور ہوتا تو مسجد نبوی میں بھی تشریف لیجانا
مشکل ہوتا اور جب کچھ افاقہ ہوجاتا تو آدمی کے اور لکڑی کے سہارے سے مسجد تشریف
لے جاتے۔ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کے پہلے ہفتے میں سینے میں درد ہوا جو مالش وغیرہ سے گویا جاتا
رہا۔ دوسرے ہفتہ کے شروع میں بعض علماء مدینہ کی درخواست پر بعد عصر ابوداؤد شریف کا
سبق بھی مولانا سید احمد صاحب کی قیامگاہ پر شروع کرادیا کہ شنبہ یکشنبہ دو ہی دن سبق
ہونے پایا تھا کہ دوشنبہ کے دن جب ظہر کی نماز سے واپس ہوئے تو راستہ میں فرمایا کہ سینہ
کے اوپر کے حصے میں پھر آج کچھ درد محسوس ہو رہا ہے اس سے تین چار دن پہلے بھی اسی
طرح ایک درد محسوس ہوا تھا جو مالش اور سینک سے دو تین گھنٹہ میں جاتا رہا تھا۔ گھر
پہونچکر مالش اور سینک ہوئی مگر عصر کے وقت معلوم ہوا کہ درد تو کم ہے لیکن ضعف
بہت ہے کہ حرم شریف جانے کی ہمت نہیں ہے چنانچہ عصر کی نماز مکان پر مولوی سید احمد
صاحب کی اقتداء میں پڑھی اور باوجود ضعف کے کھڑے ہوکر پڑھی۔ پھر ضعف اور
بڑھا کر بدن میں بجائے حرارت کے خنکی اور پسینہ تھا۔ مغرب کی نماز کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکے
بیٹھ کر پڑھی بلکہ مولوی سید احمد صاحب سے فرمایا کہ مختصر اور جلدی پڑھائیں۔ عشاء کی
نماز کے لئے نیچے اترنا بھی دشوار ہوگیا اور پلنگ ہی پر بیٹھ کر پڑھی۔ کرب و بےچینی کے
ساتھ ساتھ ضعف بھی بڑھتا رہا اور تمام رات کلمہ واستغفار اور درود ورد زبان رہا۔
مطلق نیند نہیں آئی۔ صباح سہ شنبہ نمودار ہوئی تو نماز فجر بھی پلنگ پر بیٹھ کر ادا فرمائی مگر
پسینہ اور برد اطراف بڑھتا جارہا تھا اور وقت پکار رہا تھا کہ یہ صبح ہوش وحواس کی

آخری صبح ہے۔ دن میں دوا دارو کا خدام کو اہتمام رہا مگر نہ پیشاب ہوا اور نہ کوئی دوا ہضم
ہوئی۔ ظہر کے وقت اتنا ضعف ہو گیا کہ وضو بھی کرنے کی طاقت نہ رہی اور تیمم فرما کر پلنگ
پر بحالت قعود نماز پڑھی اور اس کے بعد حرکت و سکون بتکلف اور دوسرے کا محتاج
ہو گیا۔ عصر کے وقت ہوش و حواس میں اختلال شروع ہو گیا اور امام کی آواز پر خود رکوع
نہیں کیا بلکہ جب حاجی مقبول صاحب نے رکوع کا لفظ کہکر اشارہ کیا تو رکوع کیا اور جب سجدہ کو
کہا تو سجدہ کر لیا۔ اس طرح چار رکعات بمشکل پوری کرا کے آپ کو لٹا دیا گیا اور اس کے
بعد سکوت بڑھتا گیا کہ اس سے پہلے بات کا سمجھنا اور جواب دینا یا از خود کوئی بات فرمانا
برابر جاری تھا۔ مغرب کے وقت مولانا سید احمد صاحب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو
بالکل غفلت تھی کہ نماز کے واسطے پکار کر اطلاع کی۔ مگر کچھ جواب نہ ملا اور نہ اٹھنے کی
طاقت محسوس ہوئی۔ خدام نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی۔ مگر انتظار رہا کہ کچھ التفات یا
افاقہ ہو تو نماز کے لئے عرض کیا جائے گا لیکن بالکل دنیا سے قطع تعلق ہو چکا تھا۔ اور
سوائے پاس انفاس کے نہ کوئی حرکت تھی اور نہ کسی بات کا جواب نہ سوال۔ شب میں
ایک دو مرتبہ ماء زمزم ڈالا گیا تو اس کے حلق سے اترنے میں بھی تکلف ہوا۔ لہٰذا وہ بھی
ترک کر دیا گیا۔ پورے چوبیس گھنٹہ اس عالم خموشی میں گذار کر یوم چہار شنبہ کہ عرب میں
۱۲ اور ہندوستان میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ تھی منزل مقصود پر پہونچ لئے کہ باواز
بلند اللہ اللہ کہنا شروع کیا اور دفعۃً آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گئے۔ ہر چند کہ وقت
تنگ تھا مگر غیب سے عجلت کے سامان مہیا ہو گئے۔ غسل کا انتظام ہوا۔ سید احمد تواب
صاحب مزوّر نے نہلایا۔ ابو السعود نے پانی دیا۔ مولوی سید احمد، مولوی عبد الکریم نے
مدد پہنچائی۔ جلد جلد جنازہ تیار ہوا۔ اور آستانۂ محمدیہ پر باب جبرئیل کے باہر صلوٰۃ جنازہ
کی جگہ لا رکھا گیا۔ صلوٰۃ مغرب سے فراغ کے بعد مدرسہ شرعیہ مدینہ کے صدر مولانا شیخ
طیب نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع کو لے چلے بایں ضیق وقت کہ اطلاع کا موقع ہی نہ
ملا۔ جنازہ کے ساتھ اتنا ازدحام تھا کہ بہتیروں کو باوجود کوشش کے کندھا دینا نصیب
نہ ہوا۔ اور سریر کو صرف ہاتھ لگا دینا ہی غنیمت معلوم ہوا۔ ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو ٭ تو کجا بہر تماشا می روی

آخر آپ کا جسد انور جو آتش محبت میں گھل گھل کر مغز استخوان رہ گیا تھا قبل از
بیت کے متصل عشاء سے قبل آغوش لحد کی سپرد کر دیا گیا۔ اور وہ شب شب عروس
قرار پائی کہ دیرینہ مراد جو صدہا مرتبہ آپ کی زبان اور قلم سے نکلی تھی کہ کاش میری مٹی
بقیع کی خاک پاک میں مل جائے الحمد للہ کہ پوری ہو گئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ للہ ما اخذ و
لہ ما اعطی کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ مرض کے پہلے ہی دن
آپ نے فرمایا تھا میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک مکان میں ہوں کہ جس کے نیچے
تہ خانہ ہے اور چھت اس کی تختوں سے پٹی ہے۔ اس میں سے دو تختے نیچے کو جھکے
ہیں اور نکل گئے ہیں۔ بس میں بہت سہولت سے اس تہ خانہ میں اتر رہا ہوں وہاں
پہونچکر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بہت بڑا اور اچھا چونا قلعی کیا ہوا روشن مکان ہے اور
اس میں ایک طرف دروازہ ہے جس سے روشنی وغیرہ آتی ہے لیکن لوٹنے کا ارادہ انہی
تختوں کی طرف سے جدھر سے آیا ہوں کر رہا ہوں۔ اتنا کہنے کے بعد فرمایا اس کے بعد
میرا خیال دوسری طرف چلا گیا اور پھر آنکھ کھل گئی اور اس کے بعد خود ہی تعبیر بتلائی کہ
وقت تو جب کبھی ہو مگر یہ میرے لئے بشارت ہے کہ انشاء اللہ قبر میں سہولت ہو گی
اور وہ دروازہ دروازہ جنت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے مولوی
سید احمد صاحب خواب اور تعبیر سن کر جب باہر چلے گئے تو آپ نے اہلیہ کو پاس بلایا اور
التجا کے درجہ میں یہ الفاظ فرمائے کہ جو کچھ تمہارے حقوق میرے ذمہ ہوں یا میں نے تم
کو برا بھلا کہا ہو وہ سب اللہ واسطے معاف کر دو۔ اس کے بعد ان کے بھائی حاجی
مقبول احمد سے کہ مدت سے حضرت کے پاس رہتے تھے فرمایا کہ میں تم پر بہت مرتبہ
خفا ہوا ہوں اور اکثر برا بھلا کہا ہے تم بھی معاف کر دو۔ (تذکرۃ الخلیل)

جس خواب کو مولانا عاشق الٰہی صاحب نے تحریر فرمایا ہے اس میں یا تو کوئی
اختصار ہوا یا ممکن ہے کہ اس ناکارہ کی وہاں سے واپسی کے بعد کوئی دوسرا خواب
ہوا اور یہی اقرب ہے ورنہ اس ناکارہ کی موجودگی میں بھی حضرت قدس سرہ نے اسی قسم کا

ایک خواب دیکھا تھا۔ اس میں تختہ ہٹ جانے کے بعد ارشاد فرمایا تھا کہ میں عدن پہنچ گیا اس کے بعد شیخ رشید احمد صاحب آگئے اس ناکارہ سے فرمایا کہ اس کی تعبیر دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں کیا عرض کروں تو حضرت قدس سرہ نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ انشاء اللہ جنّتُ عدنٍ کی بشارت ہے۔ اس کے بعد اس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ شیخ رشید احمد کی آمد سے مراد حضرت کے شیخ قطب عالم گنگوہیؒ تشریف لائے ہوں کہ آدمی کے مرنے کے بعد ارواح کی ملاقات وارد ہے اللہ جل شانہٗ اپنے فضل وکرم سے ان اکابر کے فیوض وبرکات کا کوئی جرعہ اس نابکار کو بھی عطاء فرمادے تو اس کے کرم سے بعید نہیں فانہ جواد کریم بر رؤف رحیم۔

تبویبُ الحکم

جس کا ترجمہ اتمام النعم ہے حضرت مولانا شیخ علی متقی برہان پوری کی تصنیف ہے جو شیخ المشائخ قطب عالم شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری کی کتاب الحکم کی تبویب ہے۔ الحکم علم تصوف کا مشہور رسالہ ہے جو اسرار ورموز تصوف میں بے نظیر ہے۔ لیکن اس میں مضامین مبوب اور علیحدہ علیحدہ ابواب کے ساتھ نہیں تھے۔ اس لئے علامہ علی متقی نے اسکو باب باب علیحدہ علیحدہ ترتیب دیا۔ اور ساری کتاب کو تیس بابوں پر منقسم فرمایا۔

مصنف الحکم اور مصنف تبویب الحکم کے مختصر حالات مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی ناظم مدرسہ حیاۃ العلوم مرادآباد نے کچھ تفصیل سے لکھے تھے جو اکمال الشیم کے بعض نسخوں کے شروع میں طبع شدہ ہیں اس لئے کچھ ان کی تحریر سے اور اس کے علاوہ کچھ دوسری کتابوں سے ان دونوں بزرگوں کے حالات لکھتا ہوں۔

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری مصنف الحکم

کا نام احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاء اللہ اسکندری ہے اور تاج الدین لقب شاذلی مشرب اور مالکی مسلک۔ ابو الفضل کنیت۔ اور شیخ تقی سبکی کے شاگرد ہیں۔ نیز

آپ کے اساتذہ میں شیخ ابو العباس مرسی بھی ہیں جو شیخ الطائفہ شاہ ابوالحسن شاذلی کے خاص شاگرد تھے۔ جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ حضرت شاہ ابوالحسن شاذلی کے علوم کے تنہا وارث تھے۔ شیخ ابن عطاء اللہ اپنے زمانہ کے بڑے زاہدین اور صاحب مرتبہ لوگوں میں تھے۔ آپ کا کلام نفوس میں حلاوت پیدا کرتا تھا۔ آپ نے ۷۰۹ھ میں مقام قرافہ قاہرہ کے متصل اس دار فانی سے دار البقاء کو کوچ فرمایا (طبقات شعرانی) آپ کی تصانیف میں سے التنویر فی اثبات التقدیر اور الحکم العطائیہ اور لطائف المنن بڑی جلیل القدر کتابیں ہیں۔ حضرت شیخ نے کتاب الحکم العطائیہ کو جب تالیف فرمایا تو اپنے استاذ شیخ ابو العباس مرسی کو دکھلایا۔ شیخ نے اس کو غور سے دیکھکر فرمایا لَقَدْ اَتَیْتَ یَا بُنَیَّ فِی هٰذِهِ الْکُرَّاسَةِ بِمَقَاصِدِ الْاِحْیَاءِ وَزِیَادَةٍ۔ کہ بیٹا تو نے اس رسالہ میں دوستوں کے تمام مقاصد بھی پورے کر دیئے اور راسپر اضافہ بھی۔ یہ کتاب بہت زیادہ مقبول خواص تھی اسی لئے اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں شیخ زروق نے اس کی تین شرحیں لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ غیث المواہب شیخ محمد ابن ابراہیم نے اور التنبیہ ان کے صاحبزادے علی بن محمد بن ابراہیم نے لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی متعدد شروح لکھی گئی ہیں جن کو صاحب کشف الظنون وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ نیز مولانا حیات صاحب نے شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی کی کتاب جامع کرامات اولیاء سے دو کرامتیں بھی درج کی ہیں جو انھوں نے شیخ عبد الرؤف مناوی مصری شارح الحکم کے حوالہ سے لکھی ہیں۔

۱۔ علامہ کمال ابن الہمام صاحب فتح القدیر رحمۃ اللہ علیہ جب شیخ ابن عطاء اسکندری کی قبر پر زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور سورۂ ہود پڑھتے ہوئے اس آیت پر پہونچے فمنہم شقی وسعید (یعنی ان میں سے بعض لوگ بدبخت ہیں اور بعض نیک بخت) تو شیخ نے قبر میں سے آواز سے فرمایا یا کمال لیس فینا شقی (ارے کمال ہم میں کوئی بدبخت نہیں) اسی وجہ سے علامہ ابن الہمام نے مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے شیخ کی قبر کے قریب دفن کیا جائے۔ شیخ ابن الہمام حنفی امام فقہ و حدیث تو تھے ہی کشف و کرامات میں بھی اللہ

جل شانہ نے ان کو بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ ۷ رمضان المبارک ۸۶۱ھ میں جمعہ کے دن انتقال فرمایا نور خدا تاریخ وفات ہے بعض علماء نے ان کو ابدال میں شمار کیا ہے۔ علامہ سیوطی بغیۃ الوعاۃ میں لکھتے ہیں کہ بڑے مناظر تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں معقولات میں کسی کا مقلد نہیں ہوں۔

۲۔ حضرت شیخ کے تلامذہ میں سے کوئی صاحب حج کے لئے گئے اور حج میں شیخ کو مطاف۔ مقام ابراہیم وغیرہ مقامات پر دیکھا حالانکہ وہ شیخ کو جاتے وقت اپنے مقام پر چھوڑ کر گئے تھے۔ واپسی پر انھوں نے لوگوں سے دریافت کیا کیا شیخ بھی میرے بعد حج کو گئے تھے۔ لوگوں نے انکار کیا۔ جب شیخ کی زیارت کے واسطے حاضر ہوئے تو حضرت شیخ سے ان کی متعدد ملاقات کا بھی ذکر کیا۔ حضرت شیخ یہ سنکر مسکرائے۔ اس نوع کے متعدد واقعات دوسرے اکابر کے یہ ناکارہ اپنے رسالہ فضائل حج میں بھی لکھ چکا ہے۔

مولانا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ مؤلف کتاب تبویب الحکم

نزہۃ الخواطر میں شیخ کا نسب اس طرح لکھا ہے۔ الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث علی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خان المتقی الشاذلی المدینی الچشتی البرہان پوری۔ حضرت شیخ کے آباؤ اجداد اصل جونپور کے تھے۔ کسی وجہ سے مولانا کے والد حسام الدین اپنا آبائی وطن چھوڑ کر شہر برھان پور میں منتقل ہو گئے تھے۔ اسی شہر برھانپور میں مولانا علی متقی ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض کتابوں میں ۸۵۸ھ مذکور ہے وہ غلط ہے جیسا کہ لامع کے مقدمہ میں اس ناکارہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔ ۸ سال کی عمر میں ان کے والد نے شاہ باجن جن کا اصلی نام بہاؤ الدین چشتی تھا سے بیعت کرا دیا تھا۔ شاہ صاحب اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور ولی کامل تھے۔ مولانا علی متقی نے شاہ صاحب سے ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں۔ اور ۹۱۲ھ میں شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شاہ عبد الحکیم کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ اور عرصہ تک ان سے علوم ظاہریہ اور باطنیہ کی تکمیل کرتے رہے اور ان سے سلسلہ چشتیہ میں خلافت بھی حاصل کی۔ اس کے بعد

شہر ملتان چلے گئے اور وہاں شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں کچھ دنوں رہ کر استفادہ
حاصل کیا۔ سنہ ۹۵۲ھ میں بارادہ مکہ مکرمہ ملتان سے چل کر گجرات آئے کہ ہندوستانی
حجاج اس زمانہ میں گجرات ہی سے عرب کو جاتے تھے۔ اس وقت گجرات میں سلطان محمود ثالث
کی حکومت تھی۔ بادشاہ نے شیخ کی بہت خاطر تواضع کی۔ اور کئی مہینہ اپنا مہمان رکھا
اس کے بعد مولانا مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں شیخ ابوالحسن بکری المصری الشافعی
جن کی ولایت پر علماء کا اتفاق ہے اور شیخ محمد بن محمد سخاوی سے جو عرب میں بڑے عالم
تھے۔ حدیث و تصوف میں استفادہ کیا۔ اور قادری۔ شاذلی۔ مدنی طرق کی خلافتیں
بھی حاصل کیں اور علامہ سیوطی کی جمع الجوامع جو مسانید کے طرز پر حروف تہجی پر مرتب
تھی۔ چونکہ اس سے فائدہ اٹھانا مشکل تھا اس لئے شیخ علی متقی نے اس کو ابواب و
فصول پر مرتب کر کے کنز العمال کے نام سے موسوم کیا جو حدیث کی مشہور کتاب ہے
اور حیدر آباد میں طبع ہو کر مشہور عالم ہو گئی۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ اس کے علاوہ
اور بھی بہت سی تصانیف حضرت شیخ کی ہیں جن کو صاحب ابجد العلوم نے سو سے زائد
بتایا ہے۔ شیخ عبدالوہاب متقی جو شیخ علی متقی کے شاگرد رشید ہیں انھوں نے اپنے رسالہ
اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی المتقی میں بہت سے عجیب واقعات اور کرامات لکھی ہیں
منجملہ ان کے یہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ کی وفات کا زمانہ قریب تھا تو ایک شب شیخ پر
جذبات کا غلبہ تھا۔ شیخ عبدالوہاب کو بلا کر کہا کہ وہ شعر پڑھو۔ شیخ عبدالوہاب کہتے
ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ شیخ کا اشارہ اس شعر کی طرف ہے تو میں نے پڑھنا شروع کیا ؎
ہرگز نیاید در نظر صورت ز رویت خوب تر ؛ شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا .... پری
اس شعر کو سن کر شیخ کی حالت دگرگوں ہو گئی اور مجھے مکرر پڑھنے کا حکم دیا۔ میں
نے چند مرتبہ اس شعر کو پڑھا۔ اتنے میں خادم نے آکر عرض کیا کہ طعام حاضر ہے۔ آپ نے
فرمایا کہ اچھا۔ اس کا کچھ ندا بنا دو۔ کیونکہ آپ کی عادت تھی کہ تمام کھانوں کو اکٹھا
کر کے نوش فرمایا کرتے تھے پھر آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس طرح ملانا کہ تمام کھانے
ایک ہو جائیں اور دوئی کا نام نہ رہے جس طرح اس دوہرے میں کہا گیا ہے۔ ؎

سن سہیلی پرم کی باتا ؛ یوں مل رہے جوں دودھ نباتا۔

حضرت شیخ کے حالات میں کچونڈے کے متعلق جو لکھا ہے میرے والد صاحب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کا بھی یہی معمول تھا کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم مظاہر علوم اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدرس مدرسہ اور دیگر بعض مدرسین و طلبہ جو شرکا، دسترخوان تھے ان کا کھانا ان کے گھروں سے اور طلبہ کا مطبخ سے آجاتا تو سارے سالنوں کو ایک بڑے طشت میں ملا کر اور خلط کر کے سب اکٹھا کھاتے اور کبھی کبھی انہیں سالنوں میں روٹی بھی ملالی جاتی تھی اور گوشت پکوا کر اس کے شوربے میں یہ سب چیزیں خوب پکالی جاتی تھیں جس کو ثرید کہا جاتا تھا بہت مرغوب ہوتا تھا

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ تمام شب حضرت شیخ کی جذبی حالت ایسی ہی رہی۔ انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک شیخ عبدالوہاب کے زانو پر تھا اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے نوّے سال کی عمر میں ۲ رجمادی الاولی ۹۷۵ھ کو وصال فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اپنی کتاب زاد المتقین میں شیخ علی متقی کا بہت طویل تذکرہ پانچ بابوں میں لکھا ہے۔ مولانا حیات صاحب نے شیخ علی متقی کی بہت سی کرامات بھی لکھی ہیں۔ جن میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ کی وفات کے بارہ یا چودہ سال کے بعد آپ کے چچازاد بھائی کے صاحبزادے احمد کا انتقال ہوا تو یہ خواہش ہوئی کہ کسی بزرگ کی قبر میں دفن کیا جائے کہ مکہ کا دستور یہی ہے کہ جدید اموات کو قدیم قبروں ہی میں دفن کیا جاتا ہے اس لئے تجویز ہوا کہ مرحوم کو شیخ علی متقی کی قبر میں رکھا جائے۔ قبر مبارک کو کھود کر دیکھا کہ جسد مبارک مع کفن کے اسی طرح موجود ہے حالانکہ مکہ کی زمین کی خاصیت یہ ہے کہ میت کا جسم دو چار ہی دن میں خاک ہو جاتا ہے۔ ابجد العلوم میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ عرض کیا یا رسول اللہ اس زمانہ میں سب سے افضل کون ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے شیخ پھر محمد طاہر۔ نزہۃ الخواطر میں اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے بہت عجیب واقعہ لکھا ہے وہ النور السافر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شیخ علی متقی نے ۲۷ رمضان شب

جمعہ میں سید الکونین فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ عرض کیا یا رسول اللہ اس زمانہ میں سب سے افضل کون ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسکے بعد پھر کون۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا محمد بن طاہر سندی۔ اسی رات میں شیخ عبدالوہاب نے وہ خواب دیکھا تھا جو اوپر گذرا۔ صبح کو شیخ عبدالوہاب اپنے شیخ علی متقی کی خدمت میں اپنا خواب عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ بولیں شیخ نے فرمایا کہ میں نے بھی رات ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا تم نے دیکھا۔ صاحب نزہۃ نے شیخ علی متقی کے حالات بہت ہی بسط سے لکھے ہیں۔ مولانا حیات صاحب نے شیخ علی متقی کا ایک وصیت نامہ بھی لکھا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا وآلہ وصحبہ اجمعین ہذا ما اوصی بہ المفتقر الی اللہ علی بن حسام الدین الشہیر بالمتقی فی یوم خروجہ من الدنیا ودخولہ فی الآخرۃ ان ہذا الفقیر لما کان صغیراً جعلنی والدی رضی اللہ عنہ مرید الشیخ الاجل باجن قدس سرہٗ وکان طریقہ رحمہ اللہ طریق السماع والصفا والوجد والہیجان فلما وصلت الی سن التمیز بین الحق والباطل اخترتہ ورضیت بہ شیخاً عملاً بما قالوا ان المرید الصبی اذا جعل مرید الشیخ فہو بالخیار بعد البلوغ ان شاء جعلہ شیخاً وان شاء اتخذ لنفسہ شیخاً آخر فوافقت لوالدی فیما اختار لی فلما مات والدی والشیخ رضی اللہ عنہما لبست خرقۃ مشائخ چشت عن الشیخ عبدالحکیم بن الشیخ باجن قدس سرہٗ ثم اردت صحبۃ شیخ یرشدنی ویدلنی علی ما اہمنی من طریق الحق فقصدت بلاد ملتان وصحبت الشیخ العارف باللہ حسام الدین المتقی علیہ الرحمۃ والغفران مدۃ ثم سافرت الی الحرمین الشریفین وصحبت الشیخ العارف باللہ ابا الحسن البکری قدس اللہ سرہٗ واخذت الخرقۃ القادریۃ والشاذلیۃ والمدینۃ ولبست ہذا لخرق الثلث من الشیخ محمد بن محمد السخاوی قدس اللہ سرہٗ۔

ترجمہ:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور درود وسلام ہمارے سردار (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے تمام آل واصحاب

پر یہ وہ وصیت ہے جس کو اللہ کے محتاج علی بن حسام الدین جو متقی کے ساتھ مشہور ہے نے اس دن میں لکھی جو دنیا سے رخصت ہونے اور آخرت میں داخل ہونیکا دن تھا کہ یہ فقیر جب بچہ تھا تو مجھ کو میرے والد رحمۃ اللہ علیہ نے راضی ہو شیخ باجن قدس سرہٗ کا مرید بنا دیا تھا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ علو اور صفا اور وجد و ہیجان کا طریقہ تھا پھر جب میں سن تمیز کو پہونچا تو میں نے اپنے لئے انھیں کی ذات اقدس کو مشیخت کے لئے اختیار کیا اور ان کی مشیخت پر راضی رہا مشائخ کے اس مقولہ پر عمل کرتے ہوئے کہ بچہ جب کسی شیخ کا مرید بنا دیا جائے تو اس کو بلوغ کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اسی شخص کو شیخ بنائے رکھے جس سے بیعت ہو چکا ہے یا اپنے لئے کسی دوسرے شیخ کو اپنا شیخ تجویز کرے۔ پس میں نے انھیں کو شیخ اختیار کیا جن کو میرے والد نے میرے لئے شیخ بنایا تھا پھر جب میرے والد اور میرے شیخ اللہ ان دونوں سے راضی ہو دونوں کا انتقال ہو گیا تو میں نے مشائخ چشتیہ کا خرقہ خلافت شیخ باجن کے صاحبزادے شیخ عبدالحکیم قدس سرہ سے حاصل کیا۔ پھر میری خواہش ایسے شیخ کی صحبت کی ہوئی جو مجھے مہمات طریق کی طرف رہنمائی کرے تو میں نے ملتان کا ارادہ کیا اور عارف باللہ شیخ حسام الدین متقی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مدت تک رہا۔ اسکے بعد میں نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور عارف باللہ شیخ ابو الحسن بکری قدس اللہ سرہٗ کی صحبت اختیار کی اور ان سے خرقہ خلافت قادریہ شاذلیہ اور مدینیہ حاصل کیا اور یہی تینوں خرقے شیخ محمد بن محمد سخاوی قدس سرہٗ سے حاصل کئے۔

شیخ علی متقی کے شاگرد ویسے تو بہت کثرت سے ہیں ان میں سے چند کے حالات مولانا حیات صاحب نے لکھے ہیں۔

۱۔ شیخ عبدالوہاب متقی برہان پور میں پیدا ہوئے۔ اور صغر سنی ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تحصیل علوم کے لئے گجرات دکن وغیرہ شہروں میں گئے اور ۹۶۳ھ میں جب کہ ان کی عمر بیس سال کی تھی مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور وہاں شیخ علی متقی کی خدمت میں رہ کر کمالات ظاہریہ و باطنیہ حاصل کئے۔ اور شیخ نے

اپنے انتقال کے دن انکو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور شیخ کے انتقال کے بعد ۲۶ سال تک مکہ معظمہ میں
درس حدیث وفقہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی اور استاد کے حالات
میں اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی المتقی رسالہ لکھا۔ ہندوستان کے مشہور محدث حضرت
مولانا الشیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی انہیں کے شاگرد رشید ہیں۔

ع۲۔ ا۔ شیخ محمد طاہر پٹنی جنکا اصل نام محمد بن طاہر ہے جیسا کہ انھوں نے خود اپنی کتاب
تذکرۃ الموضوعات کے مقدمہ میں لکھا ہے لیکن گجرات میں عام طور سے باپ کے نام کو بیٹے کے
نام کا جزو بنا دیا جاتا ہے جیسا کہ وہاں کا عام دستور ہے انکا نسب صاحب نزہہ نے اس
طرح لکھا ہے الشیخ العالم الکبیر المحدث اللغوی العلامۃ مجدالدین محمد بن طاہر بن علی الحنفی
الفتنی الگجراتی جنکی ولادت پٹن میں ۹۱۳ھ میں ہوئی یہ قوم بوہرہ سے ہیں جو گجرات میں ایک
مشہور قوم ہے اور شیخ ملا علی حیدری کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی جنکی قبر گجرات کے ایک مشہور
مقام کھنبایت میں ہے۔ صاحب نزہۃ الخواطر متوفی ۱۳۴۱ھ اپنے زمانہ کے اعتبار سے اس
قوم کے اسلام کو تقریباً سات سو برس پہلے بتاتے ہیں۔ شیخ محمد بن طاہر کے زمانہ میں محمد جونپوری
کے عقائد ہندوستان میں بہت پھیل رہے تھے اور بوہرہ قوم انکی پیروی کر رہی تھی یہ شخص
اپنے آپکو مہدی بتاتا تھا اسی لئے اسکی جماعت فرقہ مہدویہ کہلاتی ہے شیخ محمد طاہر جب مکہ سے
گجرات واپس آئے اور اپنی قوم کی یہ حالت دیکھی تو شیخ نے اپنے سر سے عمامہ اتار کر یہ عہد
کیا کہ جبتک اس بدعت کا استیصال نہ ہوگا عمامہ نہ باندھونگا ۹۸۰ھ میں شاہ اکبر نے
گجرات فتح کیا اور پٹن میں شیخ محمد طاہر سے ملاقات کی تو اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھ کر یہ
عہد کیا کہ اس بدعت کا ازالہ آپکے ارادہ کے موافق میرے ذمہ ہے اور بادشاہ نے خان اعظم
مرزا عزیز کو گجرات کا حاکم بنا کر اس بدعت کے ازالہ میں شیخ کی تعمیل حکم کا حکم دیا۔ اس نے
بہت اہتمام سے شیخ کی مدد کی ۹۸۵ھ میں انکے بجائے عبدالرحیم خان خاناں حاکم مقرر ہو گیا
یہ شخص شیعہ تھا اسنے فرقہ مہدویہ کی مدد کی۔ شیخ اسکی شکایت کیلئے اکبری دربار میں اکبر آباد
جا رہے تھے کہ اجین کے قریب محمد جونپوری کے مریدوں نے شیخ کو ۹۸۶ھ میں شہید کر دیا اور
آپکی نعش کو پٹن منتقل کیا گیا۔ آپکی تصانیف میں مجمع البحار لغت حدیث میں مشہور و معروف

کتاب ہے۔ نیز المغنی فی ضبط اسماء الرجال اور قانون الموضوعات اور تذکرۃ الموضوعات مشہور کتابیں ہیں۔ انکے متعلق یہ تنبیہ بھی ضروری ہے کہ یہ حنفی المذہب ہیں چنانچہ اپنی دونوں کتابوں تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات میں اسکی تصریح کی ہے قانون الموضوعات کی عبارت یہ ہے کہ اما بعد فیقول احقر عباد اللہ الغنی محمد بن طاہر بن علی الہندی الفتنی صنفاً ونسباً البہرۃ شعباً ای التاجر والحنفی مذہباً۔ اسی نوع کی عبارت تذکرۃ الموضوعات میں بھی ہے اسلئے جن لوگوں نے انکو شافعی لکھدیا ہے وہ غلط ہے۔

۳ - شاہ محمد بن فضل اللہ برہانپوری صدیقی ابتداء میں شیخ صفی گجراتی کے مرید ہوئے اسکے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور تقریباً بارہ سال تک مولانا علی متقی کی خدمت میں علوم ظاہریہ و باطنیہ کی تکمیل کی۔ مکہ سے واپسی پر بھی سلسلۂ درس و تدریس جاری رہا اور سنہ ۱۰۲۹ھ میں برہانپور ہی میں انتقال فرمایا۔

۴ - شیخ شہاب الدین ابن حجر مکی۔ عرب کے مشاہیر علماء میں سے تھے بہت سی مشہور کتابوں کے مصنف ہیں۔ خیرات الحسان فی مناقب النعمان، فتاوی الکبری، شرح شمائل ترمذی، شرح مشکوٰۃ، الزواجر عن اقتراف الکبائر کہتے ہیں کہ کبائر کے بارے میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی اسی طرح رد روافض میں الصواعق المحرقہ معروف کتاب ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف ابجد العلوم وغیرہ میں لکھی ہیں۔ ابتداء میں مولانا علی متقی کے استاذ تھے بعد میں انکی شاگردی اختیار کی اور انسے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا۔ انکا اصل نام اور نسب احمد بن محمد بن علی بن حجر ہے فقہ و حدیث دونوں کے امام تھے انکی ولادت ماہ رجب سنہ ۹۰۹ھ میں ہے انکے والد کا انکے بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا۔ ابتدائی کتب مشائخ عصر سے پڑھتے رہے اور سنہ ۹۲۴ھ میں جامع ازہر میں داخل ہوئے اور وہاں مصر کے مشہور مشائخ سے علم حاصل کرتے رہے اور سنہ ۹۳۳ھ کے آخر میں مکہ مکرمہ میں منتقل ہوگئے اور وہاں افتاء اور تدریس وغیرہ کا مشغلہ رہا اور وہیں انتقال فرمایا۔ اسی دوران میں ایک دو مرتبہ مصر تشریف لائے انکی تصانیف میں فقہ شافعی میں تحفۃ المحتاج شرح منہاج النووی طویل شرح ہے اسکے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف فوائد بہیہ کے حاشیہ پر لکھی ہیں انکی وفات صاحب ابجد کے قول کے مطابق جو انھوں نے شیخ عبد الحق سے نقل کی ہیں سنہ ۹۷۵ھ ہے لیکن فوائد بہیہ کے حاشیہ پر ایک قول سنہ ۹۹۵ھ

چونکہ تبویب الحکم کے مقدمہ کا ترجمہ جو اتمام النعم کے شروع میں ہے اکمال الشیم میں نہیں آیا تھا اسلئے اس جگہ نقل کرتا ہوں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط تمام تعریفیں اس خداوند ملہم کیلئے شایاں ہیں جو اپنے خواص عباد کیلئے معانی اور نکات کے چہروں سے نقاب کا پردہ اٹھانیوالا ہے اور درود وسلام ہمارے سردار پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو جو چیدہ و برگزیدہ اس جماعت کے ہیں جن کو حکمت و نبوت اور دلوں کی کلام عطا ہوئے اور انکے آل و اصحاب پر جو فہم نکات اور اسرار کی زمینوں کے

اطراف کیلئے مرکز اور مرجع ہیں۔ اما بعد کہتا ہوں بندۂ حقیر ذات بے نیاز کے لطف کا محتاج علی بن حسام الدین
جو متقی ہندی کے لقب کیساتھ مشہور ہے غفر اللہ ولوالدیہ وللمؤمنین والمؤمنات۔ جب میں نے کتاب
حکم کو جو امام محقق عارف صاحب کشف ولی ابو الفضل تاج الدین احمد بن عبد الکریم بن عطاء اسکندری کی
تصنیف ہے دیکھا اور علم صوفیہ کے بیان میں جسقدر کتابیں تھیں اسکو سب میں عمدہ پایا اور اگرچہ حضرات
متقدمین صوفیہ اسکی شرح کے درپے ہوئے پر جہاں تک میرا علم ہے ان مختلف اور متفرق حکمت آمیز فقروں کو ابواب
کے طور پر جمع و فراہم کرنے کیلئے کوئی متعرض نہیں ہوا۔ اسلئے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں ابواب ذکرا ہم
مقرر کر دوں اور ہر ایک حکمت آمیز فقرہ کو اسکے مناسب باب کے ذیل میں درج کر دوں تاکہ الفاظ و معانی کا یاد
کرنا بھی کسی قدر سہل ہو جائے اور یہ تبویب بمنزلہ مختصر شرح کے ہو اور میں اسکو "النہج الاتم فی تبویب الحکم" کے
نام کیساتھ موسوم کرتا ہوں۔ اسکے تیس باب مقرر کرتا ہوں۔

یہ سب اس ناکارہ کی طرف سے تمہید تھی اب اصل کتاب اکمال الشیم بنام خدا شروع ہوتی ہے فقط

زکریا عفی عنہ کاندھلوی
جمعہ ۴ جمادی الاولی ۳۸ھ

عرض ضروری از شارح عفی عنہ

بعد الحمد والصلوٰۃ گزارش ہے کہ یہ نااہل و ناکارہ اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم کی شرح لکھنے کی بالکل استعداد نہیں رکھتا ایسے مضامین کی شرح لکھنا ان حضرات کا کام ہے جو اس فن سے واقفیت رکھتے ہوں اس ناکارہ نے اپنے مولنا و مرشد و سیلہ یومی و غدی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہ العالی کا امتثال کیا ہے اور شروح کی مدد سے اتنا سیدھا جو سمجھ میں آیا لکھدیا۔ غالبًا بلکہ یقینًا اسمیں بہت غلطیاں ہونگی۔ اہل بصیرت جہاں غلطی پائیں اصلاح فرمالیں۔ اور عیب پوشی سے کام لیں۔ اور اگر حضرت مدظلہم العالی کی برکت سے کسی کو اس شرح سے کچھ نفع پہونچے تو دعاء خیر سے یاد فرمائیں۔

محمد عبد اللہ عفی عنہ - ۱۲ - ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۷ ہجری یوم چہارشنبہ

وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب

اکمال الشیم

شرح

اتمام النعم

ترجمہ

تبویب الحکم

از افاضات مولانا مولوی حافظ محمد عبد اللہ صاحب گنگوہی سلمہ

جسکو دوبارہ

مولوی عبد المجید بچھرایونی نے

جید برقی پریس واقع بلیماران دہلی میں چھپوایا

تمہید طبع ثالث اکمال الشیم

بعد حمد و صلوٰۃ کے احقر عبد المجید بچھراونی یکے از خدام بارگاہ تھانوی عرض کرتا ہے کہ اس لا جواب کتاب کی تعریف میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کی حاجت نہیں کہ یہ کتاب الحکم کی بے نظیر شرح ہے جس کے مصنف شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری ہیں جن کی جلالت عظمت پر حضرات صوفیہ کرام کا اتفاق ہے۔ اصل کتاب عربی میں تھی جس کی تبویب شیخ علی متقی مصنف کنز العمال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور حضرت اقدس قطب العارفین رئیس السالکین مقدام العلماء الراسخین مولانا الحافظ الحاج مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرہٗ نے اعلیٰ حضرت شیخ العرب والعجم قطب العالم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے ارشاد سے اردو میں ترجمہ فرمایا پھر مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد عبد اللہ صاحب گنگوہی نے اس کی مفصل شرح فرمائی اور حضرت اقدس حکیم الامۃ المحمدیہ مجدد الملۃ الاسلامیہ مولانا الشیخ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اس کو بے حد پسند فرما کر خانقاہ امدادیہ کے درس سلوک میں داخل فرمادیا اور سالکین کو بکثرت اس کے مطالعہ کا حکم فرماتے ہیں۔ علاوہ کتاب کے فی نفسہٖ مفید ہونے کے ایک خصوصیت اسمیں یہ ہے کہ گو اس کی شرح میں عربی سے مدد لی گئی ہے جس کو شارح نے دیباچہ میں ظاہر کیا ہے لیکن زیادہ تر امداد حضرت اقدس حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہم العالی کی تحقیقات تقریریہ و تحریریہ ہی سے لی گئی ہے جیسا کہ مراجعت ماخذ سے معلوم ہو سکتا ہے اور منتسبین حضرت حکیم الامت کے لئے اس کو داخل درس کرائے جانے کی بڑی وجہ یہی ہے اس بناء پر حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ کے افادات کے شائقین کو خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہونا چاہئیے تتمیم فائدہ کے لئے آخر میں حضرت حکیم الامۃ کے چند خاص افادات کا مجموعہ ملقب بہ السلسبیل لعابری السبیل بھی اضافہ کردیا گیا ہے جن میں تصوف کا نہایت جامع مانع خلاصہ اور نہایت ہی سہل طریق عمل ارشاد فرمایا گیا ہے جو قریب قریب تمام مطولات سے مغنی ہو گیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب اس وقت نایاب ہو گئی تھی اس لئے احقر نے اس کو سہ بارہ طبع کرایا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سالکین کے لئے مشعل راہ بنادے۔ اور احقر کو بھی اچھے ٹھکانے لگادے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تذکرہ مصنفِ کتاب و مبوِّب رحمۃ اللہ علیہما

مختصر حالات شیخ ابن عطاء اللہ سکندری مصنف الحکم

آپ کا نام احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاء اللہ اسکندری ہے اور تاج الدین لقب ہے شاذلی اور مالکی مسلک ہے۔ اور ابو الفضل کنیت ہے۔ اور شیخ تقی سبکی رح کے تلمیذ ہیں۔ شیخ یاقوت عرشی رضی اللہ عنہ اور شیخ ابو العباس مرسی انصاری رضی اللہ عنہ بھی آپ کے استاد ہیں۔ اور شیخ یاقوت رحمۃ اللہ علیہ اس لحاظ سے کہ آپ شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ کے بڑے شاگردوں میں ہیں شیخ اسکندری رح کے استاد بھائی بھی ہیں۔ اور شیخ یاقوت رح کو عرشی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قلب ہمیشہ عرش پر رہتا تھا۔ اور زمین پر صرف جسم ہی جسم تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ ملائکہ حاملین عرش کی اذان سن لیتے تھے اسلئے عرشی کے نام سے مشہور ہوئے

اور شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے اکابر عارفین میں سے تھے اور علامہ شیخ ابو الحسن شاذلی رح کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بارہ میں یہ جملہ مشہور ہے کہ لم یرث علم الشیخ الشاذلی رضی اللہ عنہ غیرہ یعنی شیخ ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا وارث سوائے شیخ ابو العباس رضی اللہ عنہ کے اور کوئی نہ ہوا +

شیخ احمد بن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے بڑے زاہدین اور صاحب مرتبہ
لوگوں میں سے تھے آپ کا کلام نفوس میں حلاوت پیدا کرتا تھا ۷۰۹ھ میں آپنے مقام قرافہ میں
قاہرہ کے متصل دار فانی سے دار باقی کو کوچ کیا۔ از طبقات الکبری صفحہ ۲ جزو دوم مصنفہ شیخ
عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی تصنیفات میں سے التنویر فی اثبات التقدیر۔ اور الحکم العطائیہ۔ اور لطائف المنن
بڑی جلیل القدر کتابیں ہیں شیخ اسکندری نے اول الذکر کو مکہ مکرمہ میں تالیف فرمایا۔ پھر دمشق میں
اُسپر نظر ثانی کرکے چند فوائد اُسپر اور زیادہ کئے اور فرمایا کہ مرید صادق جب اسکا مطالعہ کریگا۔ تو
اُسپر خوب روشن ہو جائیگا کہ جو شخص نجاست معاصی سے آلودہ ہو۔ وہ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس
مقدس بارگاہ میں حاضر ہو۔

شیخ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ جب اپنی دوسری کتاب الحکم العطائیہ کی تالیف سے فارغ ہوئے
تو اُسے اپنے اُستاد شیخ ابو العباس مرسی رضی اللہ عنہ کو دکھلایا۔ شیخ استاد نے اسمیں غور کرکے فرمایا لقد
اتیت یا بنی فی ھذہ الکراسۃ بمقاصد الاحیاء و زیادۃ۔ یعنی اے میرے عزیز بیٹے تونے
اس رسالہ میں تمام دوستوں کے مقاصد پورے کردئیے بلکہ اُن سے بھی زائد مضامین بیان کئے۔
اور چونکہ اس کتاب کے مطالب لوگوں کے قلوب میں رقت پیدا کرتے تھے اسلئے اس کو
ارباب ذوق اصحاب نے بہت ہی پسند کیا۔ اس کتاب کی بڑی بڑی شرحیں کی گئی ہیں چنانچہ
ان کے نام مع شارحین مندرجہ ذیل ہیں

(۱) **شرح شیخ زروق** رحمۃ اللہ۔ ان کا نام شہاب الدین احمد بن محمد برنسی ہے بعض کا قول ہے
زروق نے الحکم کی تین شرحیں لکھی ہیں ان سب میں صحیح تر وہ ہے جو خاص اپنے لئے لکھی ہے

(۲) **غیث المواہب العلیہ فی شرح الحکم العطائیہ** } علامہ محمد بن ابراہیم بن عباد النفری الرندی الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ
متوفی سنہ ۷۹۲ھ

(۳) **التنبیہ**۔ علامہ علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ صاحبزادہ علامہ محمد بن عباد نفری مذکور الصدر۔

(۴) شرح الحکم علامہ ابو الطیب ابراہیم بن محمود الاقصرائی المواہبی الشاذلی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ یہ شرح علامہ نے مکہ مکرمہ ۹۰۲ھ میں لکھی ہے۔

(۵) شرح الحکم۔ علامہ شیخ صفی الدین ابن المواہب رحمۃ اللہ علیہ علامہ کے شاگرد ابو الطیب مذکور الصدر کہتے ہیں کہ علامہ استاد صفی الدین نے اس شرح میں طوالت کر دی ہے۔

(۶) شرح الحکم۔ علامہ محمد بن ابراہیم حنبلی حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۷۱ھ میں لکھی۔

(۷) الدرر الجوہریۃ۔ علامہ محمد عبد الرؤف مناوی مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۸) شرح الحکم۔ علامہ شیخ عبد اللہ شرقادی متوفی ۱۲۲۷ھ نے ۱۲۰۹ھ میں لکھی جو مصر میں علامہ نفری کی شرح کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔

تیسری کتاب لطائف المنن شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ ابو العباس مرسی انصاری رضی اللہ عنہ اور اپنے استاذ الاستاذ شیخ ابو الحسن شاذلی رحمہما اللہ کے مناقب میں لکھی ہے جسکو انھوں نے ایک مقدمہ اور دس باب اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا ہے۔ از کشف الظنون مصنفہ علامہ کاتب چلپی صفحہ ۲۲۲ و صفحہ ۲۲۳ جزء اول۔

شیخ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات و خوارق میں سے دو واقعے جن کو شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رح نے اپنی کتاب جامع کرامات الاولیاء کے صفحہ ۱۳ پر شیخ عبد الرؤف مناوی مصری شارح الحکم کے حوالہ سے لکھا ہے۔ بہت مشہور اور حیرت انگیز ہیں وہ لکھتے ہیں کہ علامہ کمال ابن ہمام صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ شیخ اسکندری کی قبر شریف پر زیارت کے لئے گئے۔ اور سورہ ہود پڑھنی شروع کی جب اس آیت تک پہونچے فمنہم شقی وسعید (یعنی پس بعض ان لوگوں میں سے بدبخت ہیں اور بعض نیک بخت) تو شیخ قبر کے اندر ہی بلند آواز سے جواب دیتے ہیں کہ یا کمال لیس فینا شقی یعنی (اے کمال ہم میں کوئی بدبخت نہیں ہے۔) اسی لئے علامہ کمال ابن الہمام نے وقت انتقال وصیت کی کہ میں شیخ کی قبر کے متصل دفن کیا جاؤں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ شیخ کے تلامذہ میں سے کوئی صاحب حج کے لئے بیت اللہ گئے تو

شیخ کو انھوں نے مطاف میں پایا حالانکہ ان کو اپنے مقام پر چھوڑ گئے تھے۔ پھر آگے چلکر مقام ابراہیم میں دیکھا اسکے بعد پھر صفا مروہ کے درمیان دیکھا اس کے بعد عرفہ میں بھی دیکھا جب حج سے واپس آئے تو شاگرد نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا میرے بعد شیخ حج کو چلے گئے تھے لوگوں نے انکار کیا جب استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپنے دریافت کیا کہ سفر حج میں کن کن لوگوں کو دیکھا شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بھی دیکھا تھا شیخ مسکرا دیئے فقط غفر اللہ لنا ولجمیع عباد اللہ الصالحین بحرمۃ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ الطاہرین ومتبعی سنتہ اجمعین۔

مختصر حالات مولنا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ مولف کتاب تبویب الحکم

علی متقی مولانا کا لقب ہے۔ اور علاؤ الدین بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خان نام ہے مولنا کے آبا اجداد اصلی باشندے جونپور کے تھے کسی وجہ سے مولنا کے والد حسام الدین اپنا آبائی وطن چھوڑکر ممالک خاندیس کے ایک شہر برہانپور میں جسکو وہاں کے حاکم نصیر خاں نے ۸۰۰ھ میں دریائے تاپتی کے کنارے پر آباد کیا ہے سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

مولنا علی متقی ۸۸۵ھ میں بمقام برہان پور پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد نے شاہ باجن کا مرید کر دیا شاہ باجن کا اصلی نام بہاؤ الدین چشتی ہے آپ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور ولی کامل تھے۔ مولنا علی متقی نے شاہ صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھیں ۹۱۲ھ میں جب شاہ صاحب دار فانی سے عالم بقا کو سفر کر گئے تو ان کے فرزند (شاہ عبد الحکیم) کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ اور ان سے عرصہ دراز تک تصوف اور دیگر علوم سیکھتے رہے یہانتک کہ چشتیہ طریقہ میں خلافت بھی حاصل کی اسکے بعد شہر ملتان چلے گئے اور وہاں ایک بزرگ شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیضاوی شریف اور عین العلم وغیرہ کا مطالعہ کیا ۹۵۳ھ میں مکہ معظمہ کا ارادہ ہوا۔ اس زمانہ میں ہندوستان سے عرب کو جانے والے گجرات سے جایا کرتے تھے۔ شیخ متقی ملتان سے چلکر گجرات میں آئے اس وقت گجرات میں سلطان محمود ثالث کی حکومت تھی بادشاہ نے شیخ کی مناسب

خاطر تواضع کی اور کئی مہینے اپنے یہاں مہمان رکھا۔ اس کے بعد مولنا حجاز کی مقدس سرزمین میں چلے گئے۔ اور مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی۔

شیخ ابوالحسن بکری اور شیخ محمد بن محمد السخاوی جو عرب میں بڑے زبردست عالم گزرے ہیں۔ اُسوقت موجود تھے۔ مولنا نے حدیث و تصوف کے متعلق ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور قادری۔ شاذلی۔ مدنی طرق کی بھی خلافتیں حاصل کیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے جمع الجوامع کے نام سے ایک کتاب تالیف کی تھی جو تمام قولی فعلی احادیث پر حاوی تھی چونکہ سندوں کے اعتبار سے حروف تہجی پر مرتب تھی اس لئے عوام اُس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ شیخ علی متقی نے ۹۵۷ھ میں اس کتاب پر نظر ثانی کی اور اُسکو مضامین کے لحاظ سے ابواب و فصول پر ترتیب دے کر کنز العمال نام رکھا یہ کتاب تھوڑے ہی عرصہ میں مقبول اہل عرب و عجم ہوگئی۔ اور اصل کتاب جمع الجوامع کا صرف نام ہی نام رہگیا۔ اسی وجہ سے ابوالحسن بکری فرماتے ہیں (للسیوطی منۃ علی العلمین وللمتقی منۃ علیہ- یعنی سیوطی کا احسان تمام عالم پر ہے اور متقی کا احسان سیوطی پر۔ ۹۶۷ھ میں مولانا نے کنز العمال پر نظر ثانی کی اور مکرر و موضوع احادیث کو خارج کر کے ایک چھوٹی سی کتاب تالیف کی اور اُسکا نام منہج العمال رکھا ان کتابوں کے علاوہ شیخ کی عربی اور فارسی میں سو سے زیادہ تصانیف ہیں

شیخ عبدالوہاب متقی علامہ شیخ علی متقی کے شاگرد رشید نے اپنے رسالہ اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی متقی میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ شیخ کی وفات سے بہت پیشتر مکہ معظمہ میں آپ کی وفات کی افواہ اُڑ گئی۔ حالانکہ وہ اُسوقت خوب تندرست تھے۔ یہ سنکر وہاں کے کبار علما و صلحا اور علامہ کے دوست احباب اور مریدین گروہ کے گروہ جمع ہو گئے جب آپ کو انھوں نے زندہ اور تندرست پایا تو بہت حیران ہوئے۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا کہ اس فقیر کی مثال اس شخص کی سی ہے جسنے موت کا ذائقہ چکھ لیا اور آخرت کے احوال سے واقف ہوگیا۔ پھر اسنے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ اے باری تعالیٰ دوبارہ مجھکو دنیا میں بھیج۔ پس خدا تعالیٰ نے اُسکی درخواست قبول فرمائی اور

اُسکو پھر دنیا میں بھیجدیا۔

اُسی رسالہ میں یہ بھی لکھا ہو کہ علامہ شیخ کی وفات سے دو ماہ پہلے جنات کے دو گروہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جن میں سے ایک گروہ شیخ کا عقیدتمند تہا۔ اُس نے آپ سے فوائد کثیرہ اور بہت سی نصائح حاصل کیں۔ اور پائے مبارک کو بوسہ دیکر چلا گیا۔ دوسرا گروہ آپ کا منکر تھا اسی لئے کبھی وہ نصاریٰ کے لباس میں اور کبھی فساق و فجار کی شکل میں نظر آتا تھا اور بغیر کلام کئے واپس ہوجاتا تھا۔ شیخ نے اُن کی ہدایت کی غرض سو کچھ خطوط بھی لکھے ہیں جنکو یہاں بخوف طوالت درج نہیں کیا جاتا۔

اُسی رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب شیخ کا زمانہ وفات قریب ہوا تو ایک شب شیخ پر جذبات اور حالات طاری ہوئے اور اپنے تلمیذ شیخ عبدالوہاب کو بلاکر ارشاد فرمایا کہ وہ بیت پڑہ شیخ کہتے ہیں کہ میں اپنی دانائی سے سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ اس شعر کیجانب ہے تو میں نے پڑھنا شروع کیا

شعر

ہرگز نیاید در نظر صورت ز رویت خوبتر ✤ شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری

شعر سنکر شیخ کی حالت ہی دگرگوں ہوگئی اور بآواز بلند مجھکو مکرر پڑہنے کا حکم فرمایا میں نے چند مرتبہ اُسکو دُہرایا اتنے میں خادم نے آکر عرض کیا کہ طعام حاضر ہے آپنے جواب میں فرمایا کہ اچھا اُس کا کچھونا بناؤ۔ کیونکہ آپ کی عادت تھی کہ جبتک تمام کھانے کو لت پت نہ کر لیا جائے اسوقت تک نہیں کھلتے تھے۔ پھر آپنے خادم سے فرمایا کہ کسطرح خلط ملط کرے گا۔ کہانا آپسیں اسطرح ملادے کہ تمام کہانے ایک ہوجادیں اور دوئی کا نام نہ رہے جس طرح اس دوہرہ میں کہا ہے **دوہرہ**

سن سہیلی پریم کی باتا ✤ یوں مل رہتے جوں دودھ نباتا

شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں کہ تمام شب آپ کی جذبی حالت اور میری حاضرباشی میں گذری

شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ الشیخ فرماتے ہیں کہ سفر آخرت سے تھوڑی دیر پہلے شیخ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک فقیر کی انگشت شہادت اس طرح حرکت کرتی دیکھو جسطرح ذاکر حالت

ذکر میں حرکت کرتا ہے تو اُسوقت تک یہی سمجھو کہ روح نے ابھی تک قالب سے پرواز نہیں کیا ہے
یہانتک کہ جب وہ ساکن ہو جائے تو اُسوقت جانو کہ اب روح قالب کو ہمیشہ کے لئے وداع کہگئی
چنانچہ وقت نزاع اسی طرح دیکھا گیا کہ آپکے تمام جسم کی جان نکل چکی تھی اور کسی عضو میں کوئی اثر حیات
کا باقی نہ رہا تھا مگر وہ انگشت اسی کیفیت سے حرکت کر رہی تھی سر مبارک جناب کا شیخ عبدالوہاب کے
زانو پر تھا کہ تھوڑی دیر میں انگشت کو سکون ہو گیا اور خدا کا ذکر کرتے کرتے روح مقدس نوتّے سال
کی عمر میں ۲ جمادی الاولی ۹۷۵ھ میں اُسی بابرکت سرزمین مکہ میں اس مادی عالم کو خیرباد کہکر
رخصت ہو گئی۔ اور فردوس بریں کو اپنا آشیاں بنایا۔ شیخ نے بوقت وفات جو مختصر حالات
قلمبند کئے تھے۔ ہم یہاں وہ بالفاظہٖ نقل کرتے ہیں وہو ہذا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا وآلہ وصحبہ اجمعین۔ ھذا ما اوصی بہ المفتقر
الی اللہ علی بن حسام الدین الشہیر بالمتقی فی یوم خروجہ من الدنیا ودخولہ فی الآخرۃ
ان ھذا الفقیر لما کان صغیرا جعلنی والدی رضی اللہ عنہ مرید اللشیخ الاجل
باجن قدس سرہ وکان طریقہ رحمہ اللہ طریق السماع والصفا والوجد والھیجان
فلما وصلت الی سن التمیز بین الحق والباطل اخترتہ ورضیت بہ شیخا عملا بما
قالوا ان المرید الصبی اذا جعل مرید الشیخ فھو بالخیار بعد البلوغ ان شاء جعلہ
شیخا وان شاء اتخذ لنفسہ شیخا اخر فوافقت لوالدی فیما اختار لی فلما مات والدی
والشیخ رضی اللہ عنھما لبست خرقۃ مشائخ چشت عن الشیخ عبدالحکیم بن الشیخ باجن
قدس سرہ ثم اردت صحبۃ شیخ یرشدنی ویدلنی علی ما ھمنی من طریق الحق فقصدت
بلاد ملتان وصحبت الشیخ العارف باللہ حسام الدین المتقی علیہ الرحمۃ و
الغفران مدۃ ثم سافرت الی الحرمین الشریفین وصحبت الشیخ العارف باللہ
ابالحسن البکری قدس اللہ سرہ واخذت الخرقۃ القادریۃ والشاذلیۃ

المدينية ولبست هذه الخرق الثلث من الشيخ محمد بن محمد السخاوي قدس الله سره۔

شیخ صاحب تلامذہ کثیرہ ہیں جن میں بڑے بڑے عالم ہیں ہم انہیں سے اکثر بعض کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ

وجہ سے اپنے وطن کو چھوڑ کر برہان پور کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ شیخ عبدالوہاب برہان پور ہی میں پیدا ہوتے۔ ان کی صغرسنی میں والد کا انتقال ہو چکا تھا جب یہ بارہ سال کے ہوئے تو تحصیل علم کے لئے وطن سے نکلے گجرات اور دکن کے بڑے بڑے شہروں میں پھر کر علوم متداولہ میں مہارت حاصل کر لی سنہ ۹۶۳ھ میں جبکہ بیس سال کی عمر تھی مکہ معظمہ کو گئے اور وہاں مولنا علی متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر کمالات ظاہری و باطنی حاصل کئے وفات کے روز مولنا نے انہیں اپنا خلیفہ بنا دیا اسکے بعد تقریباً چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے۔ اور مولنا مرحوم کی طرح حدیث و فقہ کا سلسلہ درس جاری رکھا سنہ ۱۰۰۱ھ میں فوت ہوئے۔ اپنے اُستاد کے حالات میں انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام "اتحاف التقی فی فضل الشیخ المتقی" ہے۔ اور مشہور محدث شیخ عبدالحق دہلوی انہیں کے شاگرد ہیں۔

شیخ محمد بن طاہر پٹنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ان کا نام جمال الدین ہے اور قوم بواہیرے ہیں یہ ایک قوم ہے گجرات میں یہ لوگ ملا علی رح کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ بواہیر جمع ہے لفظ بوہرہ کی اور قاضی نور اللہ شوستری متوفی سنہ ۱۰۱۹ھ نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ لوگ باشندگان گجرات ہیں ان کے اسلاف ملا علی رح کے ہاتھ پر جو گجرات کے ایک قریہ (کنبایت) میں مدفون ہیں ایمان لائے جسکو تقریباً تین سو سال کا عرصہ ہوا ان میں کے اکثر لوگ سوداگر اور تجارت پیشہ ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو بوہرہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بوہار ہندی میں سوداگری اور تجارت کو کہتے ہیں۔

اس زمانہ میں ملا سید محمد جونپوری کے عقائد ہندوستان میں خوب پھیل چکے تھے اور بوہیر کے مذکورہ فرقہ نے اُن کی پیروی بھی قبول کرلی تھی۔ شیخ محمد طاہر جب مکہ سے گجرات واپس آئے۔ اور اپنی قوم کی یہ حالت دیکھی تو سر سے عمامہ اتار کر یہ عہد کیا کہ جب تک اس بدعت کا استیصال نہ ہو۔ عمامہ نہیں باندھوں گا سنہ ۹۸۰ھ میں اکبر شاہ نے گجرات فتح کیا اور پٹن میں شیخ سے ملاقات ہوئی تو اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھ کر کہا کہ اس بدعت کی مدافعت آپ کے ارادہ کے موافق میرے ذمہ ہے بادشاہ نے اپنی واپسی میں خان اعظم مرزا عزیز کوکہ ملقب بخان اعظم کو گجرات کی حکومت سپرد کی۔ بادشاہ کے حکم کے موافق مرزا عزیز اس بدعت کے زائل کرنے میں شیخ کی مدد کرتا رہا ۹۸۵ھ میں ان کی بجائے عبدالرحیم خانخاناں مقرر ہوا۔ یہ شخص شیعہ تھا اس نے فرقہ مہدویہ کو مدد دیکر ان لوگوں کی طرفداری کی اس پر شیخ نے گجرات چھوڑ دیا اور عمامہ پھر اُتار کر اکبر کے دربار میں شکایت کی غرض سے چلے اجین کے قریب پہنچے تھے کہ سنہ ۹۸۶ھ میں سید محمد کے پیروؤں نے شیخ کو شہید کردیا۔ آپ کی تصانیف کثیرہ میں سے مجمع البحار فی غریب الحدیث علم حدیث میں اور المغنی فن اسماء الرجال میں اور قانون الموضوعات احادیث ضعیفہ اور ان کے موجدوں کے بیان میں اور تذکرۃ الموضوعات احادیث موضوعہ کے بیان میں بہت نایاب ہیں جن کے مطالعہ سے فوائد جلیلہ حاصل ہوتے ہیں۔ سید محمد جون پوری اپنے آپ کو مہدی کہتا تھا سنہ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوا اور شہر قندھار کے قریب انتقال کیا۔

شاہ محمد بن فضل اللہ برہان پوری حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے احمد آباد ملک گجرات میں پیدا ہوئے ابتدائے جوانی میں شیخ صفی گجراتی کے مرید ہوئے اسکے بعد مکہ معظمہ چلے گئے۔ اور تقریباً بارہ سال تک رہکر مولنا علی متقی سے مختلف علوم پڑھے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی اس کے بعد گجرات میں واپس آکر شاہ وجیہہ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن سے بہت کچھ فوائد علمیہ حاصل کئے پھر درس و تدریس کرتے کرتے برہان پور ہی میں سنہ ۱۰۲۹ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ شہاب الدین ابن حجر المکی رحمۃ اللہ علیہ

حرم محترم کے مفتی تھے عرب کے مشاہیر علماء سے ہیں علوم دینیہ میں انھوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً صواعق محرقہ۔ الاعلام بقواطع الاسلام۔ خیرات الحسان فی مناقب النعمان۔ فتاوی الکبری وغیرہ۔ ابتدا میں مولنا علی متقی کے استاد تھے۔ بعد میں شاگردی اختیار کرلی۔ اور خرقہ خلافت بھی حاصل کیا۔

شیخ علی متقی کی کرامات وخوارق

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے استاد شیخ عبدالوہاب متقی سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کا حلال کسب کبھی ضایع نہیں جاتا۔ اگر کبھی حلال کسب کی کوئی شئ گم ہوجاتی ہی تو ضرور مالک کو ملجاتی ہے۔ چنانچہ اس بات پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھا کہ ناگاہ طوفان اٹھا اور اس میں کشتی ٹوٹ گئی میں اور میرے ساتھی ایک تختہ پر جو کشتی سے جدا ہوگیا تھا۔ بیٹھے رہگئے۔ کئی روز میں وہ تختہ ہمکو ایک کنارہ پر لے گیا میرے پاس کچھ کتابیں تھیں وہ تر ہوگئیں اور چونکہ ایسیں وزن زیادہ ہوگیا تھا تو یہ سمجھکر کہ پیادہ پا سفر جو ہم کو یہاں سے کرنا پڑے گا ان کتابوں کو لیجانا محال ہے میں نے عرب کی خشک زمین میں ان کو دفن کردیا۔ اور وہاں ایک علامت کرکے مکہ معظمہ کی راہ لی راستہ میں میرے ہمراہیوں کو پیاس لگی اور پانی کا وہاں نام نہیں تو انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ اللہ تعالےٰ سے پانی طلب کیجیئے میں نے کہا اچھا دعا کرتا ہوں تم سب آمین کہو۔ دعا کرتے ہی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔ سب لوگ سیراب ہوگئے اور مشکیزے بھر لئے جب ہم مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے تو ہمنے عمرہ ادا کیا اتنے ہی میں کیا دیکھتے ہیں کہ چند بدوی سر پر بوجھ رکھے ہمارے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ کچھ کتابیں ہیں اگر تم خریدنا چاہو میں نے کہا دکھاؤ۔ جب کھولکر دیکھا تو وہی کتابیں نکلیں جو وہاں دفن کی تھیں میں نے ان کو قیمت دیکر کتابیں لے لیں۔ شیخ کی وفات کے بارہ یا چودہ سال بعد جب آپکے چچازاد بھائی صاحبزادے احمد نے

دنیا سے کوچ کیا تو لوگوں نے حسب رسم کہ چاہا کہ مرحوم کو کسی کامل ولی کی قبر میں دفن کریں جیسا کہ امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کی قبر میں دفن کیا تھا چنانچہ یہ رائے قرار پائی کہ شیخ جونپوری کی قبر میں مدفون کریں۔ قبر مبارک کے کھولتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وجود مبارک مع کفن جسطرح دفن کرتے وقت تھا اسی طرح اب بھی خشک موجود ہے۔ حالانکہ زمین مکہ کی خاصیت ہے کہ میت کا جسم دو چار ہی دن میں خاک ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں میں شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں مکہ شریف حاضر تھا تو مجھے شیخ متقی کی قبر مبارک کی زیارت کا شوق تھا ایک روز حاضر ہو کر میں نے اپنا حال عرض کیا اور بشارت کی درخواست کی ایک شب کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ آپ بیت اللہ کے مقام حنفی میں تخت پر جلوہ افروز ہیں اور فقیر سامنے کھڑا ہے اور عرض کر رہا ہے کہ خادم آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں آگیا ہے حضور آن سے فقیر کی بابت سفارش فرما دیں کچھ نظر عنایت زیادہ ہو جائے اور یہ ہی میں نے قبر پر بھی عرض کیا تھا تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ خاطر جمع رکھو انشاء اللہ مقصود تمہارا حاصل ہو۔ متعنا اللہ بفیوض برکاتہم وغفر لہم ولجمیع عبادہ المؤمنین ؎

شجر سکتہ میں ہیں خاموش ہیں بلبل نشیمن میں ٭ سدا رہتا قافلہ پھولوں کا سناٹا ہے گلشن میں
کہاں تک روئیگا اور رونیوالے نام لے لیکر ٭ جواب آئے کہاں سے کون اب بیٹھا ہے مدفن میں

ماخوذ از مآثر الکرام وسبحۃ المرجان لآزاد البلگرامی واخبار الاخیار للشیخ الدہلوی وتعلیقات السنیۃ علی الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیۃ لمولانا عبدالحی اللکنوی واتحاف النبلاء للنواب صدیق حسن خان البوفالی رحمہم اللہ تعالی

کتبہ احقر الانام محمد حیات عفی عنہ سنبھلی ثم السہارنفوری

دیباچہ از شارح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ اما بعد

ایک زمانہ ہوا کہ حضرت اقدس مرشدی و مولائی حضرت مولانا الحاج الحافظ مولوی خلیل احمد صاحب مد ظلہم العالی نے بامر حضرت مرشدنا مولانا الشیخ الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ تبویب الحکم کا اردو ترجمہ تحریر فرمایا تھا جو اتمام النعم ترجمہ اردو تبویب الحکم کے نام سے شائع ہوا اور کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے چونکہ یہ ترجمہ اکثر مقامات سے عام فہم نہ تھا اسلئے حضرت مد ظلہم نے اس ناکارہ عاجز کو اردو میں اسکی شرح لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا امتثالاً للامر اس ناکارہ نے حکم ابن عطاء رحمۃ اللہ جو تبویب الحکم کی اصل ہی کی عربی شرح سے مدد لیکر جو کچھ فہم ناقص میں آیا لکھدیا اور اسکو اکمال الشیم شرح اتمام النعم ترجمہ اردو تبویب الحکم کے نام سے ملقب کرتا ہوں۔ ان اصیب فمن اللہ ثم من برکات مرشدی مد ظلہم وان اخطات فمن نفسی۔ اللہ تعالیٰ اسکو مقبول و نافع فرماوے امید کہ جو حضرات اسکو مطالعہ فرماویں اس عاجز کو اور حضرت مد فیوضہم اور اصل مصنف اور مبوب کے لئے دعائے خیر فرماویں۔ فقط

الراقم العبد الضعیف محمد عبد اللہ غفرلہ ولوالدیہ گنگوہی

مدرس مدرسہ عربیہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر

۲ صفر ۱۳۳۳ھ

اکمال الشیم شرح اتمام النعم

ترجمہ

تبویب الحکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب علم کے بیان میں

علم فائدہ بخش وہی ہے جس کی شعاعیں سینہ اور دل میں پھیل جائیں اور دل پر سے شکوک و اوہام کے پردے اٹھا دے۔

ف۔ علم فائدہ بخش اور نافع سے مراد حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے۔ اور نیز وہ علم ہے جس سے اس کی بندگی کی کیفیت معلوم ہو۔ اس علم کی مثال شمع یا چراغ کی سی ہے کہ جب وہ کسی بندہ کے دل میں ڈالا جاتا ہے تو اسکی شعاعوں اور انوار سے اس بندہ کا دل پر ہو جاتا ہے اور تمام شک اور وہم خواہ متعلق دین کے ہوں یا دنیا کے زائل ہو جاتے ہیں اور ہر امر میں یقین اور حقیقت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شہوت و کدورت کی تاریکی اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت علم جسکا نام ہے وہ یہی ہے اور جس علم کی یہ شان اور تاثیر نہ ہو وہ علم ہی نہیں وہ محض زبانی علم ہے۔

عمدہ علم وہ ہے جسکے ساتھ خوف خدا بھی ہو تو وہ ہی سب سے بہتر علم ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال ہو جب علم کیساتھ یہ صفت بھی ہو تو وہ ہی سب سے بہتر علم ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ایسے ہی علم والوں کی اپنے کلام پاک میں تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا یعنے اللہ سے اُسکے بندوں میں سے علما ہی ڈرتے ہیں پس جس علم کے

ساتھ خشیت یعنی خوف خدا نہ ہو وہ علم نہیں اور نہ ایسا شخص عالم حقانی ہے۔ پس علامت عالم کی خوف خدا ہے۔ اور خوف خدا کی علامت اتباع شریعت ہے اگر اتباع شریعت نہیں ہے تو سمجھ لو کہ خوف خدا بھی نہیں۔ اور جس علم کیساتھ دنیا کی رغبت ہو اور دنیا داروں کی خوشامد ہو اور دنیا کمانے ہی میں توجہ ہو اور تکبر اور بڑی بڑی تمنائیں اور آرزوئیں ہوں اور آخرت سے غفلت ہو ایسا علم علم نہیں اور ایسا عالم انبیاء کے وارثوں میں شمار نہیں ؛

علم کیساتھ اگر تجھکو خوف خدا بھی ہو تو وہ تجھکو فائدہ بخش ہے ورنہ وہ تیرے لئے ضرر رساں ہے۔

ف جس علم کے ساتھ خوف خدا ہو کہ جس کی حقیقت اوپر بیان ہو چکی ہے ایسا علم دنیا اور آخرت میں نفع مند ہے اور جس علم کیساتھ یہ صفت نہ ہو وہ دنیا و آخرت دونوں میں مضر ہے اور علماء حقانی و غیر حقانی میں یہی فرق ہے کہ علماء حقانی خوف خدا کی صفت لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور علماء دنیا خدا سے نڈر اور اپنے علم پر مغرور و متکبر ہوتے ہیں۔

دوسرا باب توبہ کے بیان میں

قلب کیونکر منور ہو سکتا ہے اور حال یہ ہے کہ اغیار موجودات کی صورتیں اسکے آئینہ میں منقش ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف کیونکر سیر کر سکتا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی شہوات نفسانیہ کی قید میں مقید ہو۔ بلکہ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں داخل ہونے کی کیونکر طمع کر سکتا ہے اور وہ اپنی غفلتوں کی ناپا کی سے پاک نہیں ہوا۔ بلکہ دقائق اسرار کے سمجھنے کی کیونکر توقع رکھتا ہے۔ اور وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ **ف** جبکہ دل کے آئینہ میں دنیا اور دنیا کی چیزیں مال۔ دولت۔ آبرو اولاد۔ جائداد۔ اور خیالات۔ اور بیہودہ آرزوئیں۔ اور باطل تمنائیں گھسی ہوئی ہوں تو ایسا دل کیسے روشن ہو سکتا ہے جب ان چیزوں کی تاریکی دل سے دور ہو اسوقت دل میں نور کا گذر ہو۔ اور جو دل خواہشات نفسانی کی زنجیر میں مقید ہو کہ شب و روز اسی خیال میں گذرتا ہو کہ یہ شئی کھاؤں اور فلاں لباس پہنوں اور فلاں عورت سے نکاح کروں اور فلاں چیز خریدوں ایسے دل والا خدا تعالیٰ کی طرف

کیسے چل سکتا ہے اسلئے کہ اسکے پاؤں میں تو ان خواہشوں کی بیڑیاں پڑی ہیں اور جس کے پاؤں میں بیڑیاں ہوں وہ کیسے چل سکتا ہے

اور جو دل غفلت کی ناپاکی سے پاک نہیں ہوا کہ ہر وقت اسکا غفلت میں گذرتا ہی اور آخرت کو بھولا ہوا ہی ایسا دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں کیسے داخل ہو سکتا ہے اور کیسے اس پاک درگاہ میں مقبول ہو سکتا ہی پس جیسے ناپاک آدمی مسجد میں نہیں آ سکتا ایسے ہی غفلت کی ناپاکی سے جو دل ابھی تک پاک نہیں ہوا وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں داخل نہیں ہو سکتا یعنی مقبول نہیں ہو سکتا اور جو دل ابھی تک اپنی ناز یبا حرکتوں اور لغویات اور باطل تمناؤں سے باز نہیں آیا اور برابر ان میں مشغول ہی خدا تعالیٰ کے اسرار اور باریکیاں سمجھنے کی وہ کیسے طمع کر سکتا ہی جب ان لغویات سے تائب ہو جاوے اسوقت اس میں قابلیت اسرار کے سمجھنے کی ہو سکتی ہی۔

اگر اسکے عدل و انصاف سے مڈبھیڑ ہو گئی تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں اور اگر اسکے فضل کا سامنا ہوا تو کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔ **ف** حق تعالیٰ کی صفت عدل و انصاف کا اگر عالم میں ظہور ہوا اور ہمارے ساتھ انصاف و عدل کا معاملہ ہو تو ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ بھی صغیرہ نہیں بلکہ سب کے سب کبیرہ گناہ اور قابل گرفت اور مواخذہ کے ہیں اسلئے کہ ایسے بڑے جلیل القدر کی کہ جس کی جلالت و عظمت کی کوئی انتہا نہیں اور ایسے بڑے محسن کی جس کے احسانات بیشمار ہیں ادنیٰ نافرمانی بھی اسدرجہ سخت ہی کہ ہلاک کر دینے کے لئے کافی ہے اور اگر اسکے فضل و کرم کی صفت ظاہر ہو اور ہمارے ساتھ فضل کا معاملہ ہو تو بڑے سے بڑا گناہ بھی ہمارا کبیرہ نہیں بلکہ سب صغائر بلکہ لاشئی محض ہیں اور معاف ہیں۔

جب تجھ سے کوئی گناہ صادر ہو جاوے تو تجھکو تیرے پروردگار کیساتھ حصول استقامت سے مایوس نہ کر دے کیونکہ شاید یہ آخری گناہ ہو جو تجھپر مقدر ہوا ہے۔ **ف** جب کوئی گناہ بشریت کی راہ سے تم سے ہو جائے تو اس گناہ کی وجہ سے دین پر پختگی اور قائم رہنے کی صفت اور اپنے رب کے ساتھ تعلق و امید کی خصلت میں ذرہ برابر فرق نہ آنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ اس گناہ کے صادر ہونے سے تم یہ سمجھنے لگو کہ بس جی ہم کو دین پر پختگی کا میسر ہونا محال ہی اور یہ سمجھکر اور گناہ پر دلیر ہو جاؤ۔ حالانکہ یہ گمان تمہارا بالکل

غلط ہی اسلئے کہ گناہ اد راہ بشریت صادر ہونا دین پر پختگی کے خلاف نہیں ہاں گناہ پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا اور دوسری مرتبہ اُسکے کرنیکا قصد کرنا پختگی کے خلاف ہی اور ممکن ہی کہ یہ گناہ جو تم سے صادر ہوا ہی اور جسکو تم غلطی سے استقامت کے خلاف سمجھ رہے ہو آخری گناہ ہو جو تمہاری تقدیر میں لکھا تہا اور اسکے بعد مالک حقیقی کی ایسی حست متوجہ ہو کہ پہر گناہ نہ ہو۔

طاعات وعبادات کے فوت ہو جانیپر غم نہ ہونا اور معاصی وسئیات کے واقع ہونیپر پشیمانی کا نہ ہونا موت قلب کی علامت ہی۔ **ف** جاننا چاہیئے کہ جیسے بدن کی زندگی کا دار مدار غذا پر ہی اسی طرح دل کی زندگی ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے اور جسطرح بدن کو اگر غذا نہ ملے تو مردہ ہو جاتا ہے اسی طرح دل میں اگر ایمان نہ ہو تو وہ دل مردہ ہی پس جس شخص کو طاعات وعبادات مثلاً نماز روزہ جماعت وغیرہا کے فوت ہو جانے پر غم اور افسوس نہ ہو۔ اور گناہوں کے ہو جانے پر ندامت نہ ہو تو یہ علامت ہی اسکی کہ اسکا دل مردہ ہو چکا ہی اور ایمان کے آثار اسمیں نہیں ہیں اور اگر طاعت وعبادت کرکے دل خوش ہو اور گناہ ہو جانے پر غم اور رنج وندامت طاری ہو تو یہ صفت اس بات کی علامت ہی کہ دل نور ایمان سے زندہ ہے۔

کوئی گناہ تیرے خیال میں اتنا بڑا نہ ہونا چاہیئے کہ تجھکو اللہ تعالیٰ شانہ کیساتھ حسن ظن سے روکدے اور اس کی رحمت وفضل سے مایوس کردے کیونکہ جسنے اپنے پروردگار کو پہچانا اُسنے بمقابلہ اسکے کرم کے اپنے گناہ کو صغیر اور حقیر جانا۔ **ف** گناہ کو اتنا بڑا عظیم الشان اپنے خیال میں نہ جاننا چاہیئے کہ جس سے رحمت اور فضل سے مایوسی ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ کیساتھ نیک گمان نہ رہے۔ اور یہ خیال پیدا ہو جاوے کہ میرا گناہ اتنا بڑا ہے کہ اب اس کی مغفرت نہ ہوگی اور اب میں اس گناہ سے اس درجہ میں پہونچ گیا کہ رحمت اور فضل کی مجھ میں قابلیت نہیں رہی اور ایسی مایوسی اور ناامیدی حق تعالیٰ کی صفات کے نہ پہچاننے سے ہوتی ہی اور جس نے اپنے پروردگار کو پہچانا اور اس کی صفات کو جانا تو وہ اس کی کرم اور عفو کی صفت کو بھی جانیگا تو حق تعالیٰ کی اس صفت کے مقابلہ میں اپنے گناہ کو حقیر وناشئ جانیگا۔ اور معافی اور مغفرت کی امید رکھے گا۔ ہاں گناہ دلمیں ایسا ہلکا بھی نہ ہونا چاہیئے کہ اس سے توبہ بھی نہ کرے اور نہ

اُسپر ندامت و پشیمانی ہو خلاصہ یہ ہے کہ نہ اسقدر اسکو بڑا جانے کہ جس سے مایوسی اور مغفرت
سے ناامیدی کا خیال پیدا ہو کہ یہ بھی کفر ہے اور نہ اتنا ہلکا ہو کہ توبہ اور ندامت بھی نہ ہو بلکہ امید مغفرت کے
ساتھ پشیمانی اور حزن ہو اور آئیندہ کے لئے عزم ہو کہ ایسا نہ کروں گا۔

تیسرا باب عمل کے اندر اخلاص ہونیکے بیان میں

بندہ کے اعمال صرف صورتیں بیجان ہیں اور اخلاص کا وجود ان کے لئے ارواح ہیں۔

ف ۔ بندہ جو اعمال نیک مثل نماز روزہ حج زکوٰۃ کے کرتا ہے بلا اخلاص کے انکی مثال ایسی ہی جیسے
کسی جاندار کی صورت ہو اور اُسمیں جان نہو۔ اور اخلاص یعنی عمل کو ریا اور نفسانی مزہ سے خالص کرنیکی
مثال روح اور جان کی سی ہے۔ اگر عمل کے اندر اخلاص کی صفت موجود ہے تو اس میں جان ہوگی اور وہ عمل
کارآمد ہوگا۔ اور اگر اخلاص نہو اور وہ عمل محض مخلوق کے دکھانے یا اپنے مزہ کیلئے کرتا ہے تو وہ عمل مثل
صورت بیجان کے ہوگا اور آخرت میں کچھ کام نہ آوے گا

اثناء سلوک میں وقت کشف معارف واسرار اور ظہور انوار کے سالک کی ہمت توقف کا ارادہ
نہیں کرتی ہے مگر حقیقۃ الامر اسکو پکار کر کہتی ہے کہ تیرا مطلوب آگے ہے اور جمال ظاہری مخلوقات ظاہر نہیں
ہوتا ہے۔ مگر ان کے حقائق چلا کر تجھکو کہتے کہ ہم آزمایش ہیں ہم میں مبتلا ہو کر کفران مت کیجو۔ **ف** اللہ
کے بندے جسوقت اللہ کا رستہ طے کرتے ہیں اور ذکر و فکر و مراقبہ میں مصروف ہوتے ہیں اور طرح طرح
کے اسرار اور معرفت الٰہی کے مزوں کا ان کے دلوں پر مینہ برستا ہے تو۔ مزے میں آکر ان کی ہمت اور قصد
اُسمیں لگجاتی ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ بس سلوک سے مقصود یہی مزہ اور اسرار ہیں حالانکہ مقصود اصلی یہ نہیں ہوتا
لیکن توفیق الٰہی رہبر اور مرشد کامل کا سایہ سر پر ہوتا ہے اسلئے حقیقت کار اور مقصود اصلی اسکو بزبان حال یہ کہتی ہے
یعنی دلمیں القا ہوتا ہے کہ تیرا مطلوب آگے ہے یہاں مت ٹھہر آگے بڑھ۔ یہ حالات جو پیش آرہے ہیں یہ بھی تیری
طرح مخلوق ہیں خالق نہیں۔ اور تیرا مقصود اصلی خالق تعالیٰ شانہ ہے اور نیز اسی طرح سالک کو دنیا کی چیزوں کا
حسن و جمال ظاہر و منکشف ہو کر اپنی طرف کھینچتا ہے اگر مقدر میں گمراہی لکھی ہے یا مرشد کامل نہیں ہے

تو ان ہی دنیا کی چیزوں میں سے کسی شی میں پھنس جاتا ہے اور اسی کو ذریعہ مقصود سمجھ لیتا ہے۔ اور اگر توفیق الٰہی دستگیر ہوتی ہے تو اس دنیائے فانی کی چیزوں کی حقیقت اسکو پیش نظر ہو جاتی ہے اور وہ اسکو چلا کر کہتی ہے کہ ہمکو خدا تعالیٰ نے تیری آزمائش کیواسطے پیدا کیا ہے ہم میں مشغول ہو کر اپنے مولیٰ تعالیٰ کی ناشکری نہ کر اور ہم سے آگے بڑھ —

ایک مخلوق سے دوسری مخلوق کیطرف چلنے کا قصد نہ کر کیونکہ اگر تو ایسا کریگا تو مثل چکی کے گدھے کے ہوگا کہ چکی میں چلتا ہے اور جو اس کے سیر کی ابتدا ہے وہی اسکے سیر کی انتہا ہے لیکن تو مخلوقات سے خالق کی طرف سیر کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور بیشک انتہائے (سلوک) تیرے پروردگار تک ہے

ف۔ طالب مولیٰ کا مقصود اصلی یہ ہے کہ ہر امر میں اسکی نظر اپنے مالک کی طرف ہو اور تمام عبادت اور ذکر و شغل کا حاصل یہی ہے کہ غیر اللہ سے نظر ہٹ جاوے اور دل حقتعالیٰ کی یاد میں مشغول ہو جاوے تو اگر کوئی دنیا دار دنیا کو چھوڑ کر عبادت اور ذکر و شغل میں لگے اور مقصود اسکا یہ ہو کہ لوگ مجھکو عابد زاہد بزرگ جاننے لگیں تو وہ ایک مخلوق کو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی طرف مشغول ہو گیا یعنی مال و دولت کو چھوڑا اور نام آوری در مخلوق کی نظروں میں شہرت کی طرف لگ گیا اور ظاہر ہے کہ اس شہرت و نام آوری کا حاصل صرف یہ ہے کہ مخلوق کا گمان اس کی طرف نیک ہو جاوے تو جسکی طرف وہ مشغول ہوا ہے یہ بھی ایک مخلوق ہے اور اگر ثواب یا مراتب عالیہ اور ذوق و مزہ کا حاصل ہونا اسکا مقصود ہے۔ تو گو یہ جائز ہے لیکن جو مولیٰ کا طالب ہے۔ اس کی شان کے خلاف ہے اور یہ بھی ایک مخلوق یعنی دنیا کو چھوڑ کر دوسری مخلوق یعنی ثواب و مراتب عالیہ کیطرف چل رہا ہے اس کی سیر بھی خالق کی طرف نہیں ہے جہاں سے چلا تھا وہاں ہی جا رہا ہے اسلئے کہ دنیا و ثواب اور مراتب عالیہ اور نام آوری یہ سب غیر خدا ہونے میں برابر ہیں اور ایسا سالک چکی کے گدھے کی مثل ہے کہ وہ زمین کے ایک گول دائرہ میں پھرتا ہے اور جہاں سے چلتا ہے اسی جگہ پھر لوٹ آتا ہے کوئی مسافت قطع نہیں کرتا ہے ایسے ہی یہ سالک ہے کہ ایک مخلوق کو چھوڑتا ہے دوسری مخلوق میں مشغول ہوتا ہے غرض مخلوق ہی کے دائرہ میں رہا خالق کے رستہ کو بالشت بھر بھی قطع نہ کیا پس سالک کو چاہیئے کہ تمام مخلوق کو چھوڑے خواہ وہ دنیا ہو یا ثواب ہو یا کوئی مرتبہ ہو اور سب کو ہیچ کر کے اپنے مولیٰ تک پہونچے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلاشک انتہا

تیرے پروردگار تک ہی پس اس آیت کے مضمون پر عمل کرے۔ اور منتہی اپنا اپنے مالک حقیقی کو جانے اور اسی حال میں رنگین ہو جاوے۔

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو دیکھ فرماتے ہیں جس کی ہجرت اللہ رسول کیطرف ہوگی تو اُسکی ہجرت واقعی اللہ و رسول کیطرف ہوگی۔ اور جسکی ہجرت متاع دنیا حاصل کرنیکے لئے ہوگی تو اسکی ہجرت واقعی اسی طرف ہوگی جسطرف اُسنے ہجرت کا ارادہ کیا ہی اگر تو صاحب عقل و فہم ہی تو حضرت کے اس جملہ (فہجرتہ الی ما ھاجر الیہ) کو تامل کی نظر سے بغور دیکھ

ف اس حدیث میں مضمون سابق کی دلیل ہی خلاصہ ارشاد کا یہ ہی کہ جس شخص نے ترک وطن خالص اللہ و رسول کیواسطے کیا اور کوئی دوسری شی اسکا مقصود نہیں ہی تو یہ اسکی ہجرت و عمل معتبر ہی اور جس نے دنیا کا مال یا کسی عورت کے لیے ہجرت اختیار کی۔ تو اس کی ہجرت اسی طرف ہی جو اسکا مقصود ہی آخرت کا کوئی حصہ اسکو نہ ملیگا ایسے ہی اگر کسی کا مقصود اگر ذکر و شغل نماز روزہ سے دل کی حلاوت اور مزہ یا نام آوری و شہرت ہی تو بس یہی اسکا منتہی ہی خدا تعالی کا قرب اس کو نصیب نہ ہوگا اور اگر سارے مزوں اور ثواب وغیرہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالی کی رضا اس کا مطمح نظر ہے تو اُسکو اسکا یہ مقصود حاصل ہوگا۔

کوئی عمل بارگاہ خداوندی میں اُس عمل سے زیادہ قبولیت کے لائق نہیں ہی جسکا مشاہدہ تیری نظر سے غائب ہو اور تیرے خیال میں اسکا وجود حقیر ہو **ف** اللہ کے نزدیک بندہ کا وہ عمل زیادہ مقبول ہے کہ اسکو اللہ کیطرف سے جانے اور دل سے اسکا ہی مشاہدہ کرے اور اپنی طرف کسی طرح نسبت نکرے بلکہ دل کی آنکھ سے اسکا معائنہ کرے کہ اگر اللہ تعالی مجھ سے یہ کام نہ لینا چاہتا تو ہرگز اسکا صدور نہ ہوتا اور اس عمل کو اس قابل نہ جانے کہ اس کی وجہ سے مجھکو بارگاہ خداوندی میں نزدیکی حاصل ہوگی بلکہ اسکو اپنا عمل ہونیکی وجہ سے حقیر و ناقابل قبول نہ سمجھے جو ایسا عمل ہوگا وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوگا۔

طاعت پر اس اعتبار سے نہ اترانا کہ وہ تجھ سے تیری قدرت و اختیار کیساتھ ظاہر ہوئی ہی بلکہ یہ خیال کرکے خوش ہونا کہ خدا کے تعالی کے فضل و رحمت و توفیق کیساتھ ظاہر ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہی تو کہہ اللہ تعالی کے فضل سے اور اس کی مہر سے سو اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں۔ **ف** بندہ جو عبادت اور نیک عمل کرتا ہی اُسپر اسکو خوش ہونا اور اترانا کہ میں نے یہ عمل کیا ہی اور میرے اختیار و قدرت سے

یہ عمل ہمارا ہے ایسا خوش ہونا برا اور نعمت کی ناشکری ہے بلکہ اسواسطے خوش ہو کہ اللہ کا شکر ہے کہ اسکا فضل و رحمت میرا دستگیر ہوا اور مجھ سے یہ نیک عمل کرا دیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے فضل اور رحمت پر خوش ہوں اور دوسری شی سے خوش نہوں ۔

ہمارا پروردگار اس سے برتر اور بالاتر ہے کہ بندوں کے ساتھ اپنی طاعتوں سے نقد کا معاملہ کرے اور وہ اسکا بدلہ قیامت کے ادہار پر چھوڑ دے ۔ ف کریم کی شان یہ نہیں ہے کہ کام تو اسوقت لے اور اس کام کی اجرت نقد نہ دے بلکہ ادہار چھوڑ دے پس کریم حقیقی جل وعلا شانہ تو بطریق اولی ایسا نہ کریگا کہ بندہ طاعت اسوقت کرے اور اسکا بدلہ قیامت کے ادہار پر چھوڑ دے بلکہ طاعت کا بدلہ بندہ کو یہاں بھی ملتا ہے وہ یہ ہے کہ اسکے قلب میں عبادت اور ذکر کی حلاوت اور مزہ طرح طرح کے اسرار و معارف بخشے ہیں کہ اسکے سامنے وہ بندہ ہفت اقلیم کی سلطنت کو گرد جانتا ہے اور یہ آخرت کے بدلہ کا ایک بہت ادنی نمونہ ہے اور جو وہاں عطا ہوگا ۔ اس کی حقیقت تو کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا ۔

طاعت پر دنیا میں تجھکو یہی بدلہ کافی ہے کہ تیرا مولی تیرے لئے طاعت کے اہل سمجھنے پر راضی ہوا

ف عبادت پر دنیا میں جو بدلہ ملتا ہے وہ بھی بے انتہا ہے منجملہ اسکے سالک محب کے لئے یہ سب بدلوں سے بڑھکر ہے کہ احکم الحاکمین اور بادشاہوں کا بادشاہ تیرے طاعت کے لائق ہونے پر راضی ہوا اور تجھ سے طاعت کا کام لیلیا ۔ ورنہ تو کیا ہے ایک بندہ ذلیل لاشی محض ہے دیکھو دنیا کا بادشاہ اگر کسی سے کچھ خدمت لے لے تو اسکو کسقدر فخر اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے اسکے سوا اور کچھ اسکو ملے یا نہ ملے اسکے لئے یہی بڑا بھاری بدلہ ہے

عمل کرنیوالوں کے لئے جزا معجل یہ ہی کافی ہے جو اُنکے طاعت میں ان کے قلوب پر الہامات اور لذت مناجات کے دروازے کھولتا ہے اور اپنا انس جان بخش ان کے دلوں پر نازل فرماتا ہے ف طاعت پر جو دنیا میں انعامات نقد عطا ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ طاعت کرنیوالوں کے دلوں میں طاعت کیوقت نوع بنوع کے الہامات بارگاہ عالی سے ہوتی ہیں جسے وہ روحانی مزے لیتے ہیں اور مناجات کی لذت کے دروازے ان کے دلوں پر کھل جاتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کے دلوں کو اپنی ذات والا کے ساتھ انس اور دلبستگی عطا فرماتا ہے کہ اس دولت کے مقابلہ میں وہ دنیا کی نعمتوں کو بھول جاتے ہیں

جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت حصول ثواب یا دفع عقاب کے لئے کی تو گویا اُس نے حق جل و علا کی صفات
کمال و عظمت و جلال کا حق ادا نہ کیا ف بندہ کا مقصود بندگی سے اگر یہ ہو کہ مجھکو ثواب ملے اور جنت حاصل
ہو اور دوزخ کے عذاب سے نجات ہو تو اسکو اسکا مطلوب انشاء اللہ حاصل ہوگا لیکن اس بندہ نے
عبادت سے اپنے نفس کے مزہ و راحت ہی کو چاہا اور نفس ہی میں مبتلا رہا حق تعالیٰ کی کمال کی صفت
اور جلال و عظمت کی شان کا حق ادا نہ کیا۔ کمال تو یہ ہے کہ بندہ کی عبادت مولیٰ تعالیٰ شانہ کی عظمت
اور کمال کی وجہ سے ہو جنت کی طمع اور دوزخ کے خوف ہی سے نہ ہو اس لئے کہ غلام کی شان
تو غلامی کرنا ہے خواہ مالک اسکو نوازے یا دھتکارے۔

جب تو کسی عمل پر عوض کا خواہاں ہوگا تو تجھ سے اس میں صدق اور اخلاص کا مطالبہ ہوگا
اور اخلاص کے ہونے میں تو متردد ہوگا اور متردد کو اپنے اس ناکارہ عمل کی جزا و مواخذہ خدا سے سلامت رہنا
ہی کافی ہی ف بندہ کی نیت اگر عبادت اور عمل نیک سے یہ ہو کہ مجھ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اسکا کوئی عوض
ملے تو حق تعالیٰ اُس سے اسکا مطالبہ فرمادیں گے کہ ثواب کے قابل تو وہ عمل ہی جو اخلاص سے ہو اور جب تیری
نیت اس عمل سے یہ تھی کہ اسپر کچھ عوض ملے تو تو نے یہ عمل خالص میرے واسطے نہیں کیا بلکہ اپنے نفس کے
واسطے کیا ہی تو اس بندہ کو اخلاص کے ہونے میں تردد اور شک ہوگا۔ اس لئے کہ اگر اخلاص یقیناً ہوتا
تو اُس عمل پر عوض کا خواہاں نہ ہوتا اور ایسے شخص کو یہی کافی ہی کہ اس عمل پر خدا تعالیٰ کی طرف سے
مواخذہ نہ ہو۔ ثواب کی امید تو علیحدہ رہی۔

اپنے کسی عمل پر جس کا تو فاعل حقیقی نہیں ہی عوض کا طلبگار مت ہو ایسے عمل پر تجھکو یہی عوض کافی
ہی کہ اسکو قبول فرمایا اور اُسپر مواخذہ نہیں کیا ف جاننا چاہئے کہ تمام افعال کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔
خواہ وہ افعال بندوں کے ہوں یا اور کسی کے پس بندہ کی نظر عبادت میں اسپر ہونا چاہئے کہ یہ فعل پیدا
کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہی اور اسکا احسان ہی پس جس فعل کا درحقیقت بندہ خالق و فاعل نہیں ہی اسپر عوض
کو طلب کرنا بالکل بے محل ہی پس اگر ثواب و اجر کا طالب ہوا تو اسمیں اخلاص نہ رہے گا۔ ایسے عمل پر یہی
عوض کافی ہی کہ مولیٰ حقیقی نے اس عمل کو قبول فرما کر ثواب دیدیا اور اُسپر مواخذہ نہیں فرمایا ورنہ

وہ قابل گرفت تھا

گناہ اور نافرمانی کرنے کے وقت جسقدر تو حلم خداوندی کا محتاج ہے بندگی اور طاعت کرنیکے وقت

اُس سے زیادہ اسکے حلم کا حاجتمند ہے **ف** بندہ کا کمال ہو مرتبہ اور تمام عبادات کا اصلی مقصود یہ ہے

کہ بندہ کی نظر ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہو جیسے بھک منگا سائل ہوتا ہے اور اپنا عمل اور فعل حتی کہ اپنا

وجود نظر سے بالکل اٹھ جاوے اللہ ہی پر اعتماد ہو اُسی کے ساتھ دل کو قرار ہو اسی کی طرف دل کا رُخ

ہو۔ اپنی تدبیر اور اسباب ظاہرہ سے بالکل بھروسہ اٹھ جاوے۔ اور بندہ کی پستی اور ہلاکت اسمیں ہے کہ اپنے

نفس کیطرف متوجہ ہو اور اپنے عمل کو پسند کرے اور اپنے فعل کو اچھا جانے اور اپنی قدر اسکے دل میں

ہو ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہوتا ہے اس کے بعد سمجھو کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ گناہ میں بندہ

اللہ تعالیٰ کے حلم کا محتاج ہے کہ اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرماوے اور گناہ سے درگذر فرماوے اور طاعت

وعبادت چونکہ عین رضائے الٰہی ہے اُس میں حلم کا حاجتمند نہیں ہے اسلئے کہ حلم تو خلاف رضا کام

کرنے پر ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی بلکہ اکثر معاملہ برعکس ہی ہوتا ہے کہ گناہ کے وقت حلم کا اس قدر محتاج

نہیں جسقدر طاعت کے وقت ہے۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ مومن کی شان گناہ صادر ہو جانے

کے بعد یہ ہے کہ انکسار عاجزی ندامت ذلت اور اپنے نفس کو نفرین اور بارگاہ الٰہی میں تضرع وزاری

وتوبہ پیدا ہوتی ہے اور اس حالت میں اس کی نظر اپنے نفس اور عمل پر نہیں رہتی بلکہ دل ان صفت کیساتھ

رنگین ہو جاتا ہے کہ بجز رحمت اور فضل کے پھر کہیں ٹھکانہ نہیں اور یہی صفت عین مقصود اور بندہ کا

کمال ہے اور طاعت وعبادت کے بعد بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نظر اس عمل پر ہوتی ہے اور اسکو اچھا

سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو مطیع اور عابد اور حق کا ادا کرنے والا اور مستحق ثواب جانتا ہے تو اس حالت

میں اُس کی نظر اپنے نفس اور عمل پر ہوئی اور رحمت وفضل پر سے اعتماد اُٹھ گیا۔ تو اُسوقت عجب

نہیں کہ اسپر غضب الٰہی ہو اور ناراضامندی کا مورد بنے۔ پس ایسی طاعت پر یہ بندہ حلم خداوندی

کا گناہ کرنے کے وقت سے زیادہ محتاج ہے۔

بسا اوقات غامض اور دقیق ریا ایسی جگہ سے داخل ہوتی ہے جس جگہ تجھکو لوگ نہ دیکھتے ہوں

ف ریا یہ ہے کہ عبادت اور نیک عمل اسلئے کیا جائے کہ لوگ مجھکو عابد زاہد بزرگ سمجھیں تو اگر عمل کے وقت لوگ وہاں موجود ہوں اور ان کے دکھانے کے لیے مثلاً کوئی نماز پڑھے یا نماز تو شروع کی تھی اللہ کیواسطے لیکن کسی کے آنے سے اسکو لمبی کر دی اور سنوار کر اسکو پڑھنے لگا تاکہ یہ جانے کہ بڑا نمازی ہے تو یہ تو ریا کی قسم ظاہر ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ ریا ہے بعض مرتبہ آدمی چھپ کر عمل کرتا ہے اور وہاں کوئی دیکھنے والا موجود نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اس عمل میں ریا داخل ہو جاتی ہے یہ ریا کی قسم نہایت دقیق اور باریک ہے اور اس ریا کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص جب لوگوں سے ملے تو یہ چاہے کہ یہ لوگ میری تعظیم کریں اور محفل میں مجھکو صدر میں جگہ ملے اور میرے کام لوگ کیا کریں اور اگر لوگ ایسا معاملہ کرتے ہیں تو خوش ہوتا ہے اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اسکو اوپرا اور عجیب معلوم ہو پس یہ باتیں اس کی علامت ہیں کہ اس شخص کے اندر ریا ہے اور یہ نیک عمل اسی واسطے کرتا ہے کہ لوگ بزرگ سمجھیں۔ اور میرے دنیا کے کام بنیں۔

تیرا خواہش کرنا کہ لوگ تیرے اعمال اور باطنی احوال کی خصوصیت جان لیں عبودیت کے اندر تیرے سچا نہ ہونے کی دلیل ہے۔ **ف** عبودیت اور بندگی کے اندر سچا ہونا یہ ہے کہ غیر اللہ سے نظر اٹھ جاوے۔ اور سوائے اپنے رب کے کسی کی طرف التفات نہو اگر بندہ میں یہ صفت موجود ہے تو وہ سچا ہے اگر یہ خواہش ہو کہ لوگوں کو میرے نیک عملوں کی خبر ہو جاوے اور باطنی حالات جو خاص مجھپر گذر رہے ہیں مخلوق کو اس کی اطلاع ہو اور مختلف طریقوں سے اسکا اظہار کرتا ہے تو یہ بندہ بندگی میں سچا نہیں ہے اور یہ خواہش ہی اسکے سچا نہ ہونیکی دلیل ہے۔

نظر لطف خداوند تعالیٰ کی اپنی طرف ملاحظہ کر کے لوگوں کی نظر کو اپنے خیال سے دور کر اور توجہ والتفات خداوند تعالیٰ اپنی طرف مشاہدہ کر کے لوگوں کے توجہ والتفات کی طرف متوجہ نہو **ف** بندہ مخلص کی شان یہ ہے کہ لوگوں کی رضا و عدم رضا کی اسکو کچھ پرواہ نہ ہو اور حقتعالیٰ کی نظر رحمت و لطف جو ہر وقت اس کے حال پر ہے پیش نظر ہو کر مخلوق کی نظر کو اپنے خیال سے بالکل نکالدے مخلوق اسکو خواہ تحقیر کی نظر سے دیکھے۔ یا عزت کی نگاہ سے اسکی کوئی وقعت اسکے دلمیں نہ ہو اور حقتعالیٰ کی توجہ والتفات

جو اس کے ساتھ ہر وقت ہی اسکو مشاہدہ کرکے اور اسکو اپنے لئے بڑی دولت جان کر لوگوں کی توجہ و التفات کی طرف ہرگز نظر نہ کرے۔ دیکھو یہی بات ہے۔ اگر بادشاہ وقت کی خاص مہربانی کسی شخص پر ہو اور بادشاہ وقت اسکے ہر حال کا نگراں ہو تو وہ شخص دوسرے کسی کی مہربانی کرنے یا اہانت کرنے کی بالکل پروا نہ کریگا۔ پس احکم الحاکمین اور سب بادشاہوں کے بادشاہ کی نظر عنایت ہر آن میں ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہر دم طرح طرح کی نعمتیں ہم پر اُنکی طرف سے مینہ کی طرح برس رہی ہیں اُس پر بھی اگر زید عمرو کی طرف ہماری توجہ ہوئی تو ہم سے زیادہ کون ناشکر ہوگا۔ اور اسکی سزا تو یہ ہے کہ نعمتیں سب سلب ہو جاویں۔ مگر رحمت اسقدر بے انتہا ہے کہ اِس پر بھی درگذر ہوتی ہے۔

حق جل و علا جیسے عمل مشترک ریا آمیز کو پسند نہیں فرماتا ہے اسی طرح قلب مشترک کو جس میں حُبِ غیر بھی ہو محبوب نہیں رکھتا ہے۔ عمل مشترک کو نہ قبول فرماتا ہے نہ اُسپر ثواب دیتا ہے ف عمل مشترک وہ ہے جس میں ریا ہو کہ اسمیں مخلوق کا ساجھا ہو گیا ایسا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اسی طرح قلب مشترک وہ ہے جس میں غیر اللہ کی محبت ہو ایسے دل کو بھی اللہ تعالیٰ محبوب نہیں رکھتے ہیں اور عمل مشترک کو جو مخلوق کے دکھاوے کے واسطے کیا گیا ہو نہ قبول فرماتا ہے نہ اُسپر ثواب ملتا ہے اللہ تعالیٰ کو وہ قلب محبوب ہے جس میں خالص اسی کی محبت ہو اور اسی طرح وہ عمل اس کی بارگاہ عالی میں مقبول ہے جس میں ریا اور بناوٹ نہ ہو۔

جس چیز کو تو محبوب بنائیگا اسکا بندہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اُسکو پسند نہیں کرتا کہ اُسکے سوا تو کسی کا بندہ بنے ف اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی چیزوں میں سے جس سے آدمی کو محبت ہو تو گویا اُسکا بندہ بنگیا۔ اسلئے کہ جس شئی سے محبت ہوگی اس سے علاقہ شدید ہوگا۔ اور اُسکے علیحدہ ہونے سے دل کو صدمہ پہنچیگا۔ اور یہی مطلب ہے بندہ بننے کا جیسے بعض لوگ بندۂ زر ہوتے ہیں بعض بندۂ زوجہ ہیں بعض بندۂ اولاد ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس محبت سے مراد وہی محبت ہے کہ بس اسی کا ہو رہے اور اس محبوب کے مقابلہ میں شریعت کے احکام کی بھی پروا نہ کرے۔ اور اگر شریعت کے احکام کو مقدم رکھتا ہے اور طبعی محبت اولاد و اقارب کیساتھ ہے۔ یہ محبت ممنوع نہیں بلکہ سنت ہے۔

محب وہ نہیں ہے جو اپنے محبوب سے عوض کا امیدوار ہو یا حصول غرض کا طلبگار ہو کیونکہ محب حقیقی وہ ہے۔ جو اپنے محبوب کی رضا میں سب خرچ کر ڈالے وہ محب حقیقی نہیں۔ جسکے لئے محبوب کچھ خرچ کرے۔ ف جاننا چاہیئے کہ محبوب حقیقی سب بندوں کا حق تعالیٰ ہے۔ اور بندے مومن اسکے محب چنانچہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ سخت ہیں۔ پس جو بندہ طاعت کرکے اسپر کسی عوض کا امیدوار ہو جنت کا یا ذوق وحلاوت واسرار ومعارف وغیرہ کا۔ وہ سچا محب نہیں اسلئے کہ محب محبوب سے کسی چیز کا سوائے اس کی رضامندی کے طالب نہیں ہوتا۔ بلکہ محب تو جو کچھ اس کے پاس تن من دھن ہے سب کچھ محبوب کے اوپر قربان کردیتا ہے۔ اور محبوب سے کسی چیز کی خواہش نہیں ہوتی۔

اسکے صدقہ کئے ہوئے عمل پر تو کیونکر عوض کا طالب ہوسکتا ہے یا اسکی تحفہ بھیجی ہوئی راستی پر کسطرح جزا کا طالب ہوسکتا ہے ف بدلہ اس کام کا ہوتا ہے کہ وہ کام تمنے دوسرے کے نفع کے واسطے کیا ہو اور اپنا اس میں کچھ نفع نہ ہو ایسے کام کی اجرت وبدلہ دوسرے سے لیا جاتا ہے۔ اور بندہ جو کچھ عمل کرتا ہے اسمیں نفع بندہ کا ہے کسی صورت سے مولیٰ کریم کا نہیں کہ وہ اس سے اور اس کے نفع سے بالکل مستغنی ہے پس بندہ کا عمل اور راستی واخلاص مولیٰ کریم سے بندہ پر صدقہ اور تحفہ ہے پس نہایت عجیب اور حماقت اور بے عقلی ہے کہ اسکے صدقہ اور تحفہ پر اسی سے بدلہ اور عوض کا طالب بنے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فقیر کو کسی کریم نے جو صدقہ یا تحفہ دیا وہ فقیر اسی سے الٹا اس صدقہ وتحفہ کے عوض کا طالب ہو۔

چوتھا باب نماز کے حکم کے بیان میں

نماز حقیقی دلوں کو اغیار کے میل کچیل سے پاک کرنیوالی اور پوشیدہ اسرار کا دروازہ کھولنے والی ہے نماز سرگوشی کا محل اور محبت واخلاص کی جگہ ہے اس میں قلوب کے میدان اسراروں کے لئے فراخ ہوتے ہیں۔ اور اس میں انوار کے ستارے چمکتے ہیں۔ ف جو لوگ اللہ کے خاص بندے ہیں

ان کے قلوب ہر وقت اللہ کی یاد میں رہتے ہیں لیکن مخلوق سے ملنے جلنے اور طبعی ضرورتوں کے
انجام دینے میں ایک نوع کی غفلت اور غیر اللہ کیساتھ قلب کو ایک قسم کا علاقہ ہو کر کدورت ہوتی ہے
ہے لیکن جب نماز میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کی نماز اغیار کے میل کچیل سے انکے قلوب کو پاک کر دیتی
اور خالص حضوری اُن کے مرتبہ کے موافق میسر ہو جاتی ہے اور جب اغیار کے پردے دل سے اُٹھ
گئے اور موانع مرتفع ہو گئے تو پوشیدہ اسرار کے دروازے اور اللہ کی معرفت کے راز ان کے دلوں
پر نماز میں کھلتے ہیں اور ان کی نماز اپنے رب سے سرگوشی کرنیکا محل بنتی ہے اور اخلاص و محبت سے
یہ ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی مطلق گنجائش نہیں رہتی اور دلوں کے میدان اسرار الٰہی کے لئے فراخ ہو جاتے
ہیں اور کھل جاتے ہیں کوئی تنگی اور انقباض اور گھبراہٹ ان میں نہیں رہتا اور ان حضرات کی
نماز میں انوار ستاروں کی طرح چمکتے ہیں جنکا وہ دلوں کی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں مقصود یہ ہے
کہ ہر مومن کو چاہیئے کہ ایسی ہی نماز پڑھنے کی کوشش کرے ۔

جب حق جل وعلا نے عبادت سے تیری ملالت وگرانی معلوم کی تو رنگ برنگ کی عبادتیں

تیرے لئے مقرر فرمائیں اور جب عبادت پر تیری حرص دیکھی تو تجھکو اس سے منع فرما دیا اس لئے کہ تیرا

قصد کامل نماز ادا کرنیکا ہو نہ محض صورت نماز کیونکہ ہر ایک نماز پڑھنے والا کامل نماز ادا کرنے والا نہیں ہوتا
ہے واقف جاننا چاہیئے کہ انسان ضعیف البنیان ایک ہی کام کو دیر تک کرنے سے اس سے اکتا جاتا ہے۔
اور وہ کام گراں معلوم ہونے لگتا ہے۔ اور مختلف کاموں میں دل بہلا رہتا ہے اور انکو انجام کو پہنچا دیتا ہے
اور نیز یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کی بندگی میں ہر وقت لگا رہنا بندہ کا فرض ہے پس جب یہ حالت
اس انسان کی ٹھہری تو اللہ تعالیٰ نے رنگ برنگ کی عبادتیں مقرر فرمائیں ایک عبادت کو دائماً
نہیں رکھا کہ اس سے بندے اکتا نہ جاویں۔ مثلاً اگر یہ حکم ہوتا کہ ہر وقت نماز ہی پڑھو تو یقیناً بندے
اس سے گھبرا جاتے اور اب بندہ کا دل لگا رہتا ہے کہ نماز تلاوت قرآن حج زکوٰۃ قربانی روزہ ذکر
وغیرہ نوع بنوع کی عبادتیں مقرر فرما دیں کہ بندوں کا دل نہ اکتاوے کہ ہر عبادت کی شان اور ذوق
جداگانہ ہے پس اوقات بھی تمام عبادت میں مشغول رہے اور گرانی بھی کچھ نہیں ورنہ اکتا کر چھوڑ بیٹھتے دوسری

خصلت انسان کے اندر رکھنا نے کے مقابلہ میں حرص اور شوق کی ہے جب یہ صفت حد سے زیادہ بڑھتی ہے تب بھی کام بگڑ جاتا ہے مثلاً کہیں جانیکا شوق حد سے زیادہ بڑھ گیا تو بہت سے ضروری کام وہاں جانیکے متعلق خراب ہو جائیں گے پس جب شدت سے حرص نماز کی ہوگی تو نماز کو اسکے حقوق کیساتھ ادا کرنا مشکل ہوگا مثلاً شدت شوق اور ٹوٹ کر پڑھنے میں وضو بھی نہ کریگا۔ یا قرآن جلدی جلدی پڑھیگا اور اسمیں تدبر اور خشوع نہ ہوگا جب یہ صفت انسان میں ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نماز اور دیگر عبادات کو بعض اوقات میں منع فرمایا ہے تاکہ وہ حرص و عجلت اور کسی کام پر ٹوٹ کر پڑنے کی خصلت دبجائے اور خاص خاص وقتوں میں نماز مقرر فرمائی۔ تاکہ بندہ کا قصد یہ ہو کہ نماز کامل درجہ کی ادا ہو جلدی اور حرص میں یہ نہ ہو کہ نماز کی صورت بنالے اسلئے کہ نماز کی صورت میں اور کامل نماز میں بڑا فرق ہے ہر نماز پڑھنے والا کامل درجہ کی نماز ادا کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔

تیرا ضعف و ناتوانی معلوم کرکے نماز کی تعداد گھٹادی اور فضل خداوندی کا محتاج جانکر اعداد ثواب بڑھادی (یعنی پچاس سے پانچ کردی اور پچاس کا ثواب پانچ میں کردیا) ف نماز شب معراج میں فرض ہوئی ہے اول اول پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی بار درخواست پر پچاس سے پانچ باقی رہیں اور (۴۵) کم ہوگئیں یہ کم ہونا بوجہ ہمارے ضعف کے ہوا کہ ہم پچاس وقت کی نماز پر مداومت نہ کرسکتے لیکن انسان اسکے فضل کا محتاج ہے اسلئے ثواب پچاس ہی کا قائم رہا۔

تیرے لئے طاعات کو اوقات معینہ کیساتھ اسلئے مقید کردیا تاکہ کسل اور سستی تجھکو مانع نہ ہو اور وقت فراخ رکھا تاکہ کچھ حصہ اختیار کا بھی تیرے لئے باقی رہے۔ ف جو عبادات بندہ پر حق تعالیٰ نے فرض فرمائی ہیں ان کے اوقات بھی معین فرمادئے جیسے نماز روزہ کہ اگر ان وقتوں میں ان کو ادا کرلو تو ادا ہوتی ہیں ورنہ فوت ہوجاتی ہیں تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر مثلاً نماز کے اوقات کو معین نہ کیا جاتا اور ہماری رائے پر چھوڑ دیا جاتا کہ جب چاہیں پڑھ لیں تو سستی اور کسل لاحق ہوتی اور یہ ہوتا کہ اگر کسی کام میں مشغول ہیں تو یہ کہتے کہ اس کام سے فارغ ہوکر پڑھیں گے یا کسی ماہ کی ایک دو دن میں پڑھ لیں گے جلدی ہی کیا ہے تو اس طور سے وہ عبادت فوت ہوجاتی اور وقت جو نماز کا مقرر فرمایا وہ

ایسا تنگ نہیں رکھا کہ وقت کے آتے ہی پڑھنا ضروری ہو کہ اگر آتے ہی وقت کے نہ پڑھیں تو قضا ہو جاوے بلکہ وقت ایسا فراخ رکھا کہ کچھ حصہ اختیار کا بھی ہمارا باقی رہا کہ اُسوقت میں خواہ اول پڑھ لو یا درمیان میں یا آخر میں اسمیں یہ فائدہ و حکمت ہے کہ وقت آنے پر ہم فراغت اور اطمینان سے نماز کی تیاری کر لیں اور اپنے افکار و خیالات اور ضروری کاموں سے فارغ ہو لیں بالکل تنگ وقت معین ہونے سے یہ حکمت فوت ہو جاتی اور وقت آنے پر جسطرح بن پڑتا خواہ اطمینان اور فراغ قلب ہوتا یا نہ ہوتا پڑھنا پڑتا۔ تو اس میں نماز کی روح اور جان یعنی حضور قلب حاصل نہ ہوتا۔

جب حق جل و علا نے اپنے بندوں کی کوتاہی وظائف عبودیت کی بجا آوری کی طرف اٹھنے میں معلوم فرمائی۔ تو اپنی طاعت و عبادت کو انپر واجب فرما کر گویا ان کو اپنے ایجاب کی زنجیروں کے ساتھ اپنی طاعت کی طرف ہانکا تیرا پروردگار ان لوگوں سے تعجب فرماتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں۔ ف جاننا چاہیئے کہ بندوں کے ذمہ حقتعالیٰ کی بندگی اور اظہار عبودیت ہر حال میں عقلاً ضروری اور فرض تھی خواہ عبادت کو اللہ تعالیٰ ہمپر واجب فرماتے یا نہ فرماتے اسلیئے کہ غلام کا کام تو غلامی کا ہے خواہ آقا اسکو حکم دے یا نہ دے لیکن جب بندوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کے وظائف ادا کرنے اور عبادت کیواسطے اُٹھنے میں کوتاہی اور سستی و کاہلی دیکھی۔ تو غایت رحمت سے انپر اپنی طاعت کو واجب فرما دیا اور عبادت و اطاعت کرنیوالوں سے جنت کا وعدہ فرمایا اور سرکشوں اور نافرمانوں کو دوزخ سے ڈرایا اس واجب کرنے کی ایسی مثال ہوگئی جیسے زنجیر ہوتی ہے کہ جو قیدی کے گلے میں ڈالی جاتی ہے کہ اسکے ذریعہ سے جس طرف چاہیں اُسکو کھینچکر لے جاتے ہیں خواہ اس قیدی کا جی چاہے یا نہ چاہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے طاعت واجب فرما کر اس زنجیر سے سُستی کرنیوالوں کو طاعت کی طرف کھینچا اور یہ اس کی عین رحمت و شفقت ہے جیسے بچے کو اسکا ولی ناشایستہ حرکات پر ادب دیتا ہے اور جو امور اسکو طبعاً شاق ہوتے ہیں وہ کرنے ہوتے ہیں اسکو مطلق العنان نہیں چھوڑتا کہ جو چاہے کرے تو اس بچہ کو وہ کام کرنا پڑتا ہے اور ناشایستہ اطوار کو چھوڑنا ہوتا ہے خواہ اسکا جی چاہے یا نہ چاہے اللہ تعالیٰ تعجب فرماتے ہیں یعنی یہ بات عجیب ہے

کہ بعض بندے ایسے ہیں کہ زنجیروں میں جکڑ کر جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں یعنی اعمال صالحہ ان کو شاق ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ ان پر واجب کر دئے گئے ہیں اس لئے خلاف اپنی طبیعت کے انکو کرنے پڑتے ہیں اور جنت میں جاتے ہیں۔

تجھ پر اپنی خدمت وطاعت کو واجب فرمایا اور حقیقت میں اس کی وجہ سے تیرے جنت میں داخل ہونے کو واجب ولازم فرمایا۔ ف اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں اپنی خدمت وطاعت کو واجب فرمایا جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں اللہ تعالیٰ کا نفع ہو لیکن وہ تو غنی اور بے نیاز ہے۔ اس عبادت کا نفع ہمکو ہی ہے تو طاعت کو واجب فرمانا درحقیقت میں جنت میں جانیکو لازم کردینا ہے۔ سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔

فرمایا (یعنی مصنف نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ) کے سوال کے جواب میں کہ کیا یہ مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے یا کسی دوسرے کو بھی اس میں سے حصہ اور نصیب ہے۔ بیشک مشاہدہ جلال وجمال حق تعالیٰ کیساتھ آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کی لذت کا ہونا شہود حقیقی جل وعلا کے عرفان کی قدر کیموافق ہوتا ہے اور کسی کا عرفان رسول اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے عرفان کے برابر نہیں ہے تو کسی کی آنکھ کی ٹھنڈک بھی آپکے آنکھ کی ٹھنڈک کے برابر نہ ہوگی اور یہ جو ہمنے کہا کہ نماز میں آپ کی خنکی چشم مشاہدہ جلال مشہود جل وعلا سے ہے اس کی یہ وجہ ہے کہ خود آپنے اپنے ارشاد میں لفظ فی الصلوٰۃ فرماکر اس طرف ایما فرمایا ہے اور لفظ بالصلوٰۃ اس لئے نہیں فرمایا کہ آپ کی آنکھ کی خنکی بغیر اپنے پروردگار کے کسی کیساتھ نہیں ہوسکتی اور کیونکر ہوسکتی ہے آپ تو دوسروں کو اس مقام کی رہنمائی فرماتے تھے۔ اور اپنے ارشاد کہ اللہ کی عبادت اسطرح کر کہ گویا تو اسکو دیکھ رہا ہے کیساتھ دوسروں کو اس مقام کے حاصل کرنیکا امر فرماتے ہیں اور رویت حق جل وعلا کے ساتھ اسکے ماسوی کا مشاہدہ امر محال ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ نماز سے آنکھ کی خنکی کا ہونا کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکے احسان سے ظاہر ہوئی ہے تو اس سے مسرت اور آنکھ کی ٹھنڈک کیونکر نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ

خود فرماتا ہے تو کہہ اللہ کے فضل اور اسی کی رحمت سے سو اسی پر خوش ہونا چاہئے تو سمجھ لے کہ اسرار
کلام میں تدبر کرنیوالے کے لئے یہی آیت شریف اسکے جواب کی طرف شیر ہے اسلئے کہ یہ فرمایا ہے
کہ اسی پر لوگ خوش ہوں اور یہ نہیں فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اسپر خوش ہو حاصل
مطلب یہ کہ لوگوں سے کہدے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر خوش ہوں دوسری آیت
میں بطور اشارہ کے ہے تو کہہ اللہ یعنی اسی کیساتھ خوش ہوتا ہوں پھر اُن کو ان کی فکر میں کھیلتا ہو
چھوڑ دے۔ ف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ یعنی میری
آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں کر دی گئی ہے یعنی نماز میں مجھکو نہایت لذت و سرور ہوتا ہے مصنف رحمہ اللہ
سے کسی نے سوال کیا ہے کہ یہ مرتبہ حضور ہی کو حاصل تہا یا کسی دوسرے کو بھی اسمیں سے حصہ ملا ہے
مصنف رحمہ اللہ جواب دیتے ہیں کہ آنکھ کی ٹھنڈک اور سرور اور دل کی لذت نماز میں حق تعالیٰ
کے جلال و جمال کے مشاہدہ سے اہل معرفت کو ہوتی ہے تو مشہود یعنی حق تعالیٰ کی جسقدر معرفت کسی بندہ
کو نصیب ہوگی اُسی قدر اُسکو نماز میں لذت زیادہ ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کی معرفت سب سے بڑہکر ہے تو نماز میں آپ کی لذت اور آنکھ کی خنکی بھی سب سے بڑہکر ہوگی۔ حاصل جواب
یہ ہے کہ ٹھنڈک اور لذت نماز کی حضور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اور بندوں کے لئے بھی اس
میں سے حصہ ملتا ہے فرق اسقدر ہے کہ آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت آپ کے مرتبہ کے
موافق ہے اور اوروں کے لئے ان کے مرتبہ کے موافق اور یہ آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت اس شخص
کو حاصل ہوتی ہے کہ جسکو نفسانی اور شیطانی وسوسے نہ آتے ہوں اور جو شخص خیالات اور
وساوس میں مبتلا ہو تو اسکو ٹھنڈک اور لذت نہیں آتی اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو نماز میں مشاہدہ حق جل و علا سے ٹھنڈک ہوتی تھی اور خود نماز کی ذات سے ٹھنڈک اور
لذت نہ تھی تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میں حضور نے اسطرف اشارہ
فرمایا ہے اسلئے کہ یوں فرمایا کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے یعنی نماز کی حالت میں حق تعالیٰ کے
مشاہدہ اور حضوری ہی مجھکو لذت ہوتی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ نماز سے میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے اور وجہ

اسکی یہ ہی کہ حضور کی آنکھ کو ٹھنڈک غیر اللہ سے نہیں تھی اور نماز کی ذات ظاہر ہے کہ غیر اللہ ہے
اور آپ کی آنکھ کی ٹھنڈک غیر اللہ سے کیسے ہوسکتی ہے آپ کا تو خود ارشاد ہے اور دوسروں کو ہدایت
ہے کہ اللہ کی عبادت ایسی کرو گویا کہ اسکو دیکھ رہے ہو۔ اور یہ مرتبہ جب بندہ کو نصیب ہوتا ہے تو اسکی
نظر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رہتا اور غیر اللہ سے مطلقاً نظر علیحدہ ہو جاتی ہے حتی کہ اپنا
فعل اور اپنا وجود بھی غائب ہو جاتا ہے اور نماز خود فعل بندہ کا ہے تو یہ بھی ماسوا میں داخل ہو کر
بندہ کی نظر بصیرت سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو اسوقت آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت صرف حق تعالیٰ
کی حضوری سے ہوتی ہے اگر کوئی اس پر شبہ کرے کہ آنکھ کی ٹھنڈک اور لذت نماز سے بھی
تو ہوسکتی ہے اس لئے کہ نماز کی ذات اللہ تعالیٰ کا ایک فضل اور رحمت ہے اور اسی کے فضل سے
اسکا ظہور ہوا تو بندہ محب کو اس سے کیسے لذت اور فرحت نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر خوش ہونا
تو مامور من اللہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا
یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہیئے کہ اللہ ہی کے فضل اور رحمت سے چاہیے کہ یہ لوگ خوش
ہوں تو نماز بھی اللہ کا فضل اور رحمت ہے اس سے بھی فرحت اور لذت ہو تو اس میں کیا حرج
ہے تو جواب اس شبہ کا خوب سمجھ لو کہ خود آیت قل بفضل اللہ وبرحمتہ میں اس شبہ کے جواب
کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ ارشاد یہ ہے کہ فضل و رحمت ہی کیساتھ چاہیے کہ لوگ خوش ہوں
اور یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ اسکے ساتھ خوش ہوں تو حاصل یہ ہوا کہ
لوگ تو فضل اور رحمت اور احسان الٰہی کے ساتھ خوش ہوں اور خود آپ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہمارے ساتھ خوش ہوں چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون یعنی
آپ فرما دیجئے اللہ یعنی میں تو اللہ کیساتھ خوش ہوں پھر آن کو اُن کے لہو لعب میں کھیلتا ہوا چھوڑ دیجیئے۔

پانچواں باب گمنامی اور گوشہ نشینی کے بیان میں

قلب کے لئے کوئی چیز اس گوشہ نشینی کے برابر نافع نہیں جسکے ساتھ صفات الٰہی و معارف شناسی کے

میدان میں داخل ہو ف جاننا چاہئے کہ مخلوق سے ملنے جلنے میں خاصکر بلا ضرورت لوگوں کے پاس آنے جانے سے قلب کی نظر مخلوق ہی میں لگی رہتی ہے اور خالق تعالیٰ شانہ کیطرف قلب متوجہ نہیں ہوتا اور غفلت اور زیادہ بڑھجاتی ہے اور اکثر غفلت کا سبب یہی ہوتا ہے اور جب سالک گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو مخلوق نظر دل کے سامنے نہیں ہوتی تو لا محالہ طالب خالق تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسلئے قلب کے لئے قرب خداوندی میں کوئی شئے گوشہ نشینی سے بڑھکر نفع مند نہیں۔ لیکن اس گوشہ نشینی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے میدان میں فکر کرے۔

گمنامی کی زمین میں اپنے وجود کو دفن کرنے کیونکہ جو دانہ زمین میں دفن نہیں ہوتا اسکا نشو و نما کامل نہیں ہوتا۔ ف انسان کے نفس کو سب چیزوں سے زیادہ محبوب اور عزیز یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں بڑا شمار ہوں اور مجھے لوگ بڑائی اور عزت کی نظر سے دیکھیں اور نیز اسی کی فرع ہے کہ انسان شہرت اور ناموری کا طالب ہے اور یہ خصلت اللہ کے راستہ کیلئے رہزن ہے اور اخلاص وصدق کے بالکل خلاف ہے اسلئے کہ مقصود تو بندگی اور غلامی ہے نہ کہ خدائی بڑائی تو خدا تعالیٰ ہی کا حق ہے پس بندہ کا کام غلامی اور مولیٰ حقیقی کی بارگاہ میں اپنے آپ کو ذلیل اور خوار کرنا ہے اس لئے شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ گمنامی اور خواری جو مشابہ زمین کے ہے۔ ایمیں اپنے وجود کو دفن کردے یعنی اپنے کو گمنام اور خوار بنادے۔ کیونکہ جو دانہ زمین میں دفن نہ کیا جائے وہ نشو و نما نہیں پاتا اسیطرح جو انسان گمنامی کی زمین میں مدفون نہ ہو اور شہرت و ناموری کے محبت میں رہے اسکے نفس کے کمالات کی تکمیل نہیں ہوتی اور وہ ناقص رہتا ہے۔

اپنے اولیاء کے قلوب کے انوار کو ان کے ظاہری حالات کے کثیف پردوں میں اسلئے چھپایا تاکہ اظہار کی ذلت سے محفوظ رہیں اور شہرت کی زبان سے ان کو پکارا نہ جائے ف جاننا چاہئے کہ جو حضرات قرب خداوندی اور اللہ تعالیٰ کی حضوری کی دولت سے مشرف ہیں ان کے قلوب میں ذکر اور عبادت کے انوار ہمیشہ رہتے ہیں اور ان کے دل اُن انوار سے منور رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ

نے اُن انوار کو ان حضرات کے ظاہری حالات مثل کھانے پینے ملنے جلنے اٹھنے بیٹھنے کے کثیف پردوں میں چھپا رکھا ہے کہ جیسے عام لوگ کھاتے پیتے ملتے جلتے اور تمام معاملات دنیوی کرتے ہیں اسی طرح وہ حضرات بھی یہ سب معاملات کرتے ہیں کوئی امتیاز اور فرق کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔ گویا یہ ظاہری حالات ان انوار کے لئے مثل موٹے اور گاڑھے پردوں کے ہوگئے کہ ان کی آڑ میں وہ انوار مخلوق کی نظروں سے چھپ گئے لیکن جن لوگوں کی باطنی نظر تیز ہے وہ ان پردوں ہی کی آڑ میں ان انوار کو تاڑ جاتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں لیکن عام لوگ ہرگز نہیں معلوم کرسکتے اسلئے کہ اُن کی ظاہری نظر ان پردوں ہی تک رہجاتی ہے آگے نفوذ نہیں کرتی اور وہ یہی کہتے ہیں جیسے کہ کفار انبیاء کی شان میں کہتے تھے۔ ما انتم الا بشر مثلنا یعنی تم تو ہم جیسے آدمی ہی ہو جو ہم کرتے ہیں وہی تم کرتے ہو اور ان انوار کو اللہ تعالیٰ نے اسلئے چھپا لیا کہ اُن کا احترام اور عظمت محفوظ رہے اور اظہار کی ذلت سے وہ مصئون رہیں اور شہرت ہوکر تمام زبانوں پر ان کا تذکرہ نہ ہو اسلئے کہ ہر کس و ناکس کی زبان پر وہ پردہ نشین انوار آنے لگیں اور ظاہر ہوجائیں تو یہ امر غیرت الٰہیہ کے خلاف ہے جیسے پردہ نشین عفیفہ حسینہ ہوتی ہے کہ غایت تستر و حجاب میں ہونے کی وجہ سے اسکا زبان سے نام بھی لینا اس کیلئے پردہ دری ہے ایسے ہی ان انوار کا ایسا ظہور ان کی قدر رفیع کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ امر نہ ہوتا تو کامل ظہور ان انوار کا ہوتا اور ان کی روشنی کا اتنا غلبہ ہوتا کہ یہ ظاہری حالات کے پردے بھی ظاہر بینوں کی نظر سے غائب ہوجاتے۔

پاک ہے وہ ذات جسنے معارف و اسرار الٰہیہ خاصہ کو اوصاف بشریت کے ظہور کے پردے

میں چھپایا اور اپنی عظمت ربوبیت کو اپنے بندوں کے لئے اُن کی عبودیت کے آثار ظاہر کرکے ظاہر فرمایا۔ **ف** اس فقرہ کا مطلب پہلے کا قریب ہی قریب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے خاص بندوں کو اسرار اور معرفت کی باتیں اور باطنی دولتیں مرحمت فرماتے ہیں تو ان کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ اس دولت کو عوام کی نظروں سے چھپایا جاتا ہے اور ان انوار و اسرار پر ان کی بشریت کے اوصاف (جیسے کھانا پینا چلنا پھرنا تجارت زراعت دنیا کے تمام دھندے) کا پردہ

ڈالدیا جاتا ہے کہ مخلوق ان کو اپنے جیسا سمجھتی ہے۔ چونکہ یہ چھپانا ایک نہایت عجیب امر ہے کہ باوجود اسکے کہ ان معارف واسرار کے انوار غیر متناہی اور ایسے عالی درجہ کے ہیں کہ ان میں سے اگر ایک شمہ کا بھی دنیا میں ظہور ہو تو سورج چاند کی روشنی بھی ماند پڑ جائے اور مشرق سے مغرب تک اس ایک شمہ کا نور پھیل جائے مگر کیا عجب قدرت ہے کہ ایسے بڑے سمندر کو کوزہ میں چھپا دیا یعنی انسان جو کہ ایک مشت خاک ہے اس میں اسکو چھپایا کہ مخلوق کی نظر میں بس وہ مشت خاک یا اسکے عوارض چلنا پھرنا تجارت اور زراعت کرنا ہی آتا ہے اور کہتے ہیں کہ ان میں ہم سے زائد کون سی بات ہے اسلئے بطور تعجب مصنفؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذات پاک ہے جس نے اس دولت کو اوصاف بشریت میں چھپا دیا۔ آگے بھی بطور تعجب ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ کیسا پاک ہے اور کیا اس کی عجیب و غریب قدرت ہے کہ جب اسکو یہ منظور ہوا کہ اپنی عظمت ربوبیت کو یعنی اپنے رب ہونے کی بڑائی بندوں کو دکھلاوے تو اسکو ان کی عبودیت کے آثار ظاہر کر کے ظاہر فرمایا اور عبودیت کے آثار بندہ کے وہ حالات ہیں جو بندہ کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتے ہیں جیسے ہماری فقر وفاقہ تنگدستی مصائب وحوادث کہ جب بندہ ان حالات میں مبتلا ہوتا ہے تو لامحالہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے ان مصائب کے زائل ہونیکی دعا کرتا ہے گڑگڑاتا ہے اور اسوقت اسکو یقین کامل ہوتا ہے کہ میرا ضرور کوئی رب ہے جو مجھ سے قوت میں قہر میں غلبہ میں ہر امر میں بڑھکر ہے تو کیا عجیب قدرت ہے کہ اپنے رب ہونے کی بڑائی اور عظمت کا ظہور ان آثار اور احوال سے فرمایا۔ اگر یہ آثار نہ ہوتے اور بندہ ہمیشہ اپنی من مانی خواہش میں رہتا۔ تو رب کی بڑائی ظاہر نہ ہوتی۔ اور اس معرفت کی دولت بندہ کو نصیب نہ ہوتی۔

تنزیہ ہے اُس ذات پاک کیواسطے جس نے اپنے اولیا کی طرف راہ یابی کا وہی طریقہ رکھا

جو اپنی طرف راہ یابی کا طریقہ ٹھہرایا۔ اور اپنے اولیا تک اسی کو پہنچایا جس کو اپنی طرف پہنچانا چاہا

ف جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو اپنی مخلوقات کے پردوں میں ہماری نظروں سے پوشیدہ فرمادیا ہے کہ ہماری نظروں میں مخلوقات زمین و آسمان چاند سورج ستارے حیوانات

نباتات انسان آتے ہیں اور خالق کی ذات عالی باوجود غایت ظہور ہماری نظروں سے چھپی ہوئی ہے
اور اسقدر چھپی ہوئی ہے کہ بعض کور فہموں نے تو خدا تعالیٰ کی ذات پاک کا انکار ہی کر دیا اور جنپر اللہ
تعالیٰ کا فضل ہوا وہ اسکی وحدانیت اور پیغمبروں کی رسالت پر ایمان لائے اور جنپر بفضل خاص متوجہ
ہوا ان کو اپنی معرفت کا حصہ بھی عطا فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونیکا ذریعہ اور رستہ
اور اس کی بارگاہ تک راہ یابی کا طریقہ بس اُسی کا فضل خاص ہے کوئی دوسرا ذریعہ وسبب نہیں ہے
اسکے بعد سمجھو کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ بطور تعجب فرماتے ہیں کہ وہ ایسا پاک ہے اور پاکی اسی کیواسطے
ہے کہ اس نے جو طریقہ اپنی معرفت کا ٹھیرایا ہے وہ ہی طریقہ اپنے اولیا رکی معرفت کا رکھا اسلئے
کہ جسطرح اپنی ذات کو مخلوق ظاہری کے پردہ میں چھپایا ہے اسیطرح اولیاء اللہ کو بھی ان
کے احوال ظاہری کھانے پینے وغیرہ میں چھپادیا۔ اور جسطرح اپنی ذات تک پہنچنے کا طریقہ اپنے
فضل خاص کو ٹھیرایا ہے اسی طرح اپنے اولیار کی معرفت کا طریقہ بھی یہی مقرر فرمایا ہے
کہ جسپر فضل ہوتا ہے اُسی کو ان حضرات کی پہچان ہوتی ہے نہ ہر شخص کو معرفت الٰہی نصیب
ہوتی ہے۔ اور نہ ہر شخص کو اسکے اولیار کی معرفت کی راہ یابی ہوتی ہے بلکہ بعض بزرگوں
نے تو یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے ولی کی معرفت سخت تر ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ
کا جمال وجلال تو غایت ظہور میں ہے اور ولی اوروں کی طرح سب کام کرتا ہے کھاتا ہے پیتا
ہے نکاح کرتا ہے معاملات دنیوی کرتا ہے اسکا پہچاننا بہت مشکل ہے۔ آگے ارشاد ہے کہ سبحان اللہ
کیا قدرت ہے اور اسکا کیسا فضل ہے کہ اپنے اولیا تک اس نے اسکو پہنچایا جس کو اپنے تک پہنچانا
چاہا یعنی اولیار اللہ کی محبت اور معرفت اور ان کی صحبت خاصہ اس شخص کو نصیب فرمائی کہ جسکو
یوں چاہا کہ اس شخص کو اپنی ذاتِ عالی تک پہنچا دے اور راز اس میں یہ ہے کہ یہ حضرات
اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں اور جو محبوب کو چاہتا ہے ظاہر ہے کہ وہ بھی محبوب ہو جاتا ہے
پس جو کوئی ان حضرات سے محبت کرے گا یہ علامت ہے اس امر کی کہ اسکو اللہ تعالیٰ چاہتا
ہے اور اسکو معرفت اپنی نصیب فرمائے گا۔

چھٹا باب وقت کی رعایت اور اسکو غنیمت جاننے کی بیان میں

بقدر ایک سانس کے بھی تیرا وقت نہیں گذرتا مگر اس میں تیرے لئے خدا کا امر مقدر کیا ہوا
ہے خواہ طاعت یا معصیت انعام یا ابتلا ظاہر ہوتا ہے۔ ف جو سانس بھی انسان کو آتا ہے اسمیں
حق تعالیٰ نے جو امر انسان کے لئے مقدر فرمایا ہے وہ ظاہر ہوتا ہی خواہ وہ امر طاعت ہو یا معصیت
نعمت ہو یا مصیبت غرض انسان ہر وقت یا توکسی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ حالت نفس کو پسند
ہوتی ہی وہ تو نعمت ہی بشرطیکہ معصیت نہو۔ اور یا اسکو مکروہ جانتا ہے وہ مصیبت ہے بشرطیکہ
وہ طاعت کی مشقت نہ ہو ان دونوں حالتوں میں سے کوئی نہ کوئی حالت ہر وقت رہتی ہے
اور ہر حالت کا ایک حق ہی جو اُسکے ذمہ ادا کرنا ضروری ہی نعمت کا حق تو یہ ہے کہ شکر کرے۔ اور
مصیبت کی حالت کا حق یہ ہے کہ صبر کرے پس بندہ کو لازم ہی کہ ہر سانس پر صابر شاکر رہنا ہے اور
ایک منٹ بھی اپنا ضائع نہ کرے

اغیار سے خالی ہونیوالے وقت کا انتظار نہ کر کیونکہ یہ تجھکو اُسکے مراقبہ اور نگہداشت سے جس حال
میں تجھکو ٹھیرا رکھا ہے جدا کر دیگا ف سالک پر جب حقتعالیٰ کا فضل متوجہ ہوتا ہے اور اس کے
قلب کو ذکر اللہ سے تعلق ہو جاتا ہے تو قلب کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کبھی اپنی کیفیت ذکر میں مشغول
ہوتا ہے اور ماسوا سے بالکل خالی ہو جاتا ہے اور کبھی دنیوی اشغال و افکار کی کدورت اُس پر
غالب ہوتی ہی تو اس میں لگجاتا ہے اور اسکی اصلی کیفیت مغلوب ہو جاتی ہی تو اُسوقت یہ شخص گھبراتا
ہے اور الجھن میں پڑتا ہے اور ان کدورات و تشویشات سے نکلنا چاہتا ہے اور اسی میں اُس کا
وقت بہت سا صرف ہو جاتا ہے اور اسکا منتظر ہوتا ہے کہ ان کدورات سے خلاصی ہو تو ذکر
میں مشغول ہوں تو ایسے سالک کے لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اغیار یعنی ماسوا اللہ سے خالی
ہونیوالے وقت کا انتظار نہ کر کیونکہ جس حال میں تجھکو مربی حقیقی نے ٹھیرا رکھا ہے یعنی تجھپر جو حال اس
وقت ظلمت و کدورت کی نوع سے وارد ہے اور اس میں تجھکو اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے یہ ایک

وقت ہی اسوقت میں تو نے اگر اپنے قلب کو اس فکر میں مشغول کیا کہ یہ کدورت جاتی رہے تو ذکر میں
مشغول ہونگا تو یہ امر تجھکو اسوقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف مراقبہ اور نگہداشت سے جدا کر دیگا اور یہ وقت
غفلت میں صرف ہوگا پس اس خیال ہی کو قطع کر دے کہ دوسرا وقت ان کدورات سے خالی ملیگا
اور سمجھ لے کہ بس یہی وقت ہے اور دوسرا وقت نہیں ہے اسلئے کہ دوسرے وقت کی تو خبر ہی نہیں
ہے کہ آئیگا یا نہیں۔ پس اس ظلمت اور کدورت و تشویش ہی کی حالت میں اپنے مولیٰ میں مشغول
رہ۔ سہل رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ فقیر کو راحت کسوقت ملتی ہے فرمایا فقیر راحت سے اسوقت
ہوتا ہے جب وہ جان لے کہ جو وقت مجھپر گذر رہا ہے بس یہی وقت ہے۔ اور جب یہ علم راسخ
ہوجاتا ہے تو کدورت و تشویشات بھی نہیں رہتی تو حقیقت میں یہ ارشاد شیخ کا ان کدورات
کا معالجہ ہے۔ یہ تقریر تو اس بنا پر ہے کہ جبکہ شیخ کے اس ارشاد کو سالک ذاکر شاغل کے لئے کہا
جاوے۔ اور جو لوگ دنیا میں مبتلا ہیں ان کو بھی شامل ہوسکتا ہے کہ اکثر دنیا میں پھنسے ہوئے لوگ
اسکے منتظر رہا کرتے ہیں کہ فلاں فلاں کام ہم کرلیں تو پھر فراغت سے یاد الٰہی میں مشغول ہونگے
جب وہ کام ہوجاتے ہیں تو دوسرے کام پیش آجاتے ہیں اس لئے کہ نفس کی تمناؤں کا تو
کہیں اختتام ہی نہیں اسی تمنا اور ارادہ ہی میں ساری عمر ختم ہوجاتی ہے اور کبھی وقت نہیں ملتا
تو ان کو ہدایت ہے کہ ان بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے منتظر نہ رہو بلکہ اسی حالت پریشانی میں
مولیٰ کی یاد میں لگو وہ خود بخود سب بکھیڑے دل سے دور کر دے گی۔

بجا آوری اعمال کو تیرا فارغ وقت پر ٹالنا تیرے نفس کی حماقتوں سے ہے ف یہ فقرہ
بھی پہلے ہی مضمون کے ہم معنےٰ ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب آدمی دنیا کے دھندوں میں مشغول ہوتا ہے
تو دنیا کے بکھیڑوں کا تو کوئی انتہا نہیں تو اعمال صالحہ کو فارغ اور خالی وقت پر ٹالنا اور یہ کہنا
کہ جب ان کاموں سے خالی ہونگا اسوقت عمل کروں گا یہ نفس کی حماقت ہے اور کسل ہے کہ جو وقت
موجود ہے اسکو تو برباد کرتا ہے اور آئندہ وقت جسکا حال معلوم نہیں کہ میسر ہوگا یا نہیں منتظر
ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عمر ختم ہوجاتی ہے اور خالی وقت میسر نہیں ہوتا دفعتاً

آجاتی ہے پس عاقل وہ ہے کہ جو وقت اسکو میسر ہے اسکو ہی غنیمت سمجھے اور کام کو دوسرے وقت پر ہرگز نہ ٹالے اور فراغ کا منتظر نہ رہے اسلئے کہ دنیا کے کاموں سے فراغ میسر ہونا محال ہے۔ ان دہندوں کو بھی چلنے دے اگر مباح ہوں اور اللہ کی یاد بھی کرے۔ اور اگر ناجائز ہوں تو اسیوقت ترک کردے۔

جسقدر تجھ پر اوقات میں حقوق (واجبہ عبادات ظاہرہ مثل صلوۃ وصوم کے ہیں) اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا ممکن ہے (اور معاملات باطنہ اور واردات قلبیہ جو اوقات کے حقوق ہیں) ان کی قضا کسیطرح ممکن نہیں ہے اسلئے کہ کوئی ایسا وقت نہیں کہ آئیں بجز خدا تعالیٰ شانہ کا حق جدید یا امر محکم لازم نہ ہو تو جب اس میں حق اللہ ہے ادا نہیں کرسکتا تو غیر کا حق اس میں کیونکر ادا کرسکیگا

ف جاننا چاہیے کہ بندہ کے ذمہ دو قسم کے حقوق یعنی عبادات ہیں ایک تو وہ حقوق جو اوقات معینہ میں واجب ہیں جیسے نماز روزہ کہ نماز کا ایک وقت خاص ہے اور روزہ کا ایک وقت معین ہے یہ حقوق اگر فوت ہوجائیں مثلاً نماز یا روزہ اگر قضا ہوجاوے تو ان کی قضا ممکن ہے کہ دوسرے وقت میں ان کو ادا کریں دوسری قسم اوقات کے حقوق ہیں یہ قسم حقوق کی ایسی ہے کہ ہر وقت ہے اسکا کوئی وقت معین نہیں اسلئے کہ یہ حق وقت کا حق ہے اور وقت کا وجود ہر وقت ہے اور وقت سے مراد بندہ کے وہ حالات ہیں جو نوبت بنوبت ہر وقت اسکے اوپر وارد ہوتے ہیں ان حالات کی چار قسمیں ہیں نعمت مصیبت۔ طاعت معصیت اسلئے کہ بندہ ان چار حالتوں میں سے کسی نہ کسی حال میں ضرور ہوگا یا تو نعمت میں ہوگا۔ یا مصیبت میں یا عبادت میں یا معصیت میں اور ان چاروں حالتوں کے جو حقوق ہیں وہ حقوق اوقات کہلاتے ہیں نعمت کا حق شکر مصیبت کا حق صبر۔ عبادت وطاعت کا حق اللہ تعالیٰ کے فضل کا مشاہدہ اور معصیت میں توبہ واستغفار وندامت پس کوئی وقت ایسا نہیں نکلیگا کہ اس میں بندہ کے ذمہ حق نہ ہو تو اگر یہ حقوق قضا ہوجاویں تو ان کی قضا ممکن نہیں ہے اسلئے کہ قضا کی حقیقت تو یہ ہے کہ عبادت کا جو اصلی وقت ہے وہ فوت ہوگیا اب ہم اپنے پاس سے وقت خرچ کرکے

اس عبادت کو ادا کریں اور یہاں یہ صورت ممکن نہیں اسلئے کہ جسوقت کو تم نے ان حقوق کی قضا کے لئے تجویز کیا ہے اسیں بھی اللہ تعالیٰ کا حق جدید اور امر محکم یعنی عبادت لازم ہے اسلئے کہ اس وقت میں بھی چار حالتوں میں سے کوئی حالت ہوگی اور حقوق وقت ہیں کہ کوئی حق اللہ کا مثل صبر شکر وغیرہ کے اس میں لازم ہوگا اور جب اللہ کا حق جو اسوقت کے متعلق ہے تو اس میں ادا نہیں کر سکا تو غیر کا حق جو اسوقت کے سوا جو دوسرا وقت گذر گیا ہے جسکا حق تو نے فوت کیا ہے اس کا حق اسوقت میں کیسے ادا کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسوقت کے اندر تم نے پہلے وقت کا حق قضا کرنا تجویز کیا ہے اسوقت کا بھی تو حق ہے جب تم اس کو ادا کروگے تو غیر وقت کا حق اس میں کیسے ادا کر سکتے ہو اور اگر غیر وقت کا حق ادا کروگے تو اسوقت کا حق فوت ہو جائیگا غرض اس کی قضا کسی طرح ممکن نہیں پس بندہ کو لازم ہے کہ حق وقت کو فوت نہ کرے بلکہ ہر سانس پر حق وقت کو ادا کرتا رہے اگر نعمت ہے تو شکر میں قلب کو مشغول کرے اور اگر مصیبت ہے تو صبر میں لگے۔ اور اگر عبادت وطاعت ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا مشاہدہ کرے اور اگر معصیت کی حالت ہے تو ندامت و استغفار میں مشغول ہو اسی واسطے بزرگوں نے کہا ہے کہ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے اور ابن الوقت ہونیکے یہی معنی ہیں کہ حقوق وقت ادا کرے۔

عمر گذشتہ کا عوض نہیں ہے اور عمر موجود بے بہا ہے ف انسان کی جو عمر گذر گئی ہے اسکا عوض اور بدلہ کچھ نہیں ہے تو اگر وہ اعمال صالحہ سے خالی گذری ہے تو اسکا اب کچھ تدارک نہیں ہوسکتا اور جو عمر اور وقت میسر ہے اسکی کوئی قیمت نہیں ہے دنیا ومافیہا بھی اسکی قیمت نہیں ہوسکتی۔ اسلئے کہ اسکے ذریعہ سے بندہ سعادت ابدی حاصل کر سکتا ہے اور دنیا سے کروڑوں حصہ زائد دولت حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اپنے انفاس کی رعایت فرماتے تھے۔ اور ایک سانس بھی ضائع نہ کرتے تھے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو ساعت بندہ پر غفلت میں گذری ہے وہ اسکے لئے حسرت اور ندامت کا باعث ہوگی اور اسوقت حسرت و ندامت کچھ کام نہ دیگی تو تمام شوغل سے خالی ہو اور پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہ ہو اور موانع کم ہوں تو بھی اس کی طرف

نہ چلے یہ پوری بے توفیقی اور رسوائی ہے ف آدمی خواہ کتنے ہی دنیا کے مشاغل میں اور عیال و اطفال کی وجہ معاش کی تلاش میں لگا ہوا ہو لیکن وہ ہر حال میں اپنے مولیٰ کی عبادت اور یاد اور اس کی طرف متوجہ ہونیکا مکلف و مامور ہے اسکو لازم ہے کہ دنیا کے دہندوں کو پس پشت ڈالے اور بقدر ضرورت پر اکتفا کرکے اور وقت نکالکر اپنے مولیٰ کی طرف لگے۔ اور اگر تمام وقت اپنا دنیا ہی کے قصوں میں صرف کردیا اور کوئی وقت ایسا اس نے نہ رکھا کہ جسمیں دولت اخروی کماوے تو بڑی رسوائی اور خسارہ اور بے توفیقی ہے اور قیامت میں یہ عذر کچھ نہ چلیگا کہ مجھے دنیا کے کام سے فرصت نہ تھی اور جسکو دنیا کا کوئی شغل نہیں وجہ معاش اسکو حاصل ہے اللہ تعالیٰ نے بفکر بنایا ہے اور باوجود بالکل فارغ ہونیکے اور وقت ملنے کے پھر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں نہ لگا۔ اور وقت کو برباد کیا۔ اور بیا موانع اور رکاوٹیں تو ہیں لیکن بہت کم ہیں وقت بہت خالی ملتا ہے لیکن اسپر بھی متوجہ الی اللہ نہ ہوا اور سچی دولت اور لازوال نعمت اور دین و دنیا میں دلکو ٹھنڈک پہونچانیوالی شئے حاصل نہ کی اور دنیا ہی کے لہو لعب اور اس جھوٹی اور دہوکی کی پونجی میں عمر کھودی تو یہ پوری پوری رسوائی اور خسارہ اور بے توفیقی ہے کہ افسوس ہے اسکے حال پر کہ اسکو وقت کی بے بہا دولت ملی اور اسکو اسنے ضائع کیا۔

ساتواں باب خدا تعالےٰ کے ذکر میں

ذکر میں حضور نہ ہونے کے سبب سے ذکر کو چھوڑ کیونکہ اثناء ذکر میں غفلت ہونیکے بہ نسبت ترک ذکر سے غفلت کا ہونا زیادہ سخت ہے اور کچھ بعید نہیں ہے کہ تجھکو اللہ تعالیٰ ذکر غفلت امیز سے ذکر بیداری تک اور ذکر بیداری سے ذکر حضور تک اور ذکر حضور سے اس ذکر تک جسمیں ماسوا مذکور حقیقی جل و علا کے سب سے غیبت ہو جائے بلند فرما دیوے اور اللہ تعالیٰ پر یہ کچھ دشوار نہیں ہے ف بہت سے ذاکر شاغل لوگ اس بات کی شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہمارا ذکر میں دل نہیں لگتا۔ وسوسے آتے ہیں اور اسی پریشانی میں بعض ذکر کو چھوڑ بھی دیتے ہیں تو شیخ علیہ الرحمۃ ایسے ہی لوگوں کی نسبت فرماتے ہیں کہ اے ذاکر ذکر میں حضور قلب نہ ہونے اور دل نہ لگنے کے سبب سے ذکر نہ چھوڑ اسلئے کہ اسوقت تو

ایک ہی آفت ہے کہ ذکر کی حالت میں وسوسے آتے ہیں دل نہیں لگتا جسکا حاصل یہ ہے کہ غفلت
ہو جاتی ہے اور دل دوسری طرف بٹ جاتا ہے لیکن ذکر کا وجود تو ہے اور اگر ذکر چھوڑ دیا تو ذکر ہی سے
غفلت ہو جاوے گی اور اثناء ذکر میں غفلت ہونیسے ذکر کو بالکل چھوڑ دینے کی غفلت بہت سخت ہے اس لئے
کہ ذکر اگرچہ غفلت کیساتھ ہو اس سے تو بہر حال بدرجہا بہتر ہے کہ بالکل ذکر نہ ہو کہ پہلی صورت میں
گو قلب غافل ہے لیکن زبان تو مشغول ہے اور دوسری صورت میں نہ زبان سے ہی ذکر ہوا اور
نہ دل سے اور زبانی ذکر بھی بہت بڑی دولت ہے کہ اگر زبان کو دوزخ سے نجات ہو گئی تو کیا
بقیہ اعضا کو نہ ہوگی اور آگے ہمت بڑھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ کیا بعید ہے کہ تجھکو اللہ تعالیٰ
اس غفلت آمیز ذکر سے کہ جس میں دل وساوس میں لگ جاتا ہے بلند فرماوے اور ان وساوس
کو دور فرماکر بیداری کا ذکر میسر فرماوے کہ جس میں قلب وساوس نفسانیہ کیطرف نہ جاوے اور ذکر
زبانی کیوقت قلب بیدار ہو۔ اور ذکر زبانی کی طرف اسکو توجہ ہو یعنی ذکر زبانی میں دل لگنے لگے۔
اور پھر اس سے آگے اور ترقی عنایت فرماوے کہ ذکر بیداری سے اس ذکر کیطرف بلند فرماوے کہ
جسکے ساتھ حضور بھی ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ ذکر بیداری میں تو صرف اسقدر امر تھا کہ قلب زبان
کے ذکر کیطرف متوجہ تھا اور بیدار تھا وساوس کی طرف جانا چھوڑ دیا تھا۔ اور ذکر حضور میں ذکر قلب
کی صفت ہو جاوے کہ جیسے دیکھنا آنکھ کی صفت ہے ایسے ہی ذکر قلب کی صفت لازمہ غیر منفک
ہو جاوے لیکن اس صورت میں بھی قلب کو احساس اور ادراک اس امر کا ہوتا ہے کہ ذکر میری
صفت ہے اور میں ذاکر و حاضر ہوں پھر کیا عجب ہے کہ حقتعالیٰ اور ترقی عنایت فرماوے کہ ذکر حضور سے
ایسے ذکر کیطرف مشغول فرماوے کہ اس میں سوائے مذکور حقیقی یعنی حق تعالیٰ شانہ کے ماسواے بالکل
ہی قلب غائب ہو جاوے یعنی قوائے ادراکیہ اور تمام حواس پر ذکر کا ایسا غلبہ ہو کہ بس اللہ اللہ رہ
جاوے اسکا شعور و ادراک نہ رہے کہ میں ذاکر ہوں اور اللہ تعالیٰ مذکور ہے اور میں حاضر ہوں اس لئے
کہ اس ذکر میں بھی ایک قسم کی غفلت ہے کہ اپنے نفس کا ادراک اس میں بھی موجود ہے اور جب اس
قوت ادراک پر بھی ذکر کا غلبہ ہوگا تو یہ علم بھی جاتا رہے گا کہ میں ذاکر ہوں۔ یہ بھی ماسوا میں داخل ہو کر

قلب سے فنا ہو جائیگا اور لا الہ الا اللہ میں الہ میں داخل ہو کر لا کے تحت میں داخل ہو جائیگا۔ اب کسی کو تعجب ہو کہ بھلا ہمکو یہ مرتبہ کہاں نصیب یہ تو بڑا مشکل ہے تو شیخ رحمۃ اللہ اسکا جواب دیتے ہیں کہ دشوار تو جب ہی جبکہ ہم یہ کہیں کہ تم کوشش کر کے اس مرتبہ کو حاصل کر دیہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ پر کچھ دشوار نہیں ہے اس لئے مایوس نہ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے تجھکو تین طرح سے بزرگی عطا فرمائی اول تجھکو اپنا ذاکر بنایا اور اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو تیری زبان و قلب پر اسکے ذکر جاری ہونیکا تو اہل نہ ہوتا دوسرے اپنی نسبت تیری طرف ثابت فرما کر تجھکو اپنی نسبت کیساتھ خلائق کا مذکور ٹھیرایا۔ (اور ولی اللہ وصفی اللہ وغیرہ القاب سے ذکر کرایا) تیسرے تجھکو اپنے یہاں ذکر کر کے اپنا مذکور بنایا۔ اور اپنی نعمت کا تجھپر اتمام فرمایا۔ **ف** اس کلام میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب بندہ ذاکر و مطیع کو ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے بندہ ذاکر تجھکو حقتعالیٰ شانہ نے تین قسم کی بزرگی عطا فرمائی کہ وہ تینوں قسمیں ملکر تیرے لئے بے انتہا خوبیوں اور کمالات کا ذخیرہ ہو گئیں اور حقتعالیٰ کی رحمت وانعام تجھپر کامل درجہ ہوئی سب سے پہلے بزرگی تو یہ ہے کہ تجھکو اپنا ذاکر بنایا کہ زبان اور دل سے اور اعضاء جوارح سے تو اسکا ذکر اور عبادت بجالا رہا ہے اور اگر اسکا فضل تیرے حال پر نہ ہوتا تو تیرا قلب اور زبان کب اس قابل تھا کہ احکم الحاکمین اور اس پاک ذات کا ذکر اسپر جاری ہو اور تو کیسے اسکا اہل تھا کہ سارے بادشاہوں کے بادشاہ کی طاعت و عبادت کرسکے اسلئے کہ نقص اور کاہلی اور سستی تیری ذات کے اندر داخل ہے اور پھر تیری طرح بلکہ ظاہری صورت شکل میں تیرے سے اچھے اور آدمی بھی تو ہیں یہ فضل اور رحمت ہی ہے کہ لاکھوں کروڑوں مخلوق کو غفلت میں ڈالا اور تجھکو اپنے ذکر میں لگایا ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی + منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

دوسری بزرگی تجھکو یہ عطا فرمائی کہ تجھکو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ اپنا دوست تجھکو کہا اور اس نسبت کیساتھ خلقت کی زبان سے تیرا ذکر کرایا کہ لوگ تجھکو ولی اللہ (اللہ کا دوست) اور صفی اللہ (اللہ کا برگزیدہ) اور اللہ والا کہتے ہیں یہ کتنے بڑے شرف کی بات ہے اگر آج دنیا میں ایک ادنیٰ بادشاہ

یا حاکم کسی کو کوئی خطاب یا لقب دیتا ہے تو مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا اور اگر کوئی بادشاہ کسی ادنیٰ رعا کے آدمی کو اپنا دوست کہدے اور اپنے لوگوں کو حکم کردے کہ اسکو ہمارا دوست کہو تو اسکے فخر او رمسرت کی کوئی انتہا ہی نہیں رہتی تو جب ادنیٰ بادشاہ کہ جس کی بادشاہی محض خیالی اور وہمی اور مجازی ہے اسکی طرف منسوب ہونے اور تعلق ہو جانے پر یہ حال ہو تو جسکی بادشاہی حقیقی ہے اور جسکے اوپر کوئی بادشاہ نہیں ہے وہ کسی کو اپنا کہے اور اپنی طرف منسوب کرے تو اس بزرگی کی کیا انتہا ہے۔ تیسری بزرگی تجھکو یہ عطا فرمائی کہ اپنی مجلس میں تیرا ذکر کرکے تجھکو اپنا ندکور بنایا کہ وہ بے نیاز ذات تیرا ذکر فرماتا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھکو اپنے جی میں یاد کرتا ہے میں بھی اسکو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھکو محفل میں یاد کرتا ہے میں اسکو ایسی محفل میں یاد کرتا ہوں کہ وہ محفل اسکی محفل سے بہتر ہے یعنی ملائکہ کی محفل اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بندہ ذاکر کو اللہ تعالیٰ یاد فرماتا ہے اور خود اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے اذکرونی اذکرکم یعنی تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا اور اس سے بڑھکر کونسی بزرگی ہوگی کہ بندہ جس کی حقیقت ایک مشت خاک ہے اس خاکی پتلہ کو رب الارباب اور شاہنشاہ یاد فرمادے پس ان تین بزرگیوں سے لے ذاکر تجھ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کامل و تمام فرمائی۔

ظاہر ذکر بدون باطنی مشاہدہ اور فکر کے نہیں ہوتا ہے۔ ف بندہ سے جو طاعت و عبادت و ذکر اس عالم میں ظاہر ہوتی ہے وہ بدون اسکے نہیں ہوتی کہ بندہ کے اس عالم میں آنے سے پہلے اسکی روح کو حق تعالیٰ نے اپنی وحدانیت و حقائق کا مشاہدہ نہ کرایا ہو بلکہ جو بندہ طاعت و عبادت و ذکر کرتا ہے اسکی روح پہلے سے باطنی مشاہدہ کرچکی ہے اسکا اثر اس عالم میں ظاہر ہوتا ہے گو اس بندہ کو اسکی خبر نہ ہو اور وجہ اس خبر نہ ہونیکی یہ ہے کہ اس عالم میں جب روح اس جسم کی مقید ہوئی تو اس جسم کے عوارض کا اسپر غلبہ ہوتا ہے اور اس عالم کے واقعات سے بیخبر ہوجاتی ہے اور جسکو حقتعالیٰ چاہتے ہیں اس کو اسکا علم بھی عطا فرمادیتے اور موانع کو اٹھادیتے ہیں۔

آٹھواں باب فکر کے بیان میں

قلب کا سیر کرنا اغیار یعنی مخلوقات کے وسیع میدانوں میں فکر ہے ف۔ اغیار سے مراد خالق کے

سواجو مخلوقات ہیں آسمان سے زمین تک جو مخلوقات کی انواع ہیں ان کو میدان سے تشبیہ دی ہے فکر کی حقیقت قلب کا ان میدانوں میں گھومنا ہے اور ان میدانوں میں گھومنے سے یہ مراد ہے کہ مخلوقات الٰہیہ میں حقتعالیٰ کی قدرت کے کرشموں اور عجیب و غریب تصرفات کا جو ہر وقت ہوتے رہتے ہیں مشاہدہ کرے کہ کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے کوئی فقیر ہے کوئی غنی ہے اور اس عالم کے ان عجائبات سے عبرت حاصل کرے اور نیز حقتعالیٰ کی صفات کمال و جمال و جلال کا مطالعہ کرے یہ فکر اسکو خالق تک پہنچائیگا اور اسکا یقین کامل ہوگا کہ میرا خالق بڑا علیم حکیم اور جلال و عظمت والا ہے لیکن خالق کی ذات میں فکر سے ہمکو منع کیا گیا ہے اس لئے کہ ہمارے فکر کی وہاں رسائی نہیں اس میں خوف دائرہ دین سے نکل جانے اور مردود ہونے کا ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ خالق کے متعلق بس اسقدر ایمان رکھے جسقدر بتلا دیا گیا ہے ؎

دور بینان بارگاہ الست　　　　غیر ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

اور طاعات و معاصی میں فکر کرے کہ فلاں طاعت کا یہ ثواب ہے اور فلاں معصیت پر یہ عذاب ہے اور نیز حق تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرے کہ مجھپر کسقدر نعمتیں اس منعم حقیقی کی ہیں اور دنیا و مافیہا کے فنا ہونے میں فکر کرے یہ سب فکر کی قسمیں مقصود و محمود و مامور بہ ہیں۔

فکر قلب کا چراغ ہے جب وہ نہ رہے گا تو قلب کی روشنی بھی جاتی رہیگی ف فکر جسکی حقیقت اوپر بیان کی گئی ہے قلب کے لئے بمنزلہ چراغ کے ہے اور قلب بدون فکر کے مثل اندھیری کوٹھری کے ہے کہ بدون شمع و چراغ کے کچھ علم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا ہے اسی طرح بدون فکر کے کسی شئی کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور جب فکر کرے گا تو اس سے حقائق اشیا قلب پر منکشف ہونگی اور حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا اور دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کا باقی ہونا کھلی آنکھوں معلوم ہوگا اور حق تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اسکا قہار و جبار و منعم حقیقی ہونے کا مشاہدہ ہوگا اور نیز اپنے نفس کے مخفی عیوب اور نفس کے حیلے بہانے اور دنیا کا جلتے غرور ہونا مفصل معلوم ہوگا اور اگر فکر جاتا رہا تو قلب مثل اندھیری کوٹھری کے رہ جاوے گا کہ کسی شئی کی اسکو تمیز نہ رہے گی۔

فکر دو طرح سے ہے ایک فکر تو تصدیق اور ایمان کی اور دوسری فکر مشاہدہ اور اعیان کی.

پہلی تو اہل اعتبار یعنی سالک کے لئے ہے اور دوسری اہل مشاہدہ و معائنہ یعنی مجذوبوں کے لئے

ف جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندے دو قسم پر ہیں سالک و مجذوب۔ سالک وہ ہے جو آثار
و احوال سے استدلال کر کے موثر تک پہنچے یعنی مخلوقات و مصنوعات الٰہیہ میں اول اسکا قلب سیر کرتا
ہے اور اس سے اسکو اسمائے الٰہیہ و اوصاف الٰہیہ تک راہ ملتی ہے مثلاً مخلوقات کو دیکھا کہ گناہ کر رہے
ہیں کفر کر رہے ہیں اور سزا نہیں ملتی تو اسکی جزئیات میں فکر کرنے سے اسکے قلب کو مشاہدہ ہوا کہ وہ
حلیم ہے اور حلم اس کی صفت ہے۔ اور مثلاً اشیاء کے حسن و جمال و موزونیت و صنعت کو دیکھکر اسکے
حکیم ہونے کا مشاہدہ ہوا پھر اسماء و صفات میں مشاہدہ کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ قلب کو ذات پاک تک راہ ملجاتی ہے تو یہ
شخص آثار سے استدلال کر کے موثر یعنی ذات تک پہنچا اور مجذوب وہ ہے کہ موثر سے استدلال کر کے آثار پر پہنچے یعنی
اول اسکے قلب کو ذات پاک کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے پھر اس سے واپس کیا جاتا ہے اور صفات و اسماء کے اندر سیر کرتا ہے
اور پھر اس سے مخلوقات و مصنوعات کی سیر میں آتا ہے پس سالک تو نیچے سے اوپر کو لیجایا جاتا ہے
اور مجذوب اوپر سے نیچے کو اتارا جاتا ہے مگر یہ حال ان کا ہے جنکے حال کی تکمیل اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتی
ہے۔ ورنہ بعض جذب ہی کی حالت میں رہتے ہیں اور بعض سالک درمیان ہی میں رہجاتے ہیں۔

اسکے بعد سمجھو کہ شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ فکر جس کی حقیقت مخلوقات کے میدانوں میں گھومنا ہے دو قسم پر
ہے اول فکر تصدیق اور ایمان کی یعنی وہ فکر جسکا منشا تصدیق اور ایمان ہے اور محض اللہ و رسول کو سچا
جاننے اور مومن ہونے سے پیدا ہوا ہے معائنہ و مشاہدہ سے پیدا نہیں ہوا یہ فکر سالکوں کا ہے کہ مخلوقات
و مصنوعات الٰہیہ میں فکر اور استدلال کر کے خالق تک پہنچتے ہیں اور اس فکر کا منشا ایمان ہے دوسرا فکر
مشاہدہ اور معائنہ کا یعنی اسکا منشا مشاہدہ و معائنہ ذات پاک کا ہے صرف ایمان و تصدیق اسکا سبب نہیں ہے
کہ وہ خالق تعالیٰ شانہ کے مشاہدہ و معائنہ سے فکر کرتے کرتے مخلوقات و مصنوعات تک پہونچتے ہیں
سالک کے علم کا حاصل تو یہ ہوگا کہ یہ شئے مصنوع اور مخلوق ہے تو ضروری ہے کہ اسکا خالق و صانع بھی ہے
تو اس کی نظر قلب اول مخلوق پر ہوئی اسکے بعد خالق و صانع کا مشاہدہ ہوا اور مجذوب کے علم کا خلاصہ

یہ ہوگا کہ خالق و صانع و رحمن و رحیم موجود ہے لہٰذا مخلوق و مصنوع و مرحوم بھی ہے تو اسکی نظر قلب اول خالق پر ہوتی ہے اور اُس سے استدلال کر کے مخلوق تک پہنچتا ہے اسی واسطے سالک ہوش و حواس والا ہوتا ہے اور مجذوب سے اکثر حرکات خلاف عقل ہوتی ہیں لیکن سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سب علوم قلبی ذوقی و وجدانی و ذہبی ہیں علم ظاہری اور کسب سے اسکا تعلق نہیں ہے۔

نواں باب زہد اور اس کی فضیلت کے بیان میں

جو عمل تارک الدنیا کے قلب سے ہو وہ تھوڑا نہیں اور جو عمل دنیا کے حریص خدا تعالیٰ سے غافل کے قلب سے ہو وہ زیادہ نہیں۔ ف جب تک انسان کے اندر حب دنیا اور جاہ کا غلبہ رہتا ہے اُسکے نیک اعمال کے اندر اخلاص نہیں پیدا ہوتا اغراض دنیویہ اور نفسانی خواہشیں ہر جگہ اور ہر عمل میں اپنا غلبہ اور زور دکھاتی ہیں اور قبولیت اعمال کی درگاہ الٰہی میں اُسوقت ہے کہ جب عمل ان آفتوں سے خالص ہو ایسا شخص اگر نماز بھی پڑھتا ہے تو اس میں بھی نفس کوئی غرض دنیوی شامل کر دیتا ہے اور جس بندہ پر فضل ہو جاوے اور نفس اسکا حب دنیا و حب جاہ کے غلبہ سے پاک ہو جائے اسکا جو عمل ہے خواہ دین کا ہو یا دنیا کا وہ اخلاص پر مبنی ہوتا ہے اور منشا اُسکا للہیت ہوتی ہے اسلئے کہ دنیا تو دل سے نکل ہی جاتی ہے بس تارک الدنیا جو عمل کرے اگرچہ وہ مقدار میں کم معلوم ہو وہ تھوڑا نہیں ہے اسلئے کہ گو مقدار میں کم ہے مگر چونکہ اس عمل کے اندر مغز اور روح موجود ہے اسلئے اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور بہت ہے اور دنیا کا حریص اور جس کا دل اللہ تعالیٰ سے غافل ہے اگرچہ ظاہر میں بڑے بڑے اعمال نیک کرے لیکن چونکہ منشا ان اعمال کا ابھی تک صحیح نہیں ہوا اور قلب کے اندر روگ موجود ہے اسلئے وہ بہت نہیں ہیں اسلئے کہ آفات مثل ریا و تصنع و اغراض نفسانی و شیطانی سے ہرگز خالی نہیں گو یہ شخص خالی سمجھے پس قابل اہتمام اور ذکر قلب سے ماسوی اللہ کو نکالنا اور قلب کو تصفیہ و تزکیہ ہوا تاکہ اسکے بعد جو عمل بھی ہو با مغز اور روح لیا ہوا ہو اگرچہ وہ عمل کم ہی ہو لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان آفات کی وجہ سے عمل نیک کو ترک نہ کرنا چاہیے اسلئے کہ نہ کرنے سے تو بہرحال کرنا بہتر ہے اور نیز یہی نیک عمل کشاں کشاں اخلاص تک بھی پہنچا دے گا۔

خوش کرنیوالی دنیاوی چیزیں کم ہوئی جائیں غمگین کرنیوالی چیزیں کم ہوجاوینگی ف انسان غم اور رنج کا اکثر سبب دنیا کی چیزوں کا ضائع ہونا ہوتا ہے مثلاً مال جاتا رہا یا کپڑے جلتے رہے یا باغ جل گیا وغیرہ اور فرحت وخوشی کا سبب ان چیزوں کا ملتا ہوتا ہے تو اگر کوئی یہ چاہے کہ مجھے غم اور رنج کم ہو تو اسکو چاہیے کہ دنیا کی خوش کرنیوالی چیزیں اپنے پاس سے کم کر دے پھر غمگین کرنیوالی کوئی چیز بھی نہ رہے گی اسلئے کہ غم تو دنیا کی چیز کے جانے سے تھا جب وہ چیز ہی نہ رہی تو غم کیسا اور جسقدر دنیا کی چیزیں زیادہ ہوں گی اسیقدر غموم اور افکار بھی قلب پر طاری ہوں گے اور قلب کو چین نہ ملے گی چین اور راحت ان چیزوں کے چھوڑنے ہی میں ہے پس عاقل وہ ہے کہ دنیا میں سے قدر ضرورت پر اکتفا کرے اور زوائد کو حذف کرے۔ اور دارین کی راحت حاصل کرے۔

اگر تو چاہے کہ معزولی کے غم سے محفوظ رہے تو بے ثبات اور ناپائدار ولایت دنیاوی اختیار نہ کر۔

ف یہ ارشاد شیخ کا پہلے ارشاد کی بطور مثال کے ہے خلاصہ یہ ہے کہ دنیوی حکومت اور ولایت ناپائدار ہے اسکو اختیار نہ کرو اسکا ثمرہ یہ ہوگا کہ معزول ہونیکے غم سے تم کو نجات رہیگی۔ اور اگر دنیا کی فانی حکومت اختیار کی تو اگر معزول اور برخاست کیے گئے تو اسکا تم کو غم ہوگا اور اگر فرض کرو معزول نہ ہوئے تو موت تو ضرور ہی آویگی اسوقت لامحالہ یہ حکومت چھوڑنا پڑے گی اور اسکے چھوٹنے کی حسرت ہوگی تو اگر یہ منظور رہے کہ معزولی کا غم نہ ہو تو اس ولایت وحکومت ہی کو اختیار نہ کرو۔

اگر تجھکو ولایت وحکومت دنیاوی کی ابتداء اس کی طرف رغبت دلاتی ہے تو اس کی انتہا

(معزولی یا موت کیساتھ) اس سے بے رغبت کرتی ہے۔ اگر اسکا ظاہر تجھکو اسکی طرف بلاتا ہے تو اس کا باطن تجھکو اس سے روکتا ہے ف دنیوی حکومت وشوکت اور جاہ وجلال کی ابتدا تو بڑی رونق دار اور دلکش ہے کہ جسکو حاصل ہوجاتی ہے۔ وہ لوگوں کی نظروں میں معزز ومکرم ہوجاتا ہے اور خود اس کا نفس بھی خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا اور سیاکی ابتدائی حالت ہی لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور بلاتی ہے لیکن اس کی انتہائی حالت یہ ہے کہ یا تو اس شخص کی حیات ہی میں برخاستگی اور معزولی ہوتی ہے یا موت سے وہ چھوٹ جاتی ہے۔ اور اکثر حکومت میں حدود شرعیہ کی رعایت نہیں رہتی ظلم اور

جور و تعدی اسکا گویا لازمہ ہے تو معزول ہونے کیوقت اسکے چھوٹنے کا غم ہوتا ہے اور موت کیوقت
چھوٹنے کی حسرت علیحدہ اور جور و ظلم کی وجہ سے ندامت اور غم و حزن کا انبار اور حقوق العباد کا بار
جدا ہوتا ہے تو اس کی انتہا اس سے بے رغبت کرتی ہے اسی طرح امر دنیوی حکومت کا ظاہر حال کہ عزت
ہے اور حکام اور بادشاہ وقت کی نظروں میں اعزاز اور مال ملنے کی وجہ سے حسب دلخواہ کہانا پہننا ہے
اپنی طرف کھینچتا ہے لیکن اسکا باطن کہ درحقیقت یہ حکومت اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرنیوالی اور
سراسر ضرر آخرت کا باعث ہے تجھکو اس سے روکنے والا ہے پس عاقل وہ ہے جو عاقبت اندیش ہو۔
اور کسی شئی کے ظاہر حال اور ابتدائی حالت سے دہوکہ نہ کہاوے اور اسکی نظر انجام اور حقیقت پر ہو ؎

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست … مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

خدا تعالیٰ نے دنیا کو اعتبار کا محل اور کدورتوں کا معدن اسلئے بنایا کہ تجھکو اس سے بے رغبت کرے

ف دنیا کو اللہ تعالیٰ نے مقام عبرت اور کدورات و پریشانیوں کا معدن بنایا ہے کہ رات دن
ایسے ایسے واقعات عبرتناک ہوتے رہتے ہیں کہ عاقل ان سے عبرت حاصل کرسکتا ہے۔ اور ایسی بلائیں
و مصائب آتی رہتی ہیں کہ جن سے بڑی نصیحت ملسکتی ہے کوئی شخص اپنے مقاصد و مطالب حاصل نہیں
کرسکتا ہے آدمی چاہتا ہے کہ میں تندرست رہوں لیکن امراض اسکو نہیں چھوڑتے۔ چاہتا ہے کہ مال ملے
لیکن بجائے اسکے تنگدستی اور افلاس ہوتی ہے۔ چاہتا ہے کہ اولاد ملے لیکن اسی کے غم میں عمر گذر جاتی ہے
یا اولاد ہوتی ہے اور سامنے گذر جاتی ہے غرض دنیا تشویشات و کدورتوں سے پر ہے۔ لیکن اسمیں
حقتعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ ان حوادث و مصائب و عبرتوں سے آدمی اس سے بے رغبت ہوجاتا ہے اور
اسکو ایسا بنانے میں یہی حکمت ہے۔ تاکہ اپنے بندوں کو اس مردار سے علیحدہ کرے۔

اللہ تعالیٰ جانتا تہا کہ تو صرف نصیحت قبول نہ کریگا تو اس لئے دنیا کے مصائب کی چاشنی
کا ایسا ذائقہ چکھایا جو تجھپر دنیا کی مفارقت سہل کردے

ف جس شخص کے اندر دنیا اور دنیا کی لذتوں کی
نہیں رکھی گئی اور عقل ان کی سلیم ہے اسکے لئے تو نری نصیحت اور قرآن و حدیث و وعظ کافی ہے۔
لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ بہت سے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کے قلوب میں لذات دنیوی اور خباثت

کی محبت جمی ہوئی ہے اور عقل ان کی کم ہے تو ایسوں کو نری نصیحت کافی نہیں تو ان کو دنیا کے مصائب
اور غم و رنج کے ایسے مزے چکھاتے ہیں کہ ان کا دل اس مردار سے افسردہ اور پژمردہ ہو جاتا ہے
اور اسکو چھوڑ دینا ان کو سہل ہو جاتا ہے اور بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ باوجود ان مصائب کے
بھی ان کو عبرت نہیں ہوتی لیکن بہتیرے مسلمانوں کا حال یہی ہے کہ مصائب اٹھا کر متوجہ الی اللہ
ہو جاتے ہیں اور بہ نسبت سابق ان کی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔

طے حقیقی (جو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کرامت فرماتا ہے) یہ ہے کہ تو دنیا کی مسافت کو اپنی نظر بصیرت
سے یہاں تک لپیٹ کر رکھ دے کہ آخرت تجھ کو تجھ سے قریب تر نظر آنے لگے۔ ف طی ارض تصرف
یا کرامت کی اقسام میں ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ بعض اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ یہ کرامت عطا فرماتا ہے کہ وہ بڑی
مسافت کو ایک لمحہ میں قطع کر لیتے ہیں۔ شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ طی ارض کوئی شے مقصود نہیں ہے
اسلئے کہ اسکا مدار ولایت مقبولہ پر نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کو طے ارض کا تصرف
حاصل ہو وہ مقبول ہی ہو ممکن ہے اور عجب نہیں کہ واقع بھی ہو کہ کوئی شخص ریاضت کر کے ایسا تصرف
حاصل کر لے اور متبع شریعت نہو اور یا بطور استدراج اور مکر کے کسی کے اندر ایسا وصف عنایت
ہو جاوے اور اگر کسی مقبول کے اندر بھی ہو تب بھی کوئی مقصود نہیں ہے حقیقی طی یعنی سچے رستہ کا قطع کرنا
تو یہ ہے کہ تم اپنے قلب کے سامنے سے اس دنیا کی مسافت کو قطع کر دو اور بالکل لپیٹ دو یعنی دنیا اور
دنیا کی لذتیں اور بیجا خواہشیں قلب کے اندر تو کیا قلب کے سامنے بھی نہ رہیں ایسی حالت ہو جاوے جیسے کسی
راستہ کو طے کر لیا ہو۔ اور وہ نظروں کے سامنے نہیں رہتا اور اتنا اس راستہ کو طے کر دو اور دنیا کو دل کے
سامنے سے علیحدہ کر دو کہ آخرت پیش نظر ہو جاوے اور اتنی قریب ہو جاوے کہ تم کو اپنے وجود سے بھی
زیادہ قریب دکھائی دینے لگے۔ اور اپنے وجود سے زیادہ قریب قلب کو اسلئے نظر آوے گی
کہ اس سالک کا وجود بھی جب ماسوا میں داخل ہے۔ تو قلب اسکو بھی طے کریگا اب اپنے وجود سے
بڑھکر آخرت زیادہ قریب قلب کے ہو جاوے گی۔ اور دنیا کی مسافت اسوقت طے ہوتی ہے جب
اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب میں نور یقین القا فرما دیں کہ اسکی روشنی سے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

کا مضمون ہو جاوے۔ اُسوقت دنیا نظر قلب سے بالکل معدوم ہو جاویگی وذلک فضل اللہ یوتیہ من
یشاء وما ذلک علی اللہ بعزیز رزقنا ھا اللہ تعالےٰ آمین۔

اگر یقین کا نور تجھ پر روشن ہو جاتا تو آخرت کو اپنے نفس سے آخرت کیطرف کوچ کرنے کی
بہ نسبت قریب تر دیکھتا اور دنیا کے محاسن پر فنا کے گہن کو ظاہر دیکھ لیتا۔ ف لئے شخص جو کچھ اللہ
ورسول نے تجھ سے وعدہ فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ دنیا فانی اور باطل اور دھوکہ کی جگہ ہے اور آخرت
باقی اور حق اور سچا گھر ہے اگر تجھکو اسکا یقین کامل ہو جاتا۔ اور اس یقین کا نور تیرے دل پر چمک جاتا
کہ اسکے ذریعہ سے تو اللہ اور رسول کے وعدوں اور فرمائی ہوئی باتوں کو سورج سے زیادہ روشن
پاتا تو آخرت تیرے دل کے بالکل سامنے ہوتی اور اسقدر قریب ہوتی کہ اس کی طرف کوچ کرکے
جانے سے بھی زیادہ قریب ہوتی اسلئے کہ کوچ کرکے جانا کسی شئی کیطرف جب ہوتا ہے جبکہ وہ
شئے کچھ مسافت پر ہو۔ اور جب اپنے نفس سے بھی زیادہ قریب کوئی شئی ہو تو اس کیطرف کوچ
کرنا اور جانے کا تہیہ کرنیکی ضرورت نہیں اور دنیا کی ظاہری خوبیاں اور بناؤ سنگار جو تجھ کو سورج
کیطرح چمکتی دمکتی دکھائی دیتی ہیں انپر فنا کا گہن اور دھبہ لگا ہوا کھلی آنکھوں دیکھ لیتا۔ اور وجہ اسکی
یہ ہے کہ نور یقین وہ چیز ہے کہ جب کسی بندہ کے دل میں ڈالدیا جاتا ہے تو اسکو حقائق اشیاء واضح
ہو جاتی ہیں اور یہ ہر کوئی جانتا تو ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔ اور اللہ ورسول نے جو
کچھ فرمایا ہے حق ہے اور اسپر سب مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن نور یقین جب حاصل ہوتا ہے تو اسوقت
یہ سب باتیں ایسی نظر آتی ہیں جیسے آنکھ سے کسی چیز کو دیکھ لیا جاوے اور اسکے آثار یہ ہوتے ہیں
کہ وہ شخص دنیا کو پس پشت ڈالدیتا ہے اور اسکی تمام تر سعی آخرت کے لئے ہوتی ہے اور اسکے نفس
کی بیجا خواہشیں اسرد ہو جاتی ہیں اور وقت کو غنیمت جانتا ہے۔ رزقنا اللہ تعالیٰ آمین۔

موجودات دنیا کی زیب و زینت ظاہری فریب اور دھوکہ ہے اور اسکا باطن عبرت انگیز ہے
پس نفس تو اسکے ظاہری فریب کی طرف دیکھتا ہے اور قلب اسکی باطنی عبرت کیطرف نظر کرتا ہے
ف دنیا کی تمام چیزوں کی زینت و زینت ظاہری فریب اور دھوکہ ہے کہ نفس دھوکہ میں آکر ان

چیزوں کے پیچھے پڑتا ہے اور آخرت کو بھول جاتا ہے اور باطن اور حقیقت ان چیزوں کی عبرتناک
ہے۔ اور یہ مضمون دنیا کی ہر شے میں ظاہر ہوتا ہے دیکھو وہ کھانا کہ جسکو سروں پر رکھکر لاتے ہیں اور
دسترخوان پر چنا جاتا ہے کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن جب کھالیتے ہیں تو اس کی حقیقت ایسی منقلب
ہو جاتی ہے کہ اس کی طرف دیکھا بھی نہیں جاتا علیٰ ہذا ہر شے کو دیکھو کہ ظاہر اسکا چکنا چپڑا مزین ہے
اور انجام اور حقیقت اسکی کچھ بھی نہیں ہے پس نفس تو اس کی ظاہری چمک دمک دیکھکر اُسپر فریفتہ اور
شیدا ہوتا ہے اور اسقدر فریفتگی اسپر بڑھتی ہے کہ دین اور شریعت کو بھی پس پشت ڈالدیتا ہے اور قلب
سلیم اس کی حقیقت کہ فنا ہونا ہے۔ اور باطنی عبرت کو دیکھتا ہے تو اگر توفیق الٰہی شامل حال ہے
اور عقل سلیم اس بندہ کو عطا ہوئی ہے۔ تو نفس کو اس ظاہری چمک دمک سے روکتا ہے اور اس کا
فنا ہونا اور لاشی ہونا پیش نظر ہو جاتا ہے اور اسپر اندھوں بہروں کی طرح نہیں ٹوٹ پڑتا۔ بلکہ قدر
ضرورت پر اکتفا کر کے الگ ہو جاتا ہے اور دائمی اور باقی رہنے والی دولت کے درپے ہوتا ہے

اگر تو دائمی عزت کا خواہاں ہے۔ تو فانی عزت کو اختیار نہ کر۔ ف دنیا کی عزت کی حقیقت مال
اور جاہ ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں یا تو زندگی ہی میں آدمی سے جدا ہو جاتی ہیں اور یا آدمی ان سے
جدا ہو جاتا ہے غرض یہ عزت فنا ہونیوالی ہے۔ تو اگر تو نے ان چیزوں سے عزت حاصل کی یعنی دنیا کا
مال اور مرتبہ اختیار کیا اور اپنے مولیٰ سے غافل رہا تو اس تیری عزت کو بقا نہیں اسلئے کہ جس شی
سے عزت حاصل کی ہے وہ خود فانی ہے اور سچی اور باقی رہنے والی عزت یہ ہے کہ انسان
کے قلب کو اسباب دنیوی سے تعلق نہ ہو۔ اور قلب باقی رہنے والی ذات پاک کے تعلق
کیساتھ غنی ہو اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی دی جائے تو قلب اس سے بھی بے نیاز ہو اسلئے
کہ ہفت اقلیم کی سلطنت احکم الحاکمین کے تعلق کے سامنے پر پشہ کی برابر بھی نہیں ہے۔ دیکھو اگر بادشاہ
وقت کے ساتھ کسیکو تعلق دوستی کا ہو تو اس کی نظروں میں اس تعلق کے سامنے مال و دولت کی
کچھ بھی قدر نہیں رہتی پس یہ عزت اگر کسی کو درکار ہو۔ تو عزت فانیہ کو چھوڑ دے اور یہ سچی
عزت زندگی میں بھی اسکے ساتھ ہے۔ اور مرنے کے بعد تو اسکا ظہور تام و کامل ہو ہی گا۔

دسواں باب فقر وفاقہ کے بیان میں

فاقوں کا نازل ہونا مریدوں کی عید ہے۔ ف عید خوشی اور مسرت کے دن کو کہتے ہیں اور مسرت انسان کو اس کی طبع کے موافق شے ملنے سے ہوتی ہے پس عوام کی عید تو اُسدن ہی جبکہ ان کو ان کے حسب دلخواہ کہانا اور کپڑا اور دنیوی مال و عزت و آبرو ملے اور جو اللہ کے خاص بندے ہیں جنکا دل حقتعالیٰ کیساتھ وابستہ ہوگیا ہے اور سچا تعلق ان کو ذاتِ باری کیساتھ پیدا ہوگیا ہے ان کی عید اپنے نفس کے مزے اور آرزوئیں نہ ملنے سے ہوتی ہے اس لئے کہ ان کی مسرت اور خوشی کا مدار اسپر ہے کہ قلب اغیار اور ما سوی اللہ کی کدورت سے صاف اور پاک رہے اور نفس کو جب اس کی خواہش کے موافق شے ملتی ہے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ان کے صفاء وقت میں کدورت آجاتی ہے۔ اور جب خواہش اس کی پوری نہیں ہوتی تو ان کے قلوب حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور اسی حالت میں اُن کو حلاوت اور چین ہوتا ہے فاقہ بھی نفس کے خلاف ہے اس لئے فاقہ مریدوں کو اور اللہ والوں کی عید ہے لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ حال اُن لوگوں کا ہے جنکے قلب کو تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ پیدا تو ہوگیا ہے لیکن ابھی اسکو رسوخ اور پختگی نہیں ہوئی اور نفس کے اندر اس کی خواہش کا رنگ کسیقدر موجود ہے اور بعد رسوخ اور نفس کے مطمئنہ ہونیکے یہ حال ہوتا ہے کہ جس حالت میں مولیٰ رکھے وہی عید ہے اس لئے ایسے حضرات کو غنی اور فقر ہر حالت اور ہر ساعت بلکہ ہر آن میں عید ہے۔

اکثر اوقات فاقوں میں اس قدر انوار و معارف کی زیادتی حاصل ہوتی ہے جس قدر نماز روزہ میں وہ زیادتی تجھکو حاصل نہیں ہوتی ف انوار و معارف و اسرار الٰہیہ کے قلب پر وارد ہونے کا مدار نفس کے خلاف خواہش ہونے پر ہے تو نماز روزہ اگر اس حالت میں ہو کہ نفس کو اُس کی خواہشیں سب مل چکی ہیں مثلاً کھانا مزہ دار اور لباس فاخرہ اور صحت بدن کی حاصل ہے تو اُس نماز روزہ میں اُس قدر اسرار و انوار الٰہی قلب پر وارد نہ ہوں گے جسقدر فاقوں اور نفس کے خلاف حوادث پیش آجانے پر ہوں گے۔

فاقے مواہب الٰہی کے بچھونے ہیں ف فاقے حق تعالیٰ کی عطاؤں کے لئے بمنزلہ بچھونوں کے ہیں کہ اللہ والوں کو جب فاقے ملتے ہیں تو عطاؤں کے انبار سے ان بچھونوں کو بھر دیتے ہیں یعنی فاقوں میں اللہ والوں پر قلبی فتوحات اور معارف و اسرار و انوار بکثرت وارد ہوتی ہیں پس وہ حضرات اس سے گھبراتے نہیں بلکہ بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔

اگر مواہب الٰہی کا نزول اپنے اوپر چاہتا ہے تو فقر و فاقہ کو اپنے لئے درست کر لے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے صدقے فقراء کے ہی واسطے ہیں ف فقر و فاقہ سے مراد احتیاج اور افتقار کی صفت ہے اور اس کے راست کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کے اندر اپنے مولیٰ کی طرف محتاجگی اور افتقار کی صفت پیدا ہو جائے اور ماسوا کی وجہ سے اسکو کسی درجہ کا استغناء و بے نیازی حاصل نہ ہو یعنی اسکے قلب کو غنیٰ مال و دولت و اولاد کے ساتھ نہ ہو بلکہ حق تعالیٰ کی صفت داد و دہش بلکہ اسکی ذات سے جو تعلق اسکے قلب کو ہے اس کے سبب سے اسکی غنیٰ ہو اور حق تعالیٰ کی طرف سے سراپا محتاجگی اور فقر کی صفت لئے ہوئے ہو اب ارشاد شیخ کا سمجھو فرماتے ہیں کہ اگر تو یہ چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی داد و دہش کی بارش مجھ پر ہو یعنی فیوض الٰہیہ کے دروازے کھل جاویں تو سراپا احتیاج بنجا اور محتاجگی کو اپنے نفس کے اندر خوب ثابت کرے پھر دیکھ کہ فیض باطنی کا دریا تجھ پر کیسا بہتا ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ یعنی صدقے فقراء ہی کیلئے ہیں تو حق تعالیٰ کی طرف سے فیوض کے صدقے تجھکو اسی حالت میں مل سکتے ہیں جبکہ تو فقر اور احتیاج کی صفت لئے ہوئے ہو اور اسی کے در کا بھیک منگا سائل بنجا اور تیرا بال بال ہر وقت اور ہر آن اُسی کے در پر ہاتھ پھیلائے رہے اور خواہ دنیا کی دولت تیرے پاس بیحد ہو لیکن تیرا فقر اس سے دور نہ ہو اور تیری احتیاج کی صفت اُس سے نہ جاوے اور تجھکو امیری اُس سے نہ ہو بلکہ تو ہر وقت اُسکے آستانہ کا گدا بنا رہے۔

تیرا فاقہ اور حاجتمندی ذاتی ہے اور اسباب حاجتمندی کے تجھ پر نازل ہونا اس حاجتمندی کو جو تجھ پر پوشیدہ ہو گئی ہے تجھے یاد دلانے والے ہیں تو تیری حاجتمندی کو عوارض زائل نہیں کر سکتے ف اسلئے انسان

تو اپنے وجود میں اور بعد وجود کے باقی اور قائم رہنے میں بھی خالق رب تعالیٰ شانہٗ کا محتاج ہے اور ہر
آن میں تو انکی امداد اور رحمت کا حاجتمند ہے بس فاقہ یعنی فقر اور حاجتمندی تیرا امر ذاتی اور اصلی ہوا
کہ ایک آن کیلئے تجھ سے جدا اور منفک نہیں ہو سکتا لیکن دنیا میں اگر تجھکو جو نعمت صحت اور تندرستی
کی اور صفت اختیار و قدرت ظاہری کی اور مال و دولت ملا تو اس میں تجھکو ایک استغنا اپنے
مولیٰ سے ہو گیا اور اس اپنی صفت اصلی افتقار اور احتیاج کو بھول گیا اور وہ صفت ان نعمتوں
سے تیری حماقت کی وجہ سے تجھپر چھپ گئی یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تجھکو وہ صفت احتیاج کی
پھر یاد دلاتے ہیں اسطرح سے کہ تجھپر حاجتمندی اور حق تعالیٰ کیطرف التجا اور بیقرار ہونیکے اسباب
مسلط کر دیئے کہ کبھی تو بھوکا پیاسا ہوتا ہے اور کھانا پانی تجھکو نہیں ملتا یا دیر سے ملتا ہے مریض ہوتا ہے
اور مرض میں امتداد ہو جاتا ہے جاڑے میں کپڑے کا محتاج ہوتا ہے گرمی میں ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈے
پانی کی تجھکو ضرورت پڑتی ہے مصائب میں دعا انکے دفع ہونے اور زائل ہونیکی کرتا ہے یہ سب
اسباب تجھکو تیرے امر اصلی کو یاد دلاتے ہیں اور گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ اے شخص تو اپنی
اصلیت کو کیوں بھول گیا اپنی اصلی صفت احتیاج کے ساتھ موصوف ہو جا لیکن جو اللہ کے خاص
بندے ہیں ان کو یہ اپنی صفت اصلی ہر وقت پیش نظر رہتی ہے ان پر جو مصائب و حوادث آتے ہیں
وہ یاد دلانے کے لئے نہیں بلکہ انکے درجات بڑھانے کے لئے ہیں پس جب احتیاج اور حق تعالیٰ
کے در کی گداگری تیرا امر ذاتی اور اصلی ہوا تو جو چیزیں تیرے نزدیک استغنا اور بے نیازی کے
اسباب ہیں جیسے صحت و قوت مال و جاہ و آبرو جنکو تو یہ سمجھتا ہے کہ انکے سبب سے میں مستغنی ہوں
اور تیرے قلب کے اندر ایک بے پروائی آرہی ہے اور اپنے مولیٰ کی طرف ہر وقت نگرانی اور
حاجتمندی تجھکو نہیں ہے یہ سب امور عارضی ہیں اللہ تعالیٰ ہر وقت قادر ہیں کہ یہ اسباب استغنا
کے تجھ سے چھین لیں چنانچہ بعض وقت جاتے رہتے ہیں تو وہ امر اصلی پھر ظاہر ہوتا ہے اور اصلی
اور ذاتی بات کو عارضی امور دور نہیں کر سکتے تو ان نعمتوں سے وہ تیرا اصلی امر ہرگز زائل نہیں ہو سکتا
بس عقل سے کام لے اور اپنی اصلیت کو ہر وقت پیش نظر رکھ کہ تیرے لئے خیر اسی میں ہے۔

تیرے اوقات میں بہتر اور عمدہ وقت وہی جسمیں تو اپنی حاجتمندی کا مشاہدہ کرے اور اپنی ذلت وخواری کی طرف لوٹے **ف** ای طالب تیری عمر میں سب سے اچھا وقت اور افضل زمانہ وہ ہے جسمیں تیرا قلب اپنی اصلی صفت احتیاج کا مشاہدہ کرے اور ذلت وخواری جو اصلی امر ہے اور تیرے قلب سے پوشیدہ ہوگئی ہے اسکی طرف رجوع کرے اور ذلت وخواری انسان کا اصلی امر اسلئے ہے کہ انسان اور سب مخلوق ہر وقت حق تعالیٰ کی صفت قہر وقدرت کے نیچے داخل ہے جس طرح چاہیں ہنکائیں جو چاہیں کام لیں اور اصلی اور حقیقی غلبہ اور عزت صرف ذات واحد قہار قادر کے لئے ہے پس اگر بندہ کے نفس میں یہ بات ہے کہ عزت اور غلبہ میرے اندر ہے تو سرکش ہے اور سرکشی پر سزا کا مستحق ہونا ظاہر ہے پس اس کے لئے بہتر وقت وہ ہے جسمیں یہ اپنی حاجتمندی اور ذلت وخواری کو دیکھے اور دیکھنے کا مطلب اتنا ہی نہیں کہ صرف اس کا علم ہو یہ تو ہر شخص کو ہے مطلب یہ ہے کہ جیسے آنکھ سے دیکھکر کسی بات کا یقین اور اثر ہوتا ہے ایسا یقین اور اثر ہر وقت قلب میں موجود رہے کہ جسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور بدتر اور برا وقت وہ ہے کہ جسمیں اپنی استغنا اور اپنی صفت کمال اور اپنی عزت وریاست یا کسی قسم کا منصب پیش نظر ہو۔

مخلوق سے لینے کی طرف ہاتھ نہ پھیلا مگر جب ان میں بھی اپنے مولیٰ حقیقی کو ہی دینے والا مشاہدہ کرے اور جب تو ایسا ہو جاوے تو مخلوق سے لے جو تیرے علم ظاہری و باطنی کے موافق ہو **ف** اے طالب اور اے اللہ والے مخلوق جو تجھکو روپیہ پیسہ کپڑا دے تو اُس کو دو شرطوں سے قبول کر اول تو یہ کہ تیرا حال اور ذوق قلبی یہ ہو کہ دینے والا حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور مخلوق واسطہ محض ہیں اور نرا علم اس بات کیلئے کافی نہیں اسلئے کہ وہ تو ہر مسلمان بلکہ کافر تک کو ہے کہ دینے والا اسی کو جانتے ہیں بلکہ تیرے دل کی حالت یہ ہو کہ کسی درجہ میں بھی تو مخلوق کو دینے والا نہ مشاہدہ کرے اور دل کی نظر مخلوق سے بالکل علیحدہ ہو دینے والا کھلی آنکھوں معطی حقیقی کو جانے اور جب تیرے اندر یہ شرط اور صفت پائی گئی اور تو ایسا ہو تو دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ہدیہ قبول کر جو تیرے علم ظاہری و باطنی کے موافق ہو علم ظاہر سے مراد شریعت ہے یعنی شریعت اگر تجھکو اس کے لینے کی اجازت دے تو لے

ورنہ نے مثلاً کوئی ایسا شخص اگر ہدیہ دے کہ اسکا کسب حرام ہو یا وہ نابالغ ہے یا سود یا رشوت کی آمدنی سے دینے کا علم ہو تو قبول نہ کر اور علم باطنی یہ ہے کہ دیکھ کہ تجھکو اس کی ضرورت اور حاجت بھی ہے یا نہیں اگر ضرورت اور حاجت ہو تو لے اور نا مقدار حاجت نہ لے ہاں اگر اسلئے لے کہ دوسرے کو دیدوں گا تو قبول کرے اور نیز اس شئے کو بھی نہ لے کہ جسکی خواہش کو تو اللہ کے واسطے اور اپنے نفس کے دبلانے کیلئے چھوڑ چکا ہو اور اب وہ تیرے امتحان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہو اور نیز دیکر احسان جتانے والے اور فخر کرنے والے کا ہدیہ بھی نہ لے اور نہ ایسے شخص کا ہدیہ لے کہ تیرے قلب پر کسی وجہ سے اسکا ہدیہ ثقیل اور گراں ہو یہ سب علم باطنی کی فروع ہیں۔

گیارہواں باب نفس کی ریاضت اور اسکی پنہانی خرابیوں سے ڈرانے کے بیان میں

اپنے عیوب باطنی کیطرف تیرا نگاہ کرنا ان اشیاء کے حصول کی طرف نظر کرنے سے جو تجھ سے پوشیدہ اور غائب ہیں زیادہ بہتر ہے ف اے طالب اے مرید تیرا قلب جو اسرار الٰہیہ اور معارف اور تقدیری امور کے راز معلوم کرنیکی طرف مائل ہو اور ان کا تجھکو شوق ہے اور یا اچھے خوابوں کو بڑا مقصود سمجھتا ہے اور اگر کوئی راز یا معرفت کی بات تجھکو معلوم ہو جاتی ہے تو اس پر اتراتا اور اسی کو مقصود یا مقصود کا مقدمہ جانتا ہے تو یاد رکھ ان پوشیدہ اور غائب امور کی جستجو اور شوق اور انکی طرف تیرے قلب کا میلان یہ تیرے لئے بہتر نہیں ہو بلکہ مضر ہے اس سے بہتر تیرے لئے یہ ہے کہ تیرا قلب اپنے عیوب باطنی ریا حسد تکبر وغیرہ کو دیکھے اور ان کے ازالہ کی طرف ہمت کو مصروف کرے اور اگر کوئی راز کی بات یا آئندہ ہونیوالی بات تجھکو معلوم ہو جاوے تو وہ تیرے نزدیک با وقعت نہ ہونی چاہئے بلکہ اصل مقصود تیرا نفس کا رذائل سے پاک کرنا اور نفسانی عیوب کی طرف نگرانی کرنا ہو

اپنے بشری اوصاف میں سے ہر ایک اس وصف سے جو تیری بندگی کے مخالف ہو

باہر نکل تاکہ حق تعالیٰ کی ندا کا اجابت کرنیوالا اور اس کی بارگاہ عالی سے نزدیک ہونے والا ہو جائے
ف اوصاف بشری کی دو قسمیں ہیں محمودہ مذمومہ اوصاف محمودہ تو جیسے طاعت و ایمان و تواضع
و قناعت و صبر وغیرہا اور مذمومہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اعضائے ظاہرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
جیسے غیبت ظلم سرقہ وغیرہ اور دوسرے وہ جنکا تعلق قلب سے ہے جیسے کبر عجب ریا حسد وغیرہا
اوصاف مذمومہ بندگی کے خلاف ہیں۔ پس اے مرید وطالب تیرے اوصاف بشری میں جو وصف
بندگی اور غلامی کے خلاف ہے اس سے ریاضت و مجاہدہ کرکے نکل یعنی اپنے اندر سے ان خبائث
و رذائل کو نکال جب یہ رذائل تجھ سے نکل جاوینگے اور نفس ان سے مزکیٰ ہو جاویگا تو اوصاف
و خصائل حمیدہ سے قلب آراستہ ہوگا. تو اسوقت تو اللہ تعالیٰ کی ندار باطنی کا قبول کرنیوالا ہوگا۔
یعنی تجھکو جو حق تعالیٰ ہر وقت اپنی طاعت کی طرف بلاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے واللہ یدعوا الی دار السلام
یعنے اللہ بلا رہے ہیں بہشت کیطرف اس ندا کا تو سچا قبول کرنیوالا ہوگا۔ اور اس کی بارگاہ عالی
کے قریب ہونیوالا ہوگا یعنی اس کا قرب تجھکو نصیب ہوگا اور بغیر ان رذائل سے پاک ہوئے
اجازت میں سچا نہ ہوگا۔ اور اس کی بارگاہ عالی سے دور رہے گا۔ اسلئے کہ جو شخص نجاسات
سے آلودہ ہو وہ بادشاہی بارگاہ میں حاضری کے قابل نہیں۔

ہر ایک معصیت اور غفلت اور نفسانی شہوت کی جڑ اپنے نفس سے رضامندی ہے اور

ہر ایک طاعت اور بیداری اور پاکدامنی کی بیخ اپنے نفس سے ناراضی ہے ف اپنے نفس سے رضامندی
کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنی حالت کو پسند کرے خواہ وہ بری ہو یا بھلی یہ بات ہر گناہ اور غفلت اور
نفسانی شہوت کی جڑ ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب آدمی اپنے نفس سے راضی ہوگا اور اسکو پسند
کریگا تو نفس کے عیوب اور برائیاں اس کی نظر سے چھپ جائیں گی اور نفس کی بُری بات بھی
اچھی معلوم ہوگی اور اسکے قلب کو نفس کیطرف سے اطمینان ہوگا تو غفلت اللہ تعالیٰ سے اسپر غالب ہو جاویگی
اور غفلت جب ہوگی تو وساوس اور نفسانی خواہشیں زور پکڑینگی اور پھر گناہ ضرور صادر ہونگے
اور ہر طاعت اور بیداری اور پاکدامنی کی جڑ اپنے نفس کے حال کو ناپسند کرنا ہے اسلئے کہ جب اپنے

نفس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا۔ تو ہر وقت اسکو بیداری ہوگی اور اس دشمن کی ہر بات اور ہر خواہش کو سمجھے گا کہ اس میں ضرور اسکی کوئی چال ہے اور اس میں غور کریگا اور شریعت کی کسوٹی پر اسکو پرکھے گا۔ جو امر خلاف شریعت ہوگا اسکو چھوڑ دیگا گو ابتداء میں اسکو نفس سے بہت مشقت اٹھانا پڑے گی اور کبھی نفس غالب ہوگا اور کبھی مغلوب لیکن رفتہ رفتہ نفس کا زور گھٹ جاوے گا اور شرعی امور کیساتھ اسکو اطمینان کی صفت پیدا ہو جاویگی۔ پھر سرکشی نہ کرے گا۔ اور پاکدامنی اور طاعت اور بیداری اس کی صفت بن جاوے گی۔ اور معصیت اور غفلت جاتی رہے گی تو یہ ثمرات نفس سے ناراضی کے ہیں اور تمام معاصی و غفلت یہ ثمرات نفس سے راضی ہونے کے ہیں۔

خدا کی قسم تیرا ایسے جاہل کا ہمنشین ہونا جو اپنے نفس سے ناراض ہو تیرے لئے اس عالم کی صحبت سے جو اپنے نفس سے رضامند ہو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس عالم کیلئے جو اپنے نفس سے راضی ہو اسکا علم کیا مفید ہے اور اس جاہل کے لئے جو اپنے نفس سے ناراض ہو اسکا جہل کیا مضر ہے۔ ف چونکہ عالم کی صحبت نافع اور جاہل کی مضر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اسلئے قسم کھا کر شیخ رح فرماتے ہیں جو شخص علوم ظاہرہ سے جاہل ہو لیکن وہ اپنے نفس سے ناراض ہو اور اسکے قلب میں اذعان اور یقین اس امر کا راسخ ہے کہ میرا نفس مجموعہ ہے تمام شرور و نقائص کا اور میں سراپا عیب و نقصان ہوں اور اپنی خوبی اور کمال کا بھولکر بھی وہم و شبہ اسکو نہیں ہوتا تو یہ شخص کامل ہے اسلئے کہ جو شے جڑ ہے تمام طاعات کی اور کمالات کی وہ اسکو حاصل ہے تو اس کی صحبت تیرے لئے بہتر ہے گویا وہ درحقیقت جاہل ہی نہیں اور جو شخص علوم ظاہرہ کا ماہر ہو لیکن اپنے حال اور اپنے نفس سے راضی ہو اور اس کو پسند کرتا ہو تو خواہ علمی دقائق اسکے اندر ہوں لیکن اس کی صحبت مضر ہے اسلئے کہ جو جڑ غفلت اور معصیت کی جڑ ہے وہ اسکے اندر موجود ہے اور گو اسکا علم ظاہری بظاہر اسکو ظاہر شریعت کا پابند بنائے ہوئے ہے لیکن اسکی حالت خطرناک ہے اور اسپر کسیطرح اطمینان نہیں ہے اور ضرور یہ مرض کبھی نہ کبھی اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہیگا اور جو اسکی صحبت میں رہیگا تو چونکہ صحبت کا اثر مسلمات میں سے ہے اسلئے اسکے اندر بھی یہ مرض ضرور پیدا ہوگا کہ اپنی تحقیقات علمیہ اور اپنے حال کو پسند کرے گا۔

اور یہ عین غفلت ہے حق تعالیٰ سے اور یہ مرض بہت دقیق ہے اسلئے کہ جسکے اندر ہوتا ہے اسکو خود اسکا
ادراک نہیں ہوتا اسلئے اس مرض کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اپنے حال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا بس
جو شخص اپنے سے ناراض ہے اور اپنے ہر حال کو خواہ وہ کتنا ہی حسین نظر آوے اسکو ناپسند ہو اسکو
جہل کچھ مضر نہیں اور جو عالم اپنے سے راضی ہے اور اپنی ہر بات کو پسند کرتا ہے اور اسی حق میں ہے
کہ لوگ میری بات کو پسند کریں اسکو اسکا علم کچھ نافع نہیں۔

تجھہ سے خوارقِ عادت کیونکر ظاہر ہوں ابتک تونے اپنی نفسانی عادتوں کو تو ترک کیا ہی
نہیں۔ ف خوارقِ عادت وہ امور ہیں کہ عالم میں کوئی ایسا واقعہ کسی شخص سے ظاہر ہو کہ جو عادت
الٰہی کے خلاف ہے مثلاً کئی ماہ کا راستہ ایک منٹ میں طے کرنا یا پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا اگر ایسے
امور متبع شریعت اور صاحب استقامت اور کامل سے ظاہر ہوں تو اسکو کرامت کہتے ہیں
ورنہ استدراج اور مکر کہلاتا ہے بہت سے سالک جنکے اندر حب شہرت موجود ہے کرامات
کے بڑے بڑے طالب ہوتے ہیں اسلئے شیخ فرماتے ہیں اے مرید تو کرامات کے ظہور کی طمع کیسے
کرتا ہے حالانکہ ابھی تونے اپنی نفسانی عادتوں کو اور بری خصلتوں کو نہیں چھوڑا اور کرامت ولی
کے لئے اس کی ولایت کی خدا تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہے اور تیرے اندر جب نفسانی شہوتیں
موجود ہیں تو ولایت کہاں ہوئی اور جب ولایت نہیں تو اسکی شہادت کیسے ہو سکتی ہے۔

خواہش نفسانی کی حلاوت و لذت کا قلب میں مستحکم ہو جانا سخت لاعلاج بیماری ہے ف
جیسے امراض ظاہری میں جب کوئی بیماری زور پکڑ جاتی ہے اور طبیعت کو مغلوب کر دیتی ہے تو دوا اور علاج
نافع نہیں رہتا اسی طرح امراض باطنیہ کا حال ہے۔ خواہش نفسانی دنیا اور اس کی لذات کیطرف سبکو ہے
لیکن کسی خواہش کی لذت اور حلاوت جب دلمیں گھر کر جاوے اور کسی طرح نہ نکلے تو یہ سخت لاعلاج
بیماری ہے ایمان اور طاعت اور استغفار اسکی دوا ہے لیکن یہ اسیوقت تک کارآمد ہیں جبکہ وہ
خواہش دل میں پختہ نہ ہو۔ اور پختگی کے بعد اگر فضل الٰہی ہو جاوے تو البتہ اس سے چھوٹ سکتی ہے
اسلئے طالب کو اول ہی اسکا فکر ضروری ہے کہ استحکام ہی نہ ہونے پاوے۔

تجھ پر طرق بندگی کے ملتبس و مشتبہ ہو جانیکا خوف نہیں ہے ہاں صرف حب نفسانی کے غلبہ
کا تجھپر اندیشہ ہے۔ ف بندگی کے طرق وہ ہیں جو ہر حال میں بندہ کے لئے حکم الٰہی ہے مثلاً اگر نعمت ہو تو شکر واجب ہے۔ اگر مصیبت ہو تو صبر ضروری ہے معصیت اگر ہو جائے تو استغفار و ندامت چاہئے سو شیخ فرماتے ہیں کہ بندگی کے طریقے تجھ پر پوشیدہ ہو جانیکا زیادہ خوف نہیں ہے اسلئے کہ قرآن شریف اور احادیث اور کتب فقہ میں یہ طریقے بہت کھول کر بیان کردیئے گئے اور اسکے بعد علماء نے اور زیادہ سہل کر کے ہر زبان میں چھوٹے بڑے رسالے اور کتابیں لکھدی ہیں تو اب یہ اندیشہ اُٹھ گیا کہ احکام الٰہی کسی پر چھپے رہیں بڑا خوف تو اس بات کا ہے کہ کسی حکم الٰہی کی تعمیل کیوقت تجھپر خواہش نفسانی غالب ہو اور وہ تجھکو اللہ و رسول کے احکام پر چلنے سے روکدے اور کسی معصیت میں ڈالدے مثلاً کوئی نعمت تجھکو ملی اور تو اترا جاوے اور منعم حقیقی کو فراموش کردے یا کوئی مصیبت آپڑی اور نفس غالب ہوا تو اسمیں خلاف شریعت کوئی کام کر بیٹھے علیٰ ہذا اور احوال پس مہتم بالشان اور قابل فکر اس کا علاج ہے کہ جو حال بھی مولیٰ حقیقی کی طرف سے پیش آوے اسمیں مطیع اور فرمانبردار بنا رہے اور اس نفس سرکش کی سرکشی کو ابھرنے نہ دے۔

لوگ بسبب ان اوصاف حمیدہ کے جو تجھ میں گمان کرتے ہیں تیری توصیف کرتے ہیں تو
بسبب ان بری خصلتوں کے جو اپنے اندر جانتا ہے اپنے نفس کی مذمت کر۔ ف لوگوں کی مدح کسی صفت کیساتھ انسان کو بہت دھوکہ میں ڈالتی ہے اور عجب میں انسان مبتلا ہو کر اپنی اصلیت کو بھول جاتا ہے اسلئے ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگ تیرے اندر اوصاف حمیدہ گمان کرکے تیری مدح کرتے ہیں اور واقع کی ان کو خبر نہیں کہ وہ اوصاف جمیلہ تیرے اندر ہیں یا نہیں صرف اپنے گمان کی بناء پر تیری مدح کرتے ہیں تو اگر تو عاقل ہے تو ان کی مدح سے دھوکہ میں مت آ اور سمجھ لے کہ یہ ان کا گمان ہے خدا جانے جھوٹا ہے یا سچا اور تو اپنے ان عیوب باطنی اور بری خصلتوں کیوجہ سے جنکا تجھکو علم یقینی ہے اور ان عیوب کے دلائل اور تجربہ اور مشاہدہ بھی تجھکو ہے اپنے نفس کی مذمت کر اسلئے کہ ان عیوب کا ہونا یقینی ہے اور ان اوصاف کا ہونا محتمل ہے۔

مومن حقیقی کی جب مدح ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اسپر شرماتا ہے کہ اس کی ایسے وصف پر تعریف ہوتی ہے جسکا مشاہدہ اپنے نفس میں نہیں کرتا۔ ف اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو چونکہ ہر دم اپنے مولیٰ حقیقی کا دل سے استحضار ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کا جلال و عظمت اور صفاتِ کمال و جمال پیش نظر ہوتی ہیں اور تمام صفات کمال سے اسکو ہی موصوف دیکھتا ہے اور اپنا وجود اور اپنے اوصاف اسکی نظر میں مطلق نہیں رہتے بلکہ اپنے آپ کو نقص در نقص اور معدوم محض دیکھتا ہے تو اگر کوئی اس کی مدح کرتا ہے تو وہ اس بات سے اللہ تعالیٰ سے بہت شرماتا اور عرق عرق ہو جاتا ہے کہ میری تعریف ایسے وصف پر ہوتی ہے جو میرے نفس کے اندر نہیں ہے اور ایک لاشئے محض کی ایسے جلیل القدر کے دربار میں تعریف کی جاتی ہے۔ اور جو غافل ہے وہ تعریف سے اتراتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرے اندر ضرور کچھ کمال ہے جو یہ لوگ مجھکو سراہتے ہیں۔

سب سے زیادہ جاہل وہ شخص ہے جو اپنی نسبت لوگوں کے خیالی اوصاف گمان کر لے پر اپنے یقینی عیوب کا خیال چھوڑ دے۔ ف لوگ جو کسی کی مدح کرتے ہیں تو اپنے گمان نیک کی بنا پر کیا کرتے ہیں آثار و احوال و افعال سے استدلال کر کے صفات ثابت کرتے ہیں مثلاً کسی کو دیکھا کہ نماز بہت سنوار کر پڑھتا ہے تو اسکو بزرگ جاننے لگتے ہیں اگرچہ اسمیں بزرگی کے تمام اوصاف جمع نہوں اور اگرچہ نماز اسکی وساوس شیطانی و نفسانیہ سے پر ہو تو جو شخص لوگوں کے ان خیالی اوصاف کے گمان اور مدح سے خوش ہو اور اپنے اندر جو یقینی عیب ہیں ان کو پیش نظر نہ رکھے وہ سب سے زیادہ جاہل ہے اور ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی کے ساتھ تمسخر کرے اور کہے کہ جناب آپ کے پیٹ مبارک سے جو نجاست نکلتی ہے اسمیں سے مشک کی خوشبو آتی ہے اور وہ احمق خوش ہو اور اسکو سچ جانے تو عیوب باطنی کی بو تو واللہ گندگی سے بھی زیادہ بدبودار ہے اسپر کیا خوش ہو بلکہ اسپر تو رنج ہونا چاہیے۔

جب تیرا مولیٰ تیری ایسی تعریف میں خلقت کی زبان کو گویا کر دے جسکے تو لائق نہیں ہے تو تو اپنے مولیٰ کی تعریف میں جو لائق ہے تر زبان ہو۔ ف اللہ تعالیٰ اگر تیری تعریف خلقت سے کرادیں اور مخلوق کی زبان کو اس میں گویا فرمادیں اور تو اس تعریف کے لائق نہیں ہے تو تجھکو چاہیے

کہ اپنے مولیٰ کی تعریف جو اس کی ذات پاک کے لائق ہے کر اور اس میں اپنی زبان کو تر کر ان مدح کرنیوالوں کی تعریف نہ کر اسلئے کہ اس ذات پاک کی یہ ستاری ہے کہ تیرے عیوب کو لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ کر دیا اور ان مدح سرا لوگوں کی باتوں سے دہوکہ مت کہا۔

معصیت میں حظ نفس ظاہر کھلم کھلا ہے اور طاعت میں حظ نفس پنہانی اور پوشیدہ ہے

اور جو بیماری پنہانی اور مخفی ہے اسکا علاج سخت ہے ف نفس جب تک مطمئنہ نہ ہو وہ ہر بات میں خواہ وہ طاعت ہو یا معصیت اپنا حصہ لگا لیتا ہے معصیت میں بالکل ظاہر ہے کہ سرتاسر نفس کو مزہ آتا ہے اور باوجود وعید اور عذاب الٰہی کی خبر صادق کے جو معصیت کرتا ہے وہ اس مزہ ہی کے سبب سے کرتا ہے لیکن طاعت میں بھی وہ اپنے مزہ اور حصہ لگانے سے باز نہیں آتا لیکن اسکو سمجھنا بہت دشوار ہے اور بظاہر نظر میں اسکو ہر شخص یہ جانتا ہے کہ طاعت میں نفس کا حصہ کہاں ہے طاعت تو نفس پر بہاری اور ثقیل ہے اور اسکی مرضی کے بالکل خلاف ہے تو اسکو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ باوجود گرانی کے نفس کا مزہ اسمیں موجود ہے بعض کے اندر تو ریا اور حب شہرت ہے کہ نفس لوگوں کے نزدیک نیک بننے کے لئے طاعت کرتا ہے گو کچھ اخلاص بھی اس میں ہو لیکن نفس کی آمیزش بھی ہے اور بعض کو اسطرح سے کہ عبادت کے اندر جو حلاوت اور مزہ رکھا گیا ہے اور وہ کسی کو کچھ حاصل ہونے لگا تو اسی کو مقصود اصلی نفس نے سمجھ لیا اور اسی کے درپے ہو گیا اسکی علامت یہ ہے کہ جس عبادت کی نوع میں نفس کو مزہ آتا ہے اسی طرف زیادہ دوڑیگا۔ اور دوسری عبادت اگرچہ واجب ہو اس سے بہاگے گا اسلئے کہ اسمیں وہ مزہ نہیں مثلاً ایک شخص نوافل بہت پڑہتا ہے اور وہ زکوۃ ادا نہیں کرتا تو نوافل میں اسکو حظ آتا اور زکوۃ بالکل ادا نہ کرنا یہ اس بات کی علامت ہے کہ نوافل میں حظ نفس ہے اور اس شخص کا نفس حظ کا طالب ہے خدا تعالیٰ کی مرضی کا طالب نہیں اگر رضا کا طالب ہوتا تو زکوۃ ترک نکرتا۔ پس معلوم ہوا کہ طاعت میں نفس کا حظ موجود ہے اور وہ بہت مخفی ہے کہ اہل بصیرت اسکو سمجھ سکتے ہے اور جو مرض پوشیدہ ہو اسکا علاج سخت ہے اسلئے کہ علاج تو جب ہو جسوقت مرض کا علم ہو اور جب مرض کا علم نہ ہو بلکہ مرض کو صحت سمجھے تو علاج کیسے ہو۔

جب تجھپر دو امر مشتبہ ہو جائیں کہ کون اولیٰ ہی انمیں نفس پر جو زیادہ شاق ہو اسکو دیکھہ اور
اسکی پیروی کر کیونکہ نفس پر وہی شاق ہوتا ہے جو حق ہوتا ہی ف دو کام مستحب یا جائز ہیں انمیں سے
ایک کو اختیار کرنا چاہتا ہے مثلاً نوافل پڑہنا اور درود شریف پڑہنا یہ دو کام ہیں ان میں سے ایک
کو اختیار کرنا چاہتا ہی اور اس میں تردد ہی کہ میرے لئے کونسا ان میں سے کرنا بہتر ہے تو یہ دیکھنا
اور غور کرنا چاہیئے کہ انمیں سے کونسی بات نفس پر زیادہ شاق اور گراں ہی جو زیادہ گراں ہو اس کو
اختیار کرنا چاہیئے اسلئے کہ نفس پر وہی امر شاق ہوتا ہی جو اس شخص کے لئے زیادہ بہتر اور نافع ہوتا ہی
اسلئے کہ نفس جہل پر مخلوق ہوا ہی یہ ہمیشہ اپنے مزہ کا طالب ہی اور نافع بات سے بہاگتا ہے

مومن کو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اپنے نفس کی شکر گزاری اور تعظیم و تکریم سے روکدیتی ہے
اور اللہ تعالےٰ کے حقوق کی بجا آوری کا خیال اپنے حظوظ نفسانی کی یادداشت سے
باز رکھتا ہے۔ ف اپنے نفس کی شکر گزاری اور تعظیم و تکریم یہ ہے کہ عمدہ خصال اور احوال محمودہ
اور طاعت و عبادت جو اس بندہ سے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوتے ہیں ان کو
اپنے نفس کی طرف نسبت کرے اور جو حقیقی خالق و فاعل ہے اس کی طرف سے مشاہدہ نہ کرے
تو یہ کام مومن کامل کا نہیں ہی۔ مومن کامل وہ ہے جو ان افعال و احوال کے صدور پر اپنے مولےٰ
کی حمد و ثنا کرے اسلئے کہ بندہ کے تمام افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ بندہ تو محض
ان افعال کا جائے ظہور ہے پس نفس کیطرف نسبت کیسی اور وہ حمد و ثنا اسکو اتنی مہلت
نہ دے کہ ان افعال کو کسی درجہ میں بھی اپنے نفس کا فعل دیکھے بلکہ ہر آن خالق کی حمد و ثنا میں
محو ہو اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بجا آوری ہی اسکو پیش نظر ہو اور اپنے نفس کے مزہ کی طرف
بالکل التفات نہ ہو یعنی عبادات اور طاعات کے ادا کرنے میں قلب کا منظور نظر بجا آوری
احکام ہو جنت کی طمع یا دوزخ سے نجات یا طاعت کی حلاوت اسکا مقصود اور ملتفت الیہ نہو۔
اور اگر یہ چیزیں نظر میں ہوئیں تو بندگی اور غلامی میں وہ مخلص نہیں ہی غلام کا کام تو غلامی ہی
نہ کہ اپنا مزہ یا اپنا کوئی مطلب و غرض۔

اگر نفوس کی خواہشات اور شہوات کے میدان اور ان کی عادات و مالوفات کے جولانگاہ نہ
ہوتے تو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ عالی کیطرف چلنے والوں کی سیر و سلوک ہی نہ ہوتا کیونکہ اس بیچون و بیچگون
تعالیٰ شانہ کے اور تیرے درمیان میں حسی مسافت نہیں ہے جو تیرے سفر سے طے ہو جاوے اور
انکے اور تیرے فیمابین جدائی نہیں ہے جو تیرے وصل سے محو ہو جائے ۔ ف سیر اور سلوک کے معنی
لغت میں رستہ چلنے کے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں سیر الی اللہ اور سلوک کے معنے یہ ہیں کہ نفس کی
خواہشوں اور طبعی مقتضیات کے غلبہ کو مجاہدہ و ریاضت و طاعات و ذکر اللہ سے اتنا مغلوب و مضمحل کرنا کہ
اللہ و رسول کے احکام کے مقابلہ میں وہ ابھرنے نہ پاویں اور قلب حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول اور اس کی
طاعت میں سرگرم رہے اور احکام شرعیہ اسکے لئے طبیعت بنجاویں اسی کا نام سلوک ہے اور یہی وصل ہے۔
اور یہی خدا تعالیٰ تک پہونچنا ہے اب شیخ کے ارشاد کو سمجھو فرماتے ہیں کہ اگر نفوس کی خواہشات اور شہوات
اور نفس کی عادات اور مالوف چیزوں کے میدان نہ ہوتے (میدان ان خواہشات وغیرہ کو اسلئے
فرمایا کہ نفس ان خواہشات میں دوڑا دوڑا پھرتا ہے یعنی یہ خواہشات نفسانیہ انسان کے اندر نہ ہوتیں تو
سالکین کا اللہ تعالیٰ کیطرف چلنا اور خدا تعالیٰ کے رستہ کو قطع کرنا ہی نہ ہوتا اسلئے کہ سلوک اور سیر الی اللہ
کا حاصل ہی یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو حکم الٰہی کے ماتحت میں رکھنے کے لئے مجاہدہ ریاضت کرنا اور
جب یہ خواہشات کا میدان نہ ہوتا تو سلوک اور سیر الی اللہ کا بھی وجود نہ ہوتا اسلئے کہ سلوک اور سیر
جسکے معنی رستہ چلنے کے ہیں وہ تو یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتے یہ معنے تو جب ہوں جبکہ خدا اور بندہ
کے درمیان کوئی مسافت اور رستہ ہو اور وہ رستہ بندہ کے چلنے اور سفر کرنے سے طے ہوتا ہو اور
مسافت یہاں نہیں اسلئے کہ مسافت تو اجسام اور محسوسات کے درمیان میں ہوتی ہے اور حق
تعالیٰ شانہ کی ذات عالی اس سے پاک ہے اور نیز اللہ تعالیٰ سے وصل کے معنی بھی یہی ہیں کہ اپنے
نفس کے دعوے اور خواہشیں مغلوب کردی جاویں اور اگر یہ معنے نہ لئے جاویں تو خدا تعالیٰ اور
مخلوق کے درمیان کوئی جدائی نہیں اگر جدائی حسی ہوتی اور سالک رستہ طے کر کے اس جدائی کو اٹھا دیتا اور
اس سے جا ملتا تو اس صورت میں وصل کے اصلی معنے کا تحقق ہوتا اور یہاں جدائی حسی ہی نہیں جو وصل سے

محو ہو جاوے اسلئے کہ حق تعالیٰ بندوں کے ان کے نفوس سے بھی قریب تر ہے چنانچہ ارشاد ہے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنے ہم انسان کے رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں پس بُعد جو کچھ ہے وہ نفس کا ہے اسکو ہی مٹانا اور مغلوب کرنا ہے۔

بارھواں باب امید وبیم میں میانہ روی اختیار کرنے کے بیان میں

لغزش اور معصیت صادر ہونے کے وقت عفو کی امید میں نقصان کا ہونا اپنے اعمال پسندیدہ پر اعتماد کی علامت ہے۔ ف جاننا چاہیئے کہ عارفین کا اعتماد ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر نہیں ہوتا حتی کہ اپنے احوال اور علوم اور اعمال نیک پر بھی اعتماد نہیں ہوتا ان کی نظر ہر وقت اور ہر امر میں اپنے رب کی طرف ہوتی ہے پس ان حضرات سے اگر کوئی طاعت و عمل نیک ہوتا ہے تو یہ عمل ان کی امید کے اندر بیشی نہیں کرتا کہ اس کی وجہ سے انکو یہ خیال ہو کہ اس عمل کی وجہ سے ہمارے درجات میں زیادتی ہوگی اور اگر کوئی لغزش یا گناہ ان سے ہو جاتا ہے تو یہ ان کی امید میں کمی نہیں آنے دیتا برابر امید وار رحمت کے رہتے ہیں اسلئے کہ اپنے اعمال کیطرف تو ان کی نظر ہی نہیں خواہ نیک عمل ہو یا بد اور جو لوگ عارف نہیں ہیں وہ چونکہ اپنے نفس کے اوپر معتمد ہیں اسلئے نیک عمل کر کے ان کی امید بڑھتی ہے اور خوش ہوتے ہیں کہ اب ہم لائق مغفرت وجنت کے ہو گئے اور گناہ کرنے کے بعد ان کی امید رحمت کم ہو جاتی ہے اس لئے کہ چونکہ اپنے نفس اور اسکے اعمال کی طرف نظر ہے تو اس گناہ کو رحمت کے اندر دخیل جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ رحمت کو روکنے والا ہے حالانکہ حق الامر یہ ہے کہ بندہ کا عمل نہ مغفرت اور رحمت کرانے والا ہے اور نہ مغفرت کو روکنے والا ہے جس کی مغفرت ہوگی رحمت سے ہوگی لیکن یہ معلوم کر کے نیک عمل کو ترک کرنا اور اعمال بد کو اختیار کرنا حماقت اور جہالت ہے اعمال صالحہ مامور بہا اور اعمال باطلہ منہی عنہا ہیں لیکن مدار کار انپر نہیں ہے مدار محض رحمت پر ہے پس شیخ رہ فرماتے ہیں کہ لغزش صادر ہونے کے وقت رحمت کی امید میں کمی آ جانا یہ علامت اس کی ہے کہ اس شخص کے نفس میں ابھی اسقدر روگ ہے کہ اسکو اپنے عمل پر اعتماد ہے

چاہیئے کہ آگے بڑھے اور اپنے اعمال کو نظر قلب سے ساقط کرے اور امید و اعتماد اللہ کی رحمت پر رکھے لیکن اس مضمون سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ گناہ کے بعد ندامت و استغفار بھی نہ چاہیئے ندامت و استغفار تو ضروری ہے اور مومن ضرور کرے گا۔ مگر اسکے ساتھ ہی اسکو مایوسی رحمت سے نہ ہوگی اور امید کی صفت اس کی برقرار رہے گی۔

اگر تجھکو تیرے نفس کی طرف لوٹا دیا تو تیری مذمتوں کی نہایت نہیں اور اگر اپنا وجود و کرم تجھپر ظاہر فرمایا تو تیری خوبیوں کی کوئی انتہا نہیں۔ ف نفس کی پیدائش بدی اور شرارت پر ہے اور جو کچھ نیک عمل اس سے ہو جاتا ہے وہ حق تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے اور اگر حق تعالیٰ نے تجھکو تیرے نفس کیطرف لوٹا دیا یعنی تجھکو تیرے نفس پر چھوڑ دیا اور فضل و توفیق کو روک لیا تو پھر تیری برائیوں کی کوئی انتہا نہیں اسلئے کہ نفس تو تمام برائیوں اور شرارتوں کا مجموعہ ہے جب توفیق الٰہی اس کی رہبر نہ ہوگی تو اس سے بجز برائیوں کے کچھ بھی نہ ہوگا اور اگر حق تعالیٰ نے اپنا جود اور کرم تجھ پر ظاہر فرمایا تو اسکے جود و کرم کی تو کوئی انتہا نہیں تو تیری خوبیوں کی بھی کوئی نہایت نہ ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ نفس کی خرابیوں سے نجات بدون التجاء و توجہ الی اللہ کے ممکن نہیں ہے پس اگر بندہ سے نیک اعمال صادر ہوں تو ان کو محض حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشاہدہ کرے اپنے نفس کی طرف نسبت نکرے اور گناہ و شرارت ہو تو اپنے نفس سے جانے۔

جس نے اپنے کلام کو اپنی نیکوکاری کا نتیجہ ملاحظہ کرکے کلام کیا اس کی بدکرداری اسکو حیا و خجالت سے ساکت کردیگی اور جس نے احسان مولیٰ حقیقی تعالیٰ شانہ مشاہدہ کرکے کلام کیا۔ معصیت اس کی زبان بند نہ کرے گی۔ ف جو شخص مریدین اور دیگر عوام کو وعظ و نصیحت کرے یا حقیقت و معرفت کی باتیں بتلاوے اور اسکے قلب کی نظر اسپر ہو کہ یہ علوم و معارف جو میرے قلب میں آرہے ہیں یہ میرے اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے اور میں جو دوسروں کو نیک باتیں بتلاتا ہوں میرے اندر یہ موجود ہیں تو اس شخص سے اگر کوئی گناہ اور بدکرداری صادر ہوگی تو اسپر حیا کا غلبہ ہوگا کہ میں دوسروں کو کس منہ سے بتلاؤں جب خود ہی مبتلائے معاصی ہوں اور اسکی زبانکو بند

کردیگی اسلئے کہ منشا اور محرک اسکے بولنے کا اسکا اپنے آپکو صالح سمجھنا اور اس وعظ و نصیحت سے خود موصوف
جانتا تھا جب وہ نہ رہا تو زبان نہ چلے گی اور یہ اس شخص کا حال ہے جس کی نظر اپنے نفس اور اپنے
اعمال کی طرف ہو عارف کا یہ حال نہیں اسکا حال یہ ہے کہ اپنے علوم و معارف کو اپنے مولیٰ حقیقی کے
فضل سے مشاہدہ کرے گا اور اپنے نفس کی طرف کسی درجہ میں بھی نسبت نہ کرے گا بلکہ ذوقی طور
سے اسپر یہ حال ہوگا کہ میری مثال بالکل منادی کرنیوالے کی ہے کہ بادشاہ کا یہ حکم ہے تو اگر اس
شخص سے کوئی گناہ بھی ہوگا تو وہ گناہ اس کی زبان کو بند نہ کرے گا بلکہ اسی بشاشت اور نشاط
سے بولیگا جیسا کہ اس گناہ سے پہلے بولتا تھا اس لئے کہ اسکے بولنے کا محرک اسکا اپنے کو صالح اور
نیک مشاہدہ کرنا نہ تھا بلکہ اسکے کلام کا منشا حق تعالیٰ کا فضل اور احسان کا مشاہدہ تھا کہ یہ اسکا
فضل ہے کہ مجھ نالائق اور لاشئے محض پر یہ علوم القا فرمائے اور فضل و احسان کا دریا ہر وقت جاری
ہے اسلئے اس کی کلام بھی کسی وقت بند نہ ہوگی۔

جب تو یہ چاہے کہ امید کا دروازہ تیرے لئے مفتوح ہو تو اپنی طرف اپنے مولیٰ حقیقی تعالیٰ
شانہ کے احسانات کا مشاہدہ کر اور جب چاہے کہ خوف کا دروازہ تجھ پر کھلے تو جو کچھ تجھ سے نافرمانیاں اور
بے ادبیاں اس کی جناب میں صادر ہوئی ہیں ان کا مشاہدہ کرے ف جاننا چاہیے کہ سالک کو اپنے
نفس کی حالت اور اسکی برائیاں اور معاصی جو اس سے صادر ہوئے ہیں پیش نظر ہوتے ہیں تو قلب اس سے
بہت منقبض اور پریشان ہوتا ہے اور بعض اوقات ناامیدی اور یاس قلب پر غالب ہو جاتی ہے اور اللہ
تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی اور مایوس ہو جانا کفر ہے اور نیز بعض اوقات مایوسی زیادہ ہوتی ہے تو نماز
روزہ وغیرہ سب چھوٹ جاتا ہے اسلئے ضرورت اسکی ہوتی ہے کہ امید کا پہلو غالب ہو تو اسوقت اس
سالک کو چاہیے کہ ہوش سنبھالنے سے لیکر اب تک جو اسپر حق تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی احسانات ہیں یاد
کرے اور قلب کے پیش نظر کرے اور سمجھے کہ اگر حق تعالیٰ کو مجھے بالکل ہلاک اور ضائع کرنا منظور ہوتا تو
میرے حال پر ایسے الطاف کیوں ہوتے دیر تک اسکا مراقبہ کرے امید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے امید کا
دروازہ اسپر کھلیگا اور مایوسی کی کیفیت جو طاری ہوگئی تھی وہ جاتی رہیگی اور بعض مرتبہ اسکے برعکس

کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اپنے نیک اعمال مشاہدہ کرکے عجب اور فرح پیدا ہوتا ہے اسوقت اپنی نافرمانیاں
اور معاصی اور حقتعالیٰ کی جناب میں جو بے ادبیاں ہوئیں ہیں انکو پیش نظر کرے تو خوف پیدا ہوجائیگا
غرض قلب پر نہ یاس کو غلبہ ہوسے اور نہ امید اتنی بڑھ جاوے کہ نڈر ہو جاوے ۔ توسط اختیار کرے

سچی رجا اور امید وہ ہے جو اعمال پسندیدہ کے ساتھ میں ہو ۔ ورنہ اُمنیہ (جھوٹی امید) ہے ف اللہ
تعالیٰ سے امیدوار رحمت کے ہونے کی صفت اصلی اور سچی وہ ہے جسکے ساتھ اعمال صالحہ ہوں یعنی جو اس
شخص کو اعمال صالحہ کے محرک ہو اسلئے کہ جو شخص کسی چیز کی امید رکھتا ہے اسکے اسباب کے حاصل کرنے میں
پوری کوشش کرتا ہے دیکھو جو شخص کھیتی کاٹنے کی امید کرے وہ بونے جوتنے پانی دینے میں پوری کوشش
کرلیتا ہے اُسوقت امید کرنا اسکا صحیح اور سچا ہوتا ہے اسی طرح جو رحمت اور مغفرت و جنت کی امید کرے تو یہ
امید صحیح اور سچی اسوقت ہوگی جبکہ رحمت اور جنت کے جو اسباب علوتاً حقتعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں
یعنی اعمال صالحہ اور معاصی سے باز رہنا ان میں پوری کوشش اپنی مقدور بھر خرچ کرے اور اگر اعمال
صالحہ نہیں کرتا ہے اور خلاف شریعت کام کرتا ہے تو اسکی امید صحیح نہیں اور اسکو امید کہنا غلط ہے بلکہ یہ
تمنا ہے جیسے کوئی شخص موسم زراعت میں نہ زمین میں ہل پھراوے نہ پانی دے نہ بیج ڈالے
اور کھیتی کاٹنے کی تمنا رکھے

اگر تجھکو اپنے مولیٰ حقیقی تعالیٰ شانہ کی نسبت بوجہ اسکی صفات کمالیہ کے حسن ظن نہیں ہے جو
خاصان بارگاہ کے لئے حاصل ہے تو تو اپنے ساتھ اسکے حسن معاملہ ہی کے سبب سے اسکی نسبت حسن ظن پیدا کر
کیا تجھکو اس نے اپنے احسانات کا خوگر نہیں بنایا اور کیا تیری طرف اس نے صرف اپنے انعامات
نہیں بھیجے ۔ ف مومن وہ ہے جو اپنے رب کیساتھ نیک گمان رکھے کہ میرے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ عین
حکمت اور مصلحت اور بہتری کا ہے گو مجھے طبعاً گوارا ہو یا ناگوار اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حقتعالیٰ کی ذات پاک کے
لئے تو سوائے کمالات اور صفات جمیلہ کے کوئی صفت نعوذ باللہ بری نہیں ہے تو وہاں سے جو کچھ بھی
ظاہر ہوگا ۔ وہ عین مصلحت اور حکمت ہے پس اے بندہ اگر تجھ کو اپنے مولیٰ حقیقی کے ساتھ اس کی صفات
کمالیہ کیوجہ سے نیک گمان نہیں ہے اگرچہ اس کے صفات کمال کا مقتضا تو یہ تھا کہ بلاوجہ اسکے ساتھ

گمان نیک بلکہ یقین کامل بھلائی کا رکھنا چاہیے، تو تو اپنے ساتھ اسکے معاملہ کو غور کر کہ تیرے ساتھ اسکا
برتاؤ ابتک کیا رہا ہے کیا تو اسکے بے انتہا احسانات کا خوگر نہیں ہے کہ تجھکو پیدا کیا کان ہاتھ ناک
پاؤں آنکھ قسم قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں اور ہر وقت نعمتوں میں غرق ہے۔ اور کیا انعامات کے
سوا کچھ اور بھی تو دیکھتا ہے ہر آن میں انعامات تیرے اوپر بھیج رہا ہے تو یہ معاملہ اور برتاؤ بھی
اسکو چاہتا ہے کہ آیندہ بھی اسکے ساتھ تو حسن ظن رکھے۔ صفات کمال کی وجہ سے حسن ظن مولی تعالیٰ
شانہ کیساتھ ہونا یہ درجہ تو خاص لوگوں کا ہے اگر یہ کسی کو میسر نہ ہو تو حق تعالیٰ کے انعامات ہی
کا مشاہدہ کر کے حسن ظن رکھے

جس نے اسکو غریب و دشوار جانا کہ مولیٰ حقیقی تعالیٰ شانہ اسکو اسکی شہوات نفسانیہ کے پنجہ

سے چھوڑا دیگا اور قید غفلت سے نکالدیگا تو اس نے غیر متناہی قدرت الٰہی کو عجز کا دھبہ لگایا۔ اور اللہ
ہر شی پر قدرت والا ہے **ف** جو لوگ دنیا کے دہندوں اور مشاغل میں مبتلا ہیں اور مولی تعالیٰ
شانہ کی یاد سے غافل ہیں انکو کبھی کبھی اللہ والوں کو دیکھکر حرص اور شوق ہوتا ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی
یاد میں لگیں اور پھیر سے دنیا کے برطرف کریں لیکن نفس فوراً راہ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ بھلا ہم سے یہ دہندے
کیسے چھوٹ سکتے ہیں اور ہماری کہاں قسمت ہے کہ ہم ایسے ہو جاویں ہم تو بری طرح پھنس رہے ہیں۔ یا
بعض فیاکر شاغل لوگ باوجود ذکر و شغل اور مجاہدہ و ریاضت کے اپنے نفس کی شہوات کو ویسا ہی دیکھتے
ہیں جیسے پہلے تھیں تو انکو وسوسہ ہوتا ہے کہ بس جی ہماری یہ شہوات مغلوب نہوں گی ہمارے نفس کا درست
ہونا اور صلاحیت پر آنا بہت دشوار ہے یا وہ لوگ جنکے قلوب میں ذکر اللہ نے اثر تو کیا ہے لیکن اسکو رسوخ
اور پختگی نہیں کبھی غفلت ہو جاتی ہے کبھی کیفیت ذکر کی طاری ہو جاتی ہے سالہا سال ہو گئے لیکن استقامت
نصیب نہیں ہوتی ان کو خیال ہوتا ہے کہ بس ہم ایسے ہی رہیں گے اور ہماری غفلت کا جانا دشوار ہے
تو ایسے لوگوں کی نسبت شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے یہ بات دشوار و عجیب جانی کہ کار حقیقی اسکو
اسکے شہوات نفسانیہ کے پنجے سے چھڑا دے گا اور قید غفلت سے نکالدیگا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی
قدرت غیر متناہی کو گویا عجز کا دھبہ لگایا اور گویا زبان حال سے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے

پر قادر نہیں ہے۔ حالانکہ وہ ہر شی پر قادر ہے اور منجملہ اسکے اسپر بھی قادر ہے کہ تم کو شہوات نفسانیہ و غفلت کے پنجہ سے رہائی دے اور اپنی یاد کی چاشنی نصیب فرما دے اور اپنا بنا لے پھر مایوسی کی کیا وجہ۔ دیکھو بہت سے اولیاء اللہ ابتدائی حالت میں کیسے کیسے معاصی میں مبتلا رہے ہیں پھر حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا اور ان کو ایسے مراتب نصیب فرمائے کہ وہ مقتدا اور صاحب سلسلہ ہوگئے تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

شہوت نفسانیہ کو دل میں سے بجز روکنے والے خوف کے (جو مشاہدۂ صفات جلال یا قیامت کے اہوال سے پیدا ہو) یا بیقرار کرنیوالے شوق کے (جو صفات جمال اور جنت کی لذیذ نعمتوں کے مشاہدہ سے حاصل ہو) کوئی چیز نہیں نکال سکتی۔ ف پہلے یہ مضمون آچکا ہے کہ کوئی شہوت نفسانی جب دل میں جم جاتی ہے تو یہ مرض بہت سخت ہے یہاں اسکا معالجہ ارشاد فرماتے ہیں معالجے اسکے دو ہیں خوف اور شوق۔ خوف یا تو قیامت کے ہولناک واقعات سے ہو یہ قسم خوف کی عام لوگوں کے لئے ہے یا حق تعالیٰ کی صفات جلال جیسے اسکا قہار و جبار منتقم ہونا پیش نظر ہوں اور یہ قسم خوف کی خاص لوگوں کو ہوتی ہے اور تدبیر اس خوف کے حاصل ہونیکی یہ ہے کہ قیامت اور حشر و نشر و جہنم کے ہولناک واقعات اور معاصی کی سزاؤں کو سوچے اور فکر کیا کرے چند روز بعد خوف قلب میں پیدا ہوگا اور رفتہ رفتہ قلب میں راسخ ہوکر شہوات کے غلبہ محبت کو فنا کر دیگا اور شوق یا جنت کی لذیذ نعمتوں کے پیش نظر ہونے سے ہو یہ شوق کی قسم ابرار اور نیک کار بندوں کو ہوتی ہے اور یا حق تعالیٰ کی صفاتِ جمال جیسے اسکا رحمن رحیم و ودود ہونا قلب کے سامنے ہونے سے پیدا ہو اور یہ شوق کی قسم اہل خصوصیت کا حصہ ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ معمولی خوف اور معمولی شوق قلب سے شہوت کی جڑ کو نہیں اکھاڑ سکتا اسلئے کہ جو شی زیادہ جم گئی ہو اسکے زائل کرنے کے لئے بہت قوی سبب کی ضرورت ہے اسلئے خوف و شوق کا حال جب نہایت قوی ہوگا کہ قلب کو تمام طرف سے علیحدہ کرکے اپنے میں لگالے اسوقت دوسری شی قلب سے نکلے گی اور یہ بہت ظاہر بات ہے دیکھو کسی چیز کا آدمی پر اگر خوف غالب ہو جاتا ہے یا کسی شی کا بے انتہا شوق ہوتا ہے تو سوائے اسکے سب

چیزیں دل سے نکل جاتی ہیں اسی واسطے شیخ نے خوف روکنے والا اور شوق بیقرار کرنیوالا فرمایا مطلق خوف اور شوق نہیں فرمایا۔

جس عمل میں تونے لذت حضور نہیں پائی اسکے قبول ہونے سے مایوس نہو کیونکہ بسا

اوقات جس عمل کا تجھکو ثمرہ دنیاوی (لذت وحلاوت) عطا نہیں ہوا وہ بھی قبول ہوتا ہے ف حضور کامل یہ ہے کہ حقتعالیٰ کی عبادت میں بندہ کی حالت یہ ہو کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یعنی اسکے تمام حواس اور اعضاء از سر تا پا متوجہ الی اللہ ہوں شیطانی اور نفسانی اغراض واوہام ووساوس کا نام نہ ہو اور اس حضور کی لذت سر سے پیر تک اُسپر طاری ہو اگر حقتعالیٰ کے فضل سے ایسی حضوری عبادت میں کسی کو نصیب ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اسکا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں مقبول ہے اور اگر کسی عمل میں ایسی لذت حضور کی نہ پاوے تو اسکے قبول ہونے سے ناامید نہ ہونا چاہیئے اسلئے کہ حضوری کی لذت عمل کے مقبول ہونیکی محض علامت ہے شرط نہیں ہے تو اگر کسی شی کی علامت موجود نہ ہو تو عقلاً یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شی بھی موجود نہ ہو اسلئے کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تمکو کسی عمل کا ثمرہ دنیا میں عطا نہیں ہوتا یعنی اسمیں لذت وحضور نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوتا ہے اور دار آخرت میں اسکا بدلہ ملتا ہے۔

تیرہواں باب دعا کے آداب کے بیان میں

باوجود گڑگڑانے کے دعا میں عطا کیوقت میں تاخیر کا ہونا تجھکو قبولیت دعا سے مایوس نہ

کرڈ ے کیونکہ وہ تیری اجابت کا کفیل اس امر میں ہوا ہے جسکو وہ تیرے لئے پسند فرماتا ہے نہ جسکو تو اپنے

لئے پسند کرتا ہے اور جسوقت وہ چاہتا ہے نہ جسوقت میں تو خواہش کرتا ہے ف بعض عوام کہا کرتے ہیں کہ ہم تو بہت دعا کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی اور بعض جو ذرا نیک کہلاتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ ہم لوگ گنہگار ہیں ہماری دعا کیا قبول ہوتی گناہ کو مانع قبولیت دعا کا جانتے ہیں بعض ذاکر شاغل بھی اس وسوسہ میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم برسوں سے ریاضت اور مجاہدہ کرتے ہیں لیکن ہماری حالت درست

نہیں ہوتی نفسانیت اسی طرح باقی ہے دل سے دعا بھی کرتے ہیں اور تمنا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمکو علائق نفس سے خلاصی نصیب کردے اور کشود کار ہوجاوے لیکن نہیں ہوتی اس سے ان کو ایک قسم کی مایوسی ہوتی ہے شیخ رحمہ اللہ سب کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ باوجود گڑگڑانے اور عجز وزاری سے دعا مانگنے کے جو وہ مراد نہیں ملتی تو اس سے تم دعا کے قبول ہونے سے ناامید نہ ہوجاؤ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اُسکے ساتھ یہ نہیں فرمایا کہ جو چیز تم مانگوگے وہ ہم تم کو دینگے اسلئے کہ ہماری عقل اور علم بہت ناکافی ہے بسا اوقات جو شئی ہم طلب کرتے ہیں بعینہ اسکا دینا ہمارے لئے بہتر نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ ہمپر ماں سے زیادہ رحیم اور شفقت فرمانیوالا ہے اور ہماری مصلحتوں کو ہمسے بہتر جاننے والا ہے اسلئے وہ شئی نہیں دیتا دیکھو بچہ اگر مضر شئی کی ضد کرے تو ماں ہرگز نہ دیگی اور اس سے بہتر شے جو اسکے لئے نافع ہوگی وہ دیدے گی تو یوں کہنا صحیح نہیں ہے کہ ماں نے بچہ کی درخواست کو رد کردیا پس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جو تمہارے لئے ہم پسند کریں اور ہمارے علم میں تمہارے لئے بہتر ہو وہ دینگے خواہ تو وہی شئی دیں یا اس سے بہتر آخرت میں دیں یا دنیا ہی میں کسی بلا کو دفع کردیں اور اسی طرح بعض اوقات وہ شئی ملتی ہے لیکن دیر میں ملتی ہے اسکا بھی یہی سبب ہے کہ اسی وقت میں اگر وہ شئی ملجاوے تو اس بندہ کے لئے دین یا دنیا کے لئے مضر ہوگا اسلئے تاخیر سے ملتی ہے قبولیت کا وعدہ اسوقت میں ہے جبکہ دینا مصلحت ہو پس بندہ کو چاہئے کہ اپنی عقل کو دخل نہ دے اور برابر اپنے مولیٰ سے مانگتا رہے اور قبولیت سے مایوس نہ ہو۔

موعود کا واقعہ نہ ہونا تجھکو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے سچے ہونے میں اگرچہ اس وعدہ کے پورا ہونیکا وقت ہی مقرر کیوں نہ کیا گیا ہو شک پیدا نکرے ایسا نہ ہو کہ یہ شک تیری عقل کی آنکھ پھوڑ دے اور چراغ قلب کا نور بجھادے۔ ف موعود وعدہ کی ہوئی شئی۔ اگر کسی اللہ کے بندہ سے خواب میں یا بذریعہ الہام کے یا کسی فرشتہ کی زبانی حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی بات کا وعدہ کیا گیا ہو اور اگرچہ اس وعدہ کا وقت بھی مقرر کردیا گیا ہو مثلاً یہ کہ فلاں تاریخ میں بارش ہوگی یا فلاں سال میں قحط جاتا رہیگا اور پھر اسوقت میں وہ بات پوری نہ ہوئی تو اس سے اس وعدہ کے سچے ہونے میں شک نہ کرنا چاہئے

ممکن ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا کہ فلاں ماہ یا فلاں تاریخ میں ایسا ہوگا اسکے کچھ شرائط اور اسباب
ایسے ہوں کہ کسی مصلحت اور حکمت کے لئے یا اس بندہ کے ابتلاء اور امتحان کی غرض سے اسکو نہ
بتلائے گئے ہوں تو وہ وعدہ سچا ہے اسلئے کہ مطلب اسکا یہ ہوا کہ فلاں شرط یا سبب اگر ہوگا تو
یہ بات اس تاریخ میں واقع ہوگی اور وہ شرط پائی نہیں گئی اس لئے وہ واقعہ نہ ہوا تو وعدہ کے سچے
ہونے میں اس شخص کو شک نہ کرنا چاہئے کہ یہ سخت بے ادبی ہے اور جہل و حماقت و کبر کی علامت ہے
اور عقل کی آنکھ کو نابینا کرنیوالی ہے اسلئے کہ وعدہ الٰہی میں تخلف نہیں ہوتا جو ارشاد ہو رہا ہے ان
اللہ لا یخلف المیعاد اور نیز اس گستاخی سے اندیشہ ہے کہ قلب کا نور اور دولت باطنی کا چراغ جو اسکو حاصل
ہے بجھ جاوے بلکہ چاہئے کہ ادب اور بندگی کی شان کو کسی وقت ہاتھ سے نہ دے اور تمام نقائص و شرر
کو اپنی طرف منسوب کرے اور اپنی بصیرت و سمجھ کو کوتاہ جانے اور یہ شیخ کا ارشاد کشف و الہام صحیح
کے متعلق ہے خیالات و اوہام کا اعتبار نہیں۔

اپنے مولی حقیقی تعالی شانہ سے تیرے ان اشیاء کے طلب کرنے میں جنکا وہ خود ضامن ہے
اس کی نسبت نہ دینے کا اتہام ہے اور اسکا قرب و مشاہدہ طلب کرنا یہ اس سے غائب ہونیکی علامت ہے
اور اسکے اغیار کا طلب کرنا خواہ وہ اغراض دنیاویہ ہوں یا احوال و مقامات تیری بےحیائی کے
سبب سے ہے اور سوائے اپنے مالک حقیقی کے دوسرے سے تیرا طلب کرنا اس کی بارگاہ عالی سے
بُعد اور دوری کی وجہ سے ہے۔ ف چند امور ضروری اس مقام پر سمجھ لینا ضروری ہیں اول تو یہ کہ
سالک ذاکر شاغل کے لئے کہ جس کے قلب میں ذکر کا اثر کچھ سرایت کر گیا ہے بڑا اہتم بالشان کام بعد
ادائے فرائض و واجبات یہ ہے کہ ہر وقت اپنے قلب کی طرف مشغول رہے اور صوارف و وساوس و خطرات
کو قطع کرے اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کیطرف اپنے نقطۂ توجہ کو بالکلیہ مصروف رکھے یہانتک کہ یادداشت
ملکۂ راسخ ہو جاوے دوسری یہ کہ تصوف و معرفت کا خلاصہ ادب حضرت حق کا ہے اسی واسطے بزرگوں کا
مقولہ ہے التصوف کلہ ادب تیسرے یہ کہ جبتک سالک کے اندر سے شہوات نفسانیہ نہ جاویں اور فناء
نفس نصیب نہ ہو اسکے سب اعمال خواہ دعا ہو یا نماز روزہ ہو نفس کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتے اسیواسطے اسکو

بڑا اہم کام شغل قلب ہی تاکہ ذکر کا غلبہ ہو اور نفس کی آمیزش اعمال سے لٹے اور اخلاص نصیب ہو اب
شیخ کے ارشاد کا خلاصہ سمجھئے کہ فرماتے ہیں اے سالک تیرا کچھ طلب کرنا چار قسم پر ہے اور یہ چاروں قسمیں
طلب اور دعا کی خداوند بارگاہ کے ادب کے خلاف ہیں اول تو یہ کہ خدا تعالیٰ سے ایسی چیز مانگے کہ جسکے دینے کا
اُسنے ذمہ لیا ہے جیسے رزق کی وسعت وغیرہ چونکہ نفس تیرا باقی ہے تو اس مانگنے میں ضرور شائبہ اسکا
ہوگا کہ اگر مانگوں گا تو ملیگا ورنہ شاید نہ ملے تو یہ حق تعالیٰ پر نہ دینے کی تہمت ہے۔ اور جس شئی کا ملنا یقینی
ہے اسمیں تردد اور شک ہو تو ایسی طلب سے باز رہ اور جو تیرے لئے اہم کام ہے یعنی اپنے شغل میں لگنا وہ کر اگر
تو عارف ہوتا تو تیرا مانگنا اخلاص سے ہوتا اور اپنے مانگنے کو دینے میں دخیل نہ سمجھتا اور اس کا مانگنا اُس
شئے کے ملنے کے لئے نہ ہوتا اس لئے کہ وہ لامحالہ ملکر رہیگی اس لئے کہ اسکا وعدہ ہے بلکہ عارف
کا مانگنا اپنے اظہار بندگی اور افتقار و احتیاج کے لئے ہوتا ہے پس تو چونکہ عارف کامل نہیں ہے اسلئے
تیرا یہ مانگنا خالی از کدورت نہیں ہے دوسرے یہ کہ تو اسکے قرب اور مشاہدہ کو طلب کرے یہ بھی تیرے
منصب کے خلاف ہے اسلئے کہ تیرے لئے قرب اور مشاہدہ اپنی حالت میں مشغول ہونا ہے جب تو قرب
اور مشاہدہ کی طلب میں لگا تو قرب اور مشاہدہ جو تجھکو حاصل تھا اس سے غائب ہوگیا تیرا یہ طلب کرنا
بھی مناسب نہیں تجھکو ایک سکنڈ بھی بارگاہ عالی یعنی اپنے مولیٰ کیطرف توجہ کرنے سے غائب نہ ہونا
چاہئے اور تیسرے یہ کہ تو اپنے مولیٰ سے غیر مولیٰ کو طلب کرے خواہ وہ دنیا کی چیز ہو یا کوئی حال و رتبہ
و مقام کی طلب ہو یہ طلب تیری بیحیائی کے سبب سے ہے اسلئے کہ طالب مولیٰ ہو کر غیر مولیٰ کو طلب
کرنا بڑی بیحیائی ہے اگر تجھکو حیا ہوتی تو اس سے کوئی شئی طلب نہ کرتا اور اس کی حضوری میں لگا
رہتا چوتھے یہ کہ سوائے مالک حقیقی کے دوسرے سے کوئی چیز مانگنا یہ اپنے مولیٰ سے دوری اور
بُعد کی وجہ سے ہے اگر تو قریب ہوتا تو غیر سے ہرگز نہ مانگتا اور پانچویں قسم طلب کی عارفین کی ہے کہ وہ
اللہ تعالیٰ سے جو شئی بھی طلب کرتے ہیں اسمیں ان کی نظر اس شئی پر نہیں ہوتی بلکہ اظہار احتیاج اور
اور اپنا فقیر اور خالی محض ہونا اور ہر بات میں مولیٰ کریم کے در کا بھیک منگا سائل ہونے کو ظاہر کرنا ان
کو مقصود ہے اور نیز اس مانگنے کو بھی وہ اللہ کی مدد سے جانتے ہیں اسکو بھی اپنی طرف نسبت نہیں فرماتے

پس ان کی طلب للہ باللہ ہوتی ہے۔

اے سالک اپنی ہمت کو اپنے مولیٰ کریم کے غیر کی طرف نہ بڑھا کیونکہ کریم سے امیدیں تجاوز نہیں کرتیں۔ ف عالی ہمت شخص اپنی حاجات کو کریم پر پیش کیا کرتا ہے اور جو دنی الہمت اور پست حوصلہ ہے اسکے پاس نہیں جاتا اور کریم حقیقی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہے اسلئے کہ کریم اسکو کہتے ہیں کہ جب مجرم پر اسکو قدرت حاصل ہو معاف کر دے اور جب وعدہ کرے پورا کرے اور جب دے تو امید سے زیادہ دے اور اس کی کچھ پروا نہ کرے کہ کتنا دیا اور نہ یہ کہ کس کو دیا اور جو اسکی پناہ میں آئے اسکو ضائع نہ کرے اور سائل اور سفارشیوں کی اسکے یہاں ضرورت نہ ہو اور یہ صفات کامل درجہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں ہیں تو اسلئے فرماتے ہیں کہ اے سالک اپنی ہمت کو اپنی حاجتیں رفع کرنے کیواسطے اپنے مولیٰ کریم کے سوا دوسرے کیطرف مت بڑھا اسلئے کہ حقتعالیٰ کے سوا کوئی کریم نہیں اسکے سامنے سب دنی الہمت اور پست حوصلہ ہیں تو امیدیں اسی سے وابستہ رکھنا چاہئے اس سے گزر کر دوسرے کی طرف ہاتھ نہ پھیلاؤ اس مقام پر یہ امر سمجھ لینا چاہئے کہ مخلوق سے اپنی حاجت کا طلب کرنا اگر اس طور سے ہو کہ ان پر اعتماد ہو اور حق تعالیٰ سے غفلت ہو تو یہ شان بندگی کے خلاف ہے اور اگر اس طور سے ہو کہ ان کو محض اسباب ظاہرہ اور وسائط مجازی جانے اور اعتماد قلب کا حق تعالیٰ ہی پر ہو تو یہ طلب بندگی کے خلاف نہیں ہے۔

اپنی ایسی حاجت جسکو تیرے مولیٰ نے تجھ پر ڈالی ہے اسکے غیر کے پاس نہ لیجا کیونکہ اسکی رکھی ہوئی حاجت غیر کیونکر اٹھا سکتا ہے بھلا جو اپنی حاجت رفع نہیں کر سکتا۔ وہ دوسرے کی حاجت کیونکر رفع کر سکتا ہے۔ ف اے سالک تجھ پر اللہ تعالیٰ جو حادثہ یا حاجت نازل فرمائے تو اسکے دور ہونے کے واسطے اسی کی بارگاہ عالی میں رجوع کر دوسرے کے پاس اسکو مت لیجا۔ اس لئے کہ جو حاجت یا حادثہ اس نے تجھ پر ڈالا ہے اسکو کوئی دوسرا کیسے اٹھا سکتا ہے۔ دیکھو اگر بادشاہ وقت کسی کو کوئی تکلیف پہونچاوے تو اسکو کوئی رعایا کا آدمی کیسے دور کر سکتا ہے اس کی تدبیر تو یہی ہے کہ اس بادشاہ ہی سے التجا کرے۔ اور اسی کی خوشامد کرے اور جس شخص سے تو مدد چاہتا ہے آخر اسکو

بہی تو بہت سی حاجتیں درپیش ہیں اگر وہ قادر ہوتا تو ان حوائج کو سب سے پہلے رفع کرتا جو اپنی حاجت دفع نہیں کر سکتا وہ غیر کی حاجت کے دور کرنے پر کیسے قادر ہو سکتا ہی پس تدبیر یہی ہی کہ جو حاجت پیش آوے اسکو اپنے مولیٰ سے مانگے

اپنے مطلوب کی دیر رسی کے سبب اپنے پروردگار پر اعتراض و مطالبہ نکر بلکہ ادب کے نہ ہونے کی اپنے نفس سے بازپرس کر۔ ف کسی دین اور دنیا کی حاجت کے لئے جب تم اپنے پروردگار سے دعا کرو اور اس حاجت کے پورا ہونیمیں دیر ہو تو اس سے اپنے مولیٰ پر اعتراض نکرو کہ ہم نے دعا کی تھی قبول نہ ہوئی یا مطالبہ جلدی حاجت روائی کا مت کرو کہ یہ امر خلاف ادب ہے اور حدیث شریف میں اس سے ممانعت آئی ہی تمکو کیا معلوم ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوئی ہی یا نہیں ممکن ہی بلکہ یقینی بات ہے کہ قبول ہوگئی مگر تم کو علم نہیں ہی اسلئے کہ دعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ بعینہ وہی شے ملے جو تمہاری مطلوب تھی جیسا کہ پہلے آچکا ہے اور ممکن ہی کہ اسوقت ملنا اسکا مصلحت نہو۔ بعد میں ملے۔ اور قطع نظر اسکے اسکی شان عالی تو یہ ہی لا یسئل عما یفعل کہ جو کچھہ وہ کرے اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا کہ ایسا کیوں ہوا پس نہ جلدی کرو اور نہ اعتراض کرو اور مانگنے میں کمی نکرو اسلئے کہ سائل کا کام یہی ہے اور ادب کو ہاتھ سے نہ دو۔

اپنے مولیٰ سے دعا و سوال کرنا کچھہ عمدہ اور معتبر حال نہیں ہی پسندیدہ حال یہ ہی کہ تجھکو حسن ادب عطا ہو جائے ف حدیث شریف میں وارد ہی کہ الدعاء مخ العبادة یعنی دعا اور سوال کرنا اللہ تعالیٰ سے یہ عبادت کا مغز ہے دعا کی اسقدر فضیلت سنکر وہ سالک جسکو ابہی نفس سے خلاصی نصیب نہیں ہوئی دعا اور سوال کرنے ہی کو مقصود سمجھنے لگے تو یہ اسکی خطا ہی وجہ یہ ہی کہ جب تک نفس موجود ہی دعا اور سوال میں بھی نفسانیت موجود ہی کہ نفس اپنے حظوظ اور مرادوں کا سوال کریگا اور نیز نظر اور توجہ قلب کی وہ حاجت ہوگی نہ حق تعالیٰ کی بندگی بخلاف عارفین کے کہ ان کی دعا البتہ عبادت کا مغز ہے اسلئے کہ عبادت کا مقصود اظہار افتقار و احتیاج ہی اور دعا و سوال کرنا یہ عین افتقار اور احتیاج کا ظاہر کرنا ہی پس عارف کامل کا نفس فنا ہو جاتا ہی نفسانی غرض اسکی کچھہ نہیں ہوتی اسلئے کہ اسکی دعا اپنا

افتقار ظاہر کرنے کے لیئے اور بندگی اور ربوبیت کے مقتضی سے ہے بخلاف غیر عارف کے کہ اسکا دعا وسوال کرنا اپنے نفس کے لیئے ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ دعا وسوال گو اچھا حال ہے لیکن کچھ عمدہ حال نہیں عمدہ حال یہ ہے کہ تم کو ادب نصیب ہو اور ادب اسکے لیئے یہ ہے کہ اپنی تمام حاجات کو حق تعالیٰ کے سپرد کردے اور خود اپنے شغل اور مشاہدہ رب میں مشغول رہے۔

اے غنی کریم کی طرف نہ اضطرار و بیقراری سے زیادہ تجھ سے کوئی چیز مطلوب ہے اور نہ ذلت و محتاجگی

کے برابر کوئی چیز مواہب خداوندی کو تیری طرف جلد لانے والی ہے ف لے سالک حقتعالیٰ کی طرف سے تجھسے بندگی اور عبودیت کی طلب ہے اور عبودیت کے اوصاف میں سب سے کامل درجہ کی صفت اضطرار اور بیقراری کی ہے کہ اسکے برابر کوئی شئی نہیں کہ تیرا قلب ہر وقت اپنے مولیٰ کی طرف بیقرار اور مضطر رہے اور تیری حالت وہ ہو جیسے کوئی پانی میں ڈوبتا ہو اور اسکو اسوقت کوئی سہارا سوائے خدا تعالیٰ کے نظر نہیں آتا یا جیسے کوئی کسی بیابان میں گم ہو جاوے اور کوئی راہ بتانیوالا نہ ہو تو جیسے اسکے قلب کی حالت اسوقت ہوتی ہے ایسی حالت بیقراری کی ہر وقت رہنی چاہیے اور قلب میں ذلت و محتاجگی کی حالت کے برابر کوئی شئی خداوند تعالیٰ کی عطاؤں کو جلدی لانیوالی نہیں ہے یعنی جب قلب میں ذلت اور محتاجگی کی صفت ہوگی تو حقتعالیٰ کی ظاہری و باطنی عطاؤں کی بارش ہوگی۔

بسا اوقات حسن ادب عارفین کو ترک سوال کی رہنمائی کرتا ہے اسلئے کہ قسمت ازلی پر بھروسہ

ہوتا ہے اور ذکر کی مشغولی سے سوال کی مہلت نہیں ہوتی ف عارفین کی شان مختلف ہوتی ہے بعض پر تسلیم و تفویض اور گمنامی کا غلبہ ہوتا ہے اسوقت ان کی حالت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ قسمت ازلی ہے وہ ملکر رہیگا اسلئے مانگنا ان کو ادب کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور شان تسلیم کے منافی سمجھتے ہیں اور نیز ذکر میں اسقدر مشغول ہوتے ہیں کہ ان کو سوال اور دعا کی مہلت بھی نہیں ملتی باقی یہ ظاہر ہے کہ اکمل و افضل حالت وہ ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدار اور مشابہت ہو حضور کی شان یہ تھی کہ ہر امر میں دعا فرماتے تھے اور رضا و تسلیم بھی اعلیٰ درجہ کی تھی پس اکمل یہی ہے کہ زبان سے اظہار احتیاج وافتقار و سوال ہو اور دل سے ہر امر پر رضا ہو۔

سوال کیساتھ یاد تو اسکو دلایا جاوے جسپر غفلت وسہو جائز ہو۔ اور طلب کیساتھ متنبہ اس کو
کریں جس کو سائل سے بے پروائی ممکن ہو (تعالیٰ عن ذالک) ف یہ ارشاد شیخ کا مضمون سابق
کی دلیل کی طور پر ہے خلاصہ یہ ہے کہ ترک دعا و سوال بعض اہل حال کے لئے ادب اسلئے ہے کہ سوال کرنیں
نفس کے اندر اسکا شائبہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی حاجت یاد دلاتے ہیں یا یہ کہ نہیں مانگیں گے تو ملیگا نہیں
حالانکہ وہاں دونوں باتیں محال ہیں اسلئے کہ یاد تو اسکو دلایا جاوے کہ جسکو غفلت وسہو ہوتا ہو
اور اسکی شان عالم الغیب والشہادۃ ہے اور طلب کرنے سے متنبہ اسکو کیا کرتے ہیں جسکو سائل سے
بے پروائی ہو حالانکہ وہ پہلے ہی اسکے لئے لکھ چکا ہے اور نیز رحمت اسکی ہر شے کیساتھ لامحالہ ہے
خواہ کوئی مانگے یا انکار کرے پس ایسے حضرات اپنا سوال حضرت حق میں پیش نہیں کرتے اور
سکوت و رضا کو لئے رہتے ہیں اور سوال کرنے کو ادب کے خلاف جانتے ہیں۔

اکثر اوقات عارف اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہ کی مشیت پر اکتفا کرکے اس کی طرف اپنی حاجت
پیش کرنے سے حیا کرتا ہے تو بہ زیادہ اس کی مخلوق کی طرف حاجت لیجانیں کیونکر حیا نہیں کریگا
ف جبکہ یہ معلوم ہے کہ جو واقعات ظاہر ہو رہے ہیں حق تعالیٰ کی مشیت ازلی میں ان کے متعلق ہو چکی
ہے اور اسی کے موافق ظہور واقعات وحوادث کا ہو رہا ہے تو عارف اسی پر اکتفا کرتا ہے اور اپنے
مولیٰ تعالیٰ شانہ سے اپنی حاجت پیش کرنے سے اسکو حیا آتی ہے کہ جس امر کے متعلق فیصلہ ہو چکا اب
اسکے متعلق عرض معروض کرنا خلاف ادب ہے تو جس شخص کا یہ حال ہو تو مخلوق کے پاس اپنی حاجت
پیش کرنے سے کیوں نہ اسکو اپنے رب سے حیا آوے گی اس لئے کہ مخلوق تو خود فقیر اور عاجز
ہے۔ فقیر عاجز سے کیا کوئی مانگے۔

اب مولیٰ کی بخشش دیر سے خیال نہ کر لیکن اپنے نفس سے توجہ تام اور اقبال کلی کے ہونے
میں درنگ اور ذلیل سمجھ۔ ف نفس کی حالت یہ ہے کہ یہ سب کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے مشہور ہے
کہ المرء یقیس علی نفسہ۔ سالک بعض اوقات جب اپنے نزدیک بہت ریاضت اور مجاہدہ کرتا ہے اور
اسکا کشود کار نہیں ہوتا تو نفس میں اسکی جہالت کی وجہ سے یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ بس مجھے کچھ نہ ملیگا اور یہ ادھر سے

دیر ہورہی ہے نعوذ باللہ، تو شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کی عطا کو یہ خیال نہ کر کہ اسمیں دیر ہورہی ہے اسلئے کہ کسی کو دینے میں دیر کرنا یہ تو کام بخیل کا ہے اور وہاں یہ منتفی ہے تو یہ وسوسہ نہ لانا چاہیئے اسکی عطا کا دریا تو ہر وقت جاری ہے یہ دیر تیری طرف سے ہے کہ تیرے نفس کے اندر توجہ کامل اسطرف نہیں اور غیر حق کی صورتیں اسمیں نقش ہورہی ہیں ان کو اپنے دل سے محو کر کے پوری توجہ اس طرف کر بخشش کو دیکھ بخشش ہر وقت موجود ہے اسکو کہیں سے آنا نہیں ہے۔

ان اشیاء میں جنکا تو اپنے مولیٰ سے طلبگار ہے عمدہ اور بہتر وہ ہے جسکا وہ تجھ سے طالب ہے (اور وہ عبودیت میں استقامت ہے) ف اے سالک جو چیزیں تو اپنے مولیٰ سے طلب کرتا ہے اُن سب میں سے سب سے عمدہ اور بہتر وہ شے ہے جس کی طلب تجھ سے مولیٰ کی طرف سے ہے یعنی جس بات کیلئے تو پیدا ہوا ہے اور وہ اسکی بندگی کے اندر پختگی ہے چنانچہ ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور سوائے بندگی کے اور چیزیں خواہ دین کی ہوں یا دنیا کی وہ بہتر نہیں اسلئے کہ اس میں تیرے نفس کے لیے حظ اور مزہ ہے ہاں غلامی اور بندگی وہ شے ہے کہ اسمیں نفس کو حظ نہیں اور جس شی میں نفس کو مزہ آوے اسکا طالب ہونا بندگی کے خلاف ہے۔

دعا و عبادت سے تیرا مطلوب حصول بخشش و عطا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ تیرا فہم اسکے حکم دعا کے اسرار اور حکمت کے سمجھنے سے کوتاہ رہجائے گا بلکہ تیرا دعا و عبادت کرنا صرف اپنی عبودیت کے اظہار اور اس کی ربوبیت کے حقوق کو قائم اور برپا رکھنے کے لئے ہونا چاہیئے ف اے سالک دعا اور عبادت میں مشغول ہونے سے تیرا مقصود یہ نہ ہونا چاہیئے کہ دنیا یا دین کی کوئی نعمت مولیٰ عطا فرماوے اگر تیرا یہ مقصود ہوا تو تو نے دعا کے حکم ہونیکا مغز اور راز و حکمت ہی نہیں سمجھا دعا و عبادت کرنے سے تیرا مقصود یہ ہو کہ اپنی بندگی اور غلامی کو ظاہر کرے اور اسکے رب ہونے اور مالک حقیقی ہونے کے حقوق کو ادا کرے اور اُسنے دعا و عبادت کا حکم اسی واسطے فرمایا کہ بندے اپنا افتقار و احتیاج و التجا ہماری بارگاہ عالی میں ظاہر کریں اور جسکا مقصود دعا سے یہ ہوگا اس کی دعا کبھی نافعہ نہ ہوگی اگرچہ ہر مطلب اسکا پورا ہوتا رہے اسلئے کہ اسکا مقصود تو اسکی ربوبیت

اور اپنی غلامی ظاہر کرتا ہے اور وہ ہر وقت رب اور یہ بندہ ہے بخلاف اس شخص کے جسکا مقصود دوسری شے ہو جب وہ شے اسکو حاصل ہو جائیگی دعا ہی کرنا چھوڑ دیگا اور یہ بڑی قبیح بات ہے کہ بندہ اپنے مولی سے مستغنی ہو کر بیٹھ رہے بندہ تو وہی ہے جو ہر وقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ اے میرے مولی میں تیری عطا سے کسی وقت مستغنی و بے نیاز نہیں ہوں ہر وقت آپ کی نظر رحمت کا محتاج ہوں۔

تیری پچھلی طلب اس کی پہلی اور ازلی عطا کا کیونکر سبب ہو سکتی ہے۔ ف ارشاد سابق میں بیان کیا گیا ہے کہ مومن کو یہ مناسب ہے کہ دعا کو اظہار بندگی کے لئے کرے دوسری شی حاصل ہونے کے لئے نہ کرے مگر یہاں اسپر تنبیہ ہے کہ دعا کو سبب حصول کا نہ جانے کہ اگر میں دعا کروں گا تو شی ملیگی ورنہ نہ ملیگی اسلئے کہ جو شے اسکو ملے گی اسکا ملنا روز ازل میں مقدر ہو چکا ہے اور اسکا مانگنا بعد کو ہوا ہے تو جو شے بعد میں ہو وہ پہلی شی کا سبب کیسے ہو سکتی ہے اسی لئے بطور تعجب فرماتے ہیں کہ اے سالک ذرا ہوش سنبھال اور تیرے نفس میں جو اسکا شائبہ ہے کہ میری دعا سے شے ملیگی تیری دعا پیچھے آئی ہے اور اسکی عطا ازل میں ہوئی تو پچھلی طلب ازلی عطا کا سبب کیسے بن سکتی ہے سبب کا وجود تو ہمیشہ سبب سے پہلے ہوتا ہے۔ آگے دوسرے عنوان سے اسی مضمون پر تنبیہ ہے اور اسی کی دلیل ہے۔

ازلی حکم اس سے برتر ہے کہ علل اور اسباب کی طرف منسوب ہو ف اے سالک تو اپنی دعا اور طلب کو اس کی عطا کا سبب کیسے جانتا ہے حالانکہ ازلی حکم الٰہی کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ حکم کسی علت اور سبب کا محتاج ہو حق تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں اسکا کوئی سبب اور علت نہیں ہوتی اسباب اور علل کے محتاج بندے ہیں اور خالق کے افعال اس سے پاک ہیں پس وہ جو کچھ کسیکو دیں اسکا کوئی سبب نہیں ہے اور ازل میں دیچکے ہیں دعا اور طلب بعد میں ہوتی ہے لیکن یہ معلوم کرکے دعا کو ترک کر دینا شان بندگی کے خلاف ہے۔

چودھواں باب اللہ تعالیٰ شانہ کے حکم کے تسلیم کرنے اور اپنے

اختیار کے ترک کرنے کے بیان میں

تجرید اور قطع ظاہری اسباب دنیاوی کی تیری خواہش باوجودیکہ خداوند تعالیٰ شانہ نے تجھکو اسباب میں استقامت عطا فرمائی شہوت پنہانی ہے۔ اور تیرا اسباب کا پابند ہونا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو قطع اسباب میں راسخ قدم کیا بلند ہمتی سے پست ہمتی کیطرف گرنا ہے **ف** اے سالک اگر اللہ تعالیٰ نے تجھکو اسباب دنیاوی مثل زراعت تجارت حرفت ملازمت میں مشغول کر رکھا ہے اور ان اسباب میں رہکر تیرا دین سلامت ہے اور اس میں تجھکو پختگی و استقامت نصیب ہے اور عبادت ظاہرہ و باطنہ ادا کرتا ہے تو باوجود اسکے اگر تجھکو اس کی خواہش ہو کہ میں یہ اسباب ترک کر دوں اور اسکو دنیا کے دہندے سمجھکر اس کی رغبت ہو کہ ان بکھیڑوں سے مجرد و منقطع ہو جاؤں تو یاد رکھ کہ یہ نفسانی خواہش ہے۔ جو تیرے دل کے اندر دبی ہوئی اور پوشیدہ ہے۔ ظاہر تو اسکا بہت اچھا ہے کہ جسقدر بھی قلب کا تعلق ان اشیائے سے دور ہی جاتا ہے اور قرب مولیٰ کا بڑہے لیکن حقیقتاً اسکے نیچے ایک بڑا بھاری روگ نفس کا ہے وہ یہ ہے کہ اسباب ظاہرہ کے چھوڑنے میں ناموری اور شہرت بہت ہوتی ہے۔ پس نفس یہ چاہتا ہے کہ میں ولی اور بزرگ مشہور ہو جاؤں اور لوگ میرے معتقد ہو جاویں اگر تو نے ایسا کیا تو جو بات اب حاصل ہے اس سے بھی جاتا رہیگا اسلئے کہ مخلوق کا کسی کی طرف مائل ہونا اسکے لئے سم قاتل ہے ہاں جو کامل ہو اسکو مضر نہیں پس تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ جس حال میں حق تعالیٰ نے رکھا ہے اسی میں رہ اپنے لئے کوئی تجویز مت کر اور اگر ان اسباب کے ترک میں تجھکو اللہ تعالیٰ نے دین کے اندر استقامت عطا فرمائی ہے کہ بلا اسباب ہی اللہ تعالیٰ روزی پہونچا رہے ہیں اور تیرے نفس کو اطمینان ہے اور اپنی عبادات میں مشغول ہے تو باوجود اس چین و آرام کے اگر اسطرف رغبت ہو کہ میں یہ اختیار کروں تو تو بلند ہمتی سے پستی کیطرف گر رہا ہے اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ کیساتھ تیرا علاقہ ہو گیا اور مخلوق سے تیرا اعتماد بالکل اُٹھ گیا اور توکل صحیح نصیب ہو گیا اب اس مقام عالی کو چھوڑ کر پھر مخلوق سے علاقہ پیدا کرنا اوپر سے نیچے گرنا ہے پس بہتر یہ ہے کہ اس نفسانی وسوسہ کیطرف التفات نہ کر

اور جس حال میں مولیٰ نے رکھا ہے اسی میں راضی رہ ۔

اللہ تعالیٰ سے یہ طلب نہ کر کہ تجھکو تیری حالت موجودہ شغل دینی یا دنیوی سے نکالکر اسکے سوا کسی دوسری حالت کے کام میں لگادے کیونکہ اگر وہ چاہتا تو بغیر نکالنے کے کام میں لگاتا ۔

ف کسی بندہ کو اگر اللہ تعالیٰ نے کسی دینی کام جیسے طالب علمی یا دنیوی کام جیسے نوکری صنعت وغیرہ میں لگا رکھا ہو اور وہ بندہ یہ سمجھکر کہ اس کام میں مشغول رہکر مجھکو اپنے مولی کیطرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں ملتی اس کام سے نکلنا چاہے تو اسکو یہ مناسب نہیں اسلئے کہ جب وہ کام خلاف شریعت نہیں ہے تو اسکو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں اور بسا اوقات ترک کرنے سے پریشانی لاحق ہو جاتی ہے جس مقام اور رتبہ کے طلب کے لئے اس شغل کو چھوڑنا چاہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اسکو وہ رتبہ دینا چاہتا ہے تو اسکو یہ موجودہ اشغال دینے سے مانع نہیں آسکتے اسی حالت میں رہتے ہوئے ہی تجھکو مقام عطا فرمادیتا پھر باوجود قادر ہونے کے جو ابتک عطا نہیں فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ تیرے لئے اسی حالت میں رہنا مصلحت و حکمت ہے پس تو اس حالت کو اپنے اختیار سے ترک نہ کر جب وہ چاہے گا اسی حالت میں تجھکو تیرے مقصود پر پہونچا دیگا یا جب چاہیگا اس حالت سے تجھکو نکال دیگا ۔

پیش قدمی کرنیوالی ہمتیں تقدیر کی دیواروں کو نہیں پہاڑ سکتیں ف صوفیہ کی اصطلاح میں ایسی قوۃ نفسانی کو جو قلوب اور دیگر مخلوق میں باذن اللہ اثر کرتی ہے ہمت کہتے ہیں ۔ خلاصہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ اہل ریاضت و مجاہدہ کی ہمتیں ہر شے میں پیش قدمی کرتی ہیں یعنی نہایت سریع التاثیر ہیں کہ جس شی کی طرف وہ حضرات اپنی ہمت مبذول فرماتے ہیں باذن اللہ وہ شی ضرور ہو جاتی ہے لیکن یہ ہمت کے تیز پہاوڑے تقدیر کی مستحکم دیواروں میں سوراخ نہیں کر سکتے یعنی تقدیر کے خلاف ہمت کچھ نہیں کر سکتی ۔ پس جب تقدیر کے سامنے ایسی سریع التاثیر شے بھی لاشی ہے تو تدابیر ظاہرہ تو بیچاری کس شمار میں ہیں تو بندہ مومن پر واجب ہے کہ تدابیر پر بھروسہ نہ کرے اور ان کو موثر نہ سمجھے اور تقدیر خداوندی کی طرف قلب کی نظر رکھے ۔

تدبیر کی تعب سے اپنے نفس کو راحت دے کیونکہ جو مقدر کر کے تیرا غیر یعنی اللہ جل و علا تجھ سے

اٹھا چکا ہی تو اسکو اپنے نفس کے لئے مت اٹھا ف معاش کے لئے مختصر سی ایسی تدبیر کر لینا کہ جسکا نفس پر
تعب اور مشقت نہ ہو اور حقتعالیٰ کی طرف توجہ ہونے اور اسکے احکام کی بجا آوری میں مانع نہ ہو اور نہ اُس
تدبیر پر قلب کو اعتماد ہو بلکہ اعتماد حقتعالیٰ کی رزاقیت پر ہو تو کوئی حرج نہیں ہی لیکن جس تدبیر سی نفس پر تعب ہو کہ خیالات
اور وساوس بے انتہا دماغ میں اس سی پیدا ہو جاویں کہ فلاں کام اس طور سے ہو اور فلاں اس طرح ہو اور ایک
طویل بکھیڑا بلا ضرورت اپنے اوپر آدمی لا ڈالے یہ قابل ترک ہی اور اسمیں نفس کو سخت تعب ہوتا ہے
اور بسا اوقات جسطرح یہ سوچتا اور فکر کرتا ہی اس میں کامیابی بھی نہیں ہوتی اس صورت میں تو اور بھی
زیادہ مشقت اور تکلیف ہوتی ہی اسلئے اے سالک تدبیر معاش کے تعب سے اپنے نفس کو کیوں مشقت
میں ڈال رکھا ہے اور کیوں اپنے نفس کو ان بکھیڑوں میں پھنسا رکھا ہی اسکو راحت دے اور زائد
از ضرورت کو حذف کر دے اسلئے کہ قاعدہ کی بات ہی کہ اگر کوئی شخص جو اپنے سے قوت اور تدبیر اور سب
امور میں بڑھکر اور نیز شفقت اور خیر خواہی میں برتر ہو کسی کام کا ذمہ لیلے تو اس کام سی بالکل بیفکر ہونا چاہیئے
تو جو کام تو نے اپنے اوپر لیلیا ہے اسکا بار تو تیری طرف ہے دوسری ذات پاک اٹھا چکی ہی یعنی حقتعالیٰ
کفیل و کارساز بن چکے ہیں اب تو اس کے لئے اپنے نفس کو کیوں گراں بار کرتا ہے پس تو اسکو
مت اٹھا اور اپنے مولیٰ کی کارسازی پر بالکل بے فکر ہو جا۔

اس میں تو تیری کوشش جسکا وہ تیرے لئے کفیل ہو چکا اور اس میں تیری کوتاہی جسکا وہ تجھ

سے طالب ہوا تیری عقل کا چراغ گل ہونے کی دلیل ہی ف اے سالک طالب مولیٰ رزق اور اسباب
معاش کا تیرا مولیٰ تیرے لئے اپنے فضل و رحمت عامہ سے ذمہ دار و کفیل ہو گیا ہے۔ چنانچہ
ارشاد ہی۔ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقہا یعنی جو بھی زمین میں چلنے والا ہے اللہ تعالیٰ
کے ذمہ اسکا رزق ہی پس جس شی کا وہ کفیل ہو گیا اس کی کفالت اور ذمہ داری پر تجھکو اعتماد نہیں اسمیں
تو تو کوشش اور جد و جہد کرتا ہی اور تجھسے اسنے اعمال صالحہ اور بندگی کو طلب فرمایا ہی چنانچہ ارشاد ہی
وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی میں نے جنوں اور آدمیوں کو کسی کام کے لئے پیدا
نہیں کیا سوائے اسکے کہ میری بندگی کریں اسمیں تو کوتاہی کرتا ہی یہ معاملہ تیرا اسکی صاف دلیل ہی کہ تیری عقل

کا نور و شمع بجھ گئی ہے اور تجھکو خاک عقل نہیں ہے اگر عقل ہوتی تو اسکے برعکس کرتا کہ جس شی کا ذمہ مولے نے لے لیا ہے اُس سے تو بے فکر ہوتا اور جس شی کا وہ طالب ہے اس میں اپنی پوری ہمت صرف کر دیتا اور کوشش کرنے کے لفظ سے جو شیخ نے ارشاد فرمایا ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ طلب کوشش روزی کا معمولی طریقہ سے طلب کرنا طالب کے لئے مضائقہ نہیں ہے۔

جس نے یہ چاہا کہ جس وقت جو چیز اللہ جل وعلا نے پیدا فرمائی اُس وقت میں کوئی دوسری چیز پیدا ہوتی تو اُس نے اپنے جہل و نادانی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا ف مومن پر جو حال حق تعالیٰ کی طرف سے پیش آوے اور وہ خلاف شرع نہ ہو خواہ وہ کوئی حادثہ ایسا ہو جو اسکے جان و مال پر کوئی آفت لانیوالا ہو یا کوئی قلبی حال ہو تو حضرت خداوندی کا ادب اور علم و معرفت ربوبیت اسکو مقتضی ہے کہ رضا و تسلیم کو ہاتھ سے نہ دے اور جس نے یہ چاہا کہ جو حالت اللہ تعالیٰ نے مجھپر بھیجی ہے بجائے اسکے دوسری ہوتی. مثلاً تنگی کی جگہ فراغت ہوتی یا میرا دل جو منقبض ہے مجھ پر بسط کی حالت ہوتی تو اس شخص نے جہل و نادانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی یعنی منشا ان تمناؤں و حسرتوں کا نفس کا جہل ہے اگر حق تعالیٰ کی معرفت ہوتی اور علم حقیقی اسکو ہوتا کہ جو امر مقدر ہو چکا ہے وہ کسی طرح نہیں ٹلتا تو ہرگز یہ حسرت اور تمنا نفس میں نہ رہتی اور نیز حزن اور افسوس بھی نہ ہوتا بلکہ جو امر بھی پیش آتا اسپر راضی اور ادب سے رہتا. اب یہ تمنا کر کے قضا و قدر کا مزاحم اور بے ادب بنا۔

وہ مطلوب کچھ دشوار نہیں جسکا تو اپنے پروردگار سے طلبگار ہوا اور وہ مطلب کچھ سہل نہیں جسکا تو اپنی قوت نفس سے خواستگار ہوا. ف اے سالک تیرا مطلوب دنیا کے متعلق ہو یا دین کے خواہ تجھکو کتنا ہی دشوار اور مشکل نظر آوے لیکن اگر تو اسکے پورا ہونیکے لئے اپنے رب سے طلبگار ہو یعنی اسکے طلب کرنے میں قلب کی نظر اللہ تعالیٰ کی طرف لگی ہوئی ہو اور اسی پر کامل طور پر اعتماد ہو اپنی تدابیر پر مطلق التفات نہ ہو تو وہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے ہموار رکھا ہے اور تیرا مطلب دینی یا دنیوی کتنا ہی سہل اور آسان تجھکو نظر آوے لیکن اسکا تو اپنے نفس کی قوت سے خواستگار ہوا یعنی اسکے سرانجام دینے کے وقت لحاظ اپنی قوت و تدبیر پر رہا اور حقیقی کارساز سے قلب غافل رہا تو وہ کام تجھ پر بھاری ہو جائیگا اور ممکن بلکہ غالب ہے کہ

اسمیں کامیابی نہ ہو یا ہو تو سخت دشواری سے ہو پس اپنے ہر کام میں اپنی قوت عقل و تدبیر پر بھروسہ مت کر اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کر۔

سب چیزیں مشیت خداوندی ہی کا سہارا پکڑتی ہیں اور وہ کسی کا سہارا نہیں پکڑتی ف جو کچھ عالم میں ہو رہا ہے خیر ہو یا شر ہو ہدایت ہو یا اضلال ہو سب حق تعالیٰ کی مشیت سے ہے ازل میں ہی حق تعالیٰ کی مشیت ان سب واقعات کے متعلق ہو چکی ہے باقی ظہور انکا ان کے اوقات میں اس مشیت ازلیہ کی وجہ سے ہو رہا ہے اسباب اور علل کو ان واقعات میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اسباب خود مشیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور مشیت الٰہیہ موجودات میں سے کسی شی کے سبب سے نہیں ہے اسلئے کہ مشیت حقتعالیٰ کی صفت ہے اگر صفت کسی شی کی محتاج ہو تو اس میں نقص لازم آتا ہے اور حق تعالیٰ کامل الذات کامل الصفات ہیں اسلئے مشیت الٰہیہ کسی سبب کی محتاج نہیں پس بندہ مومن کو مشیت الٰہیہ کے متعلق جب یہ علم ہو گیا تو چاہئے کہ اس علم کو اپنے نفس کا حال بنالے اور جہل کو چھوڑے نادان ناواقف نہ بنے اور اسباب اور اپنی تدابیر کی طرف ذرہ برابر بھی ملتفت نہ ہو اور مشیت الٰہیہ کیطرف دل کی آنکھ لگی رہے اور نیز جب یہ بات ثابت ہے اور اسکا یقین کامل ہو گیا کہ مشیت الٰہیہ سے سب کچھ ہوتا ہے اور مشیت کا تعلق کہیں سے نہیں تو اسکا مقتضی یہ ہے کہ نفس کی سرکشی اور عناد نام کو بھی نہ رہے اور عبودیت واحتیاج وافتقار اور اس کی جناب میں عجز وزاری ہر آن اسکا شیوہ حال ہو۔

جب صبح ہوتی ہے تو غافل فکر کرتا ہے کہ آج میں کیا کام کروں گا اور دانشمند انتظار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ میرے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔ ف جاننا چاہئے کہ فاعل حقیقی ہر فعل کا اللہ تعالیٰ ہے چنانچہ اہلسنت وجماعت کا عقیدہ حقہ ہے کہ تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بندہ ان افعال کا محض جائے ظہور ہے جس کی وجہ سے اسکو کاسب کہا جاتا ہے پس جو شخص توحید سے غافل ہے اور توحید اسکا حال نہیں بنی گو درجہ اعتقاد میں ہے وہ افعال کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے اس لئے جب صبح ہوتی ہے تو اسکے دماغ میں اول ہی یہ آتا ہے کہ آج میں فلاں کام کروں گا فلاں کروں گا اور جو عارف وعاقل ہے اور حق تعالیٰ نے علم صحیح اسکو عطا فرمایا ہے اور توحید اسکے نفس کا حال

بنگیا ہے اور جبل نفس کا دور ہوگیا ہے اسکا حال مردہ بدست زندہ کی طرح ہوتا ہے۔ وہ اسکا انتظار
کرتا ہے کہ دیکھیئے حقتعالیٰ کا میرے ساتھ آج کیا معاملہ ہوگا اُسکے دماغ میں یہ ہرگز نہ آوے گا کہ
میں کیا کروں گا اسلئے کہ تمام افعال کو حقیقی فاعل کی طرف منسوب کرنا اسکا حال ہوگیا ہے اور
اپنا لاشے ہونا واضح ہوگیا پھر جو کچھ اس غافل کو پیش آتا ہے اس میں چونکہ اسکی نظر اپنے نفس کی
طرف ہے اسلئے اسکو اللہ تعالیٰ اسکے نفس ہی کی طرف سونپ دیتے ہیں اور اسکو تمام کام مشکل
آتے ہیں اور قسم قسم کی دقتوں اور جھگڑوں میں پھنسا رہتا ہے اور موحد کی نظر چونکہ حقتعالیٰ کیطرف
ہوئی اسلئے سخت سے سخت کام بھی اسکو بھاری نہیں ہوتے اور اُس کی کھلی امداد ہوتی ہے چنانچہ
جسکا جی چاہے تجربہ کرلے اور دیکھ لے۔

پندرہواں باب مصیبتوں اور سختیوں پر صبر کرنیکے بیان میں

جب تیرے واسطے اُسنے اپنی معرفت کا کوئی طریق کھولدیا تو اسکے ساتھ میں قلت عمل کی پروا
نہ کر کیونکہ اسنے تیرے لیے یہ طریق صرف اسلئے کھولا ہے کہ تجھکو معرفت حاصل ہو کیا تو نہیں جانتا کہ
نعمت معرفت تو وہ تجھ پر پہونچانیوالا ہے اور اپنے اعمال تو اسکے جناب میں پیش کرنے والا ہے
اور جو تو پیش کش کرتا ہے اُسکو اُس سے کیا نسبت ہے جو وہ تجھکو عطا فرماتا ہے ف جاننا چاہیئے کہ
تصوف وسلوک کے تمام مقاصد میں بڑا مقصود اور نعمت عظمیٰ حق تعالیٰ کی معرفت ہے اسلئے فرماتے
ہیں کہ اے سالک جب اللہ تعالیٰ نے تیرے واسطے اپنی معرفت کے رستوں میں سے کوئی
رستہ کھولدیا مثلاً قلب پر یہ منکشف ہوگیا کہ فاعل حقیقی ہر فعل کا اللہ تعالیٰ ہے اور اُسکے ساتھ ذوق
اور حال نصیب ہوگیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے اس مضمون کیساتھ قلب رنگین اور صاحب
ذوق ہوگیا تو اس نعمت عظمیٰ کے ہوتے ہوئے اس کی پروا نہ کر کہ نوافل عبادات مجھ سے کم ہوتی ہیں
اور اسکی وجہ سے غم اور رنج قلب پر غالب ہو اسلئے کہ عبادات نافلہ اور ذکر لسانی و مراقبات کی کثرت سے
اصل مقصود یہی ہے جب یہ حاصل ہوگیا تو ان اعمال میں بوجہ تعب کے یا کسی اور عذر سے کمی آجاوے

تو کچھ حرج نہیں باقی ترقی مدارج معرفت کے لئے اور حصول استقامت کے لئے جسقدر سہولت سے عبادت
ہو اسکو کرنا چاہئے آگے اس کی ایک لطیف وجہ ارشاد ہی کہ قلت اعمال سے تو افسوس نہ کر اسلئے کہ اللہ تعالیٰ
نے جو یہ دروازہ اپنی معرفت کا تجھپر کھولا ہی اس سے سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تیرے اعمال ظاہر
ہی میں تجھکو نہ رکھیں بلکہ اُس سے ترقی دیکر اپنی معرفتِ کاملہ کی نعمت عظمیٰ تجھکو دیں اور تجھپر اپنے اسماء و
وصفات کی تجلی مبذول فرما دیں اور یہ نعمت اعمال ظاہرہ کی کثرت سے لاکھوں درجہ زائد ہی اور سمجھ تو
سہی کہ یہ نعمت معرفت تو حق تعالیٰ نے تجھپر بھیجی ہی اور اعمال وعبادات تو انکی بارگاہ میں پیش کرتا ہی تو تیری
وہاں بھیجی ہوئی شئے کو انکی عطا کی ہوئی دولت سے کیا نسبت ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی کے پاس کوئی تحفہ بھیجے
اور یہ شخص بادشاہ کیلئے کچھ پیش کرے تو بادشاہ کے تحفہ اور اس کی حقیر شئی میں بڑا فرق ہی تو اعمال تو تیرے
بھیجے ہوئے ہیں اور نعمت معرفت اس کی عطا کی ہوئی ہی تو معرفت کی نعمت اعمال ظاہرہ سے بڑھکر ہی۔ اگرچہ
حقیقت میں اعمال کی توفیق اور ان کا وجود بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہی لیکن اسمیں بندہ ان افعال کا
کاسب ہے اور نعمتِ معرفت بلا واسطہ غیب سے قلب پر آتی ہی۔ اس سبب سے اعمال کی نسبت بندہ کی طرف
ہے اور نعمتِ معرفت من کل الوجوہ اللہ کی طرف سے ہے کسب عبد بھی اسمیں واسطہ نہیں ہی۔

جب تک تو اس دار دنیا میں ہی کدورتوں کے پیش آنے کو کچھ عجیب وغریب خیال نہ کر کیونکہ دنیا
نے اسی شئے کو ظاہر کیا ہی جو اسکا وصف ضروری اور نعمت لازمی ہی۔ ف لے مومن جب تک
تو اس دنیا میں مقید ہی تو مصائب اور حوادث وخلاف طبع واقعات پیش آنے کو عجیب وغریب نہ جان
یا اے سالک وذاکر وشاغل جبتک تو اس دنیا میں ہی اپنے نور قلب پر کدورات کے بادل آجانے
اکو عجیب نہ جان اسلئے کہ عجیب وغریب تو وہ شئی سمجھی جاتی ہی جس کے واقع ہونے کا خیال نہ ہو حالانکہ
ان کدورات ومصائب وحوادث کے واقع ہونے سے دنیا نے وہی بات ظاہر کی ہی جو اس کی
صفت لازمی اور ذاتی ہے اور جو کسی شئی کو لازم ہوتا ہے اسکا تو ظہور ہو کر رہتا ہے اور کدورات
دنیا کے لئے اسلئے لازم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو امتحان وابتلا کا گھر بنایا ہے تو خلاف طبع امور کا
واقع ہونا اسمیں ضروری ہی تاکہ امتحان ہو کہ کون ہماری بلا پر صبر کرتا ہی۔ اور کون بے صبری اور

موافق طبع واقعات یعنی نعمتوں کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ آزمائش ہو کہ کون شکر کرتا ہے اور کون ناشکری

تیرا اس امر کو پیش نظر رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی مصیبت پہونچانے والا ہے بالضرور تجھ پر تیری

دا اور سی کو ہلکا کر دیوے گا کیونکہ جسکی طرف سے تجھکو تکالیف مقدرہ ہوئی ہیں وہ ہی ہے کہ جسنے ہمیشہ ہر

امر میں تیرے لئے بھلائی اختیار کی ہے۔ ف لے مبتلائے مصائب اگر تو یہ بات قلب کے پیش نظر کرے
کہ مجھ پر جو یہ مصیبتیں آرہی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ ہی مجھکو مبتلا کرنیوالا ہے اسباب ظاہرہ کو اس میں
مطلق دخل نہیں ہے تو ان مصائب سے جو تجھکو دکھ اور درد پہونچ رہا ہے وہ بہت ہلکا ہو جائیگا اس لئے
کہ جس کی طرف سے تجھکو یہ مصیبتیں پہونچ رہی ہیں وہ ہی ذات تو ہے کہ جس نے ہمیشہ ہر بات میں تیرے
ساتھ بھلائی اختیار فرمائی ہے اب یہ مصیبت جو اس کی طرف سے آئی ہے باوجود اسکے کہ تیرے ساتھ اسکا
سلوک ہمیشہ رحمت و شفقت کا رہا ہے تو ذرا سمجھ سے کام لے کہ اب وہ بدل تو نہیں گیا تو اس مصیبت
میں ضرور بالضرور یقینی بات ہے کہ مصلحت وحکمت ہے کہ ظاہراً وہ تجھکو بلا معلوم ہوتی ہے اور حقیقت میں تیری
خیر خواہی اور رحمت ہے پس جب یہ علم حال کے درجہ میں تیرے قلب کی صفت بن جائیگا تو یہ پریشانی
جو تجھکو اب ہے یہ نہ رہے گی۔ گو اس مرض یا مصیبت کی وجہ سے ظاہر جسم یا ظاہر قلب کو دکھ ہو لیکن
باطن قلب میں انشراح اور قلب باغ باغ رہے گا۔

جس نے یہ گمان کیا کہ مصیبت اور تکالیف میں اسکا لطف و مہربانی جدا ہے تو یہ اسکی نظر

عقل کا قصور ہے ف جس بندہ مومن نے یہ سمجھا کہ نعمت اور عیش اور مزہ کی حالت میں خدا تعالیٰ کی
مہربانی اور احسان ہے اور مصیبت اور تکالیف میں اسکی مہربانی و لطف ہم سے جدا ہو گئی تو یہ اسکی عقل
کی کوتاہی ہے اور کوتاہ بینی ہے کہ اس کی نظر صرف ظاہر پر رہی حالانکہ مصائب میں وہ وہ باطنی نعمتیں
مومن پر ہوتی ہیں کہ ظاہری نعمتوں میں نہیں ہو سکتیں بلکہ ظاہری نعمتوں میں بہت آفات ہیں اسلئے
کہ جب نفس کو اس کی مرغوب چیزیں ملتی ہیں تو اسکو قوت پہونچتی ہے اور سرکشی اس کی بڑھکر معاصی اور
کم از کم غفلت میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے اور مصائب میں نفس کی قوت ٹوٹتی ہے اور چونکہ ایمان
ہے اسلئے وہ اس حالت میں حقتعالیٰ کی طرف التجا کرتا ہے اور نیز صبر اور دنیا سے بے رغبتی اور

رضا بالقضاء کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہ سب اعمالِ قلب ہیں جو اعمال ظاہرہ سے کہ جنکو وہ فراغت وصحت کی حالت میں کرتا تھا بڑھا ہوا افضل ہیں پس مصائب میں اللہ کی رحمت کو اپنے سے جدا جاننا یہ عقل کی کوتاہی سے ہوا۔

سولھواں باب حق سبحانہ کی نہانی مہربانیوں اور اسکے بندوں پر احسانات کے بیان میں

صرف دار آخرت ہی کو اپنے مومن بندوں کے اعمال کے لئے محل جزا دو وجہ سے مقرر فرمایا ایک تو اسوجہ سے کہ جو کچھ ان کو دینا چاہتا ہے یہ دار دنیا اسکو سما نہیں سکتی دوسرے یہ کہ دار بے بقا میں بدلہ دینے سے ان کی قدر کو برتر اور بالا ٹھیرایا ف اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے اعمال صالحہ کا بدلہ دینے کے لئے آخرت کا گھر مخصوص فرمادیا ہے اور دنیا کو مقرر نہ فرمایا تو اس کی دو وجہ ہیں اول تو یہ جو بدلہ ان اعمال کا مومنین کو وہ دینا چاہتا ہے یہ دنیا اسکو کسی طرح نہیں سما سکتی اسلئے کہ بہت چھوٹی ہے اور وہاں ادنیٰ مومن کو حدیث شریف میں آیا ہے کہ اسقدر ملیگا کہ اسکی مسافت سات سو سال میں ختم ہو اور آیا ہے کہ ادنیٰ مومن کو دنیا اور دنیا سے دس حصے زائد ملیگا یہ تو کمیت کے اعتبار سے ہے اور کیفیت کے اعتبار سے بھی یہ دنیا وہاں کی نعمتوں کو نہیں سما سکتی اسلئے کہ دنیا کدورتوں کی جگہ ہے اور وہاں جو کچھ عنایت ہوگا وہ پاک صاف ہوگا چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جنت کی ایک حور کے کنگن کا نور اگر دنیا میں ظاہر ہو تو چاند سورج کی روشنی ماند پڑ جائے اور مٹ جائے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے مرتبہ کو بہت بلند بنایا ہے دنیا میں جو کہ فانی اور بے بقا ہے ان کو بدلہ دینا یہ ان کی مراتب عالیہ کے خلاف ہے ان کی منزلت اللہ کے نزدیک اس سے بہت اونچی ہے کہ ایسے فانی اور بے ثبات گھر میں ان کو بدلہ دے اسلئے دار آخرت کو بدلہ دینے کے لئے مقرر فرمایا۔ پس مومن کو چاہئے کہ یہاں کی نعمتوں میں مشغول ہو کر آخرت کو نہ بھولے اور نیز یہاں کی مصیبت کو مصیبت نہ جانے

اسلئے کہ اسکے لئے وہاں وہ شئی طیار ہو رہی ہے جو اسکے خیال و وہم سے باہر ہے۔

بسا اوقات تجھکو دنیا وی زخارف عطا فرمائے اور حلاوتِ طاعت سے محروم کیا اور بسا اوقات لذات دنیا سے محروم کیا اور توفیق بندگی عطا فرمائی ف ایسا بہت ہوتا ہے کہ تجھکو اللہ تعالیٰ دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کی مزہ دار چیزیں عطا فرماتے ہیں اور تو کوتاہی فہم کی وجہ سے انمیں مشغول ہو جاتا ہے اور طاعت کی توفیق اور اس کی حلاوت کی لذت سے محروم فرما دیتے ہیں اسلئے کہ نفس جب دنیا کی لذتوں میں لگا ہوا ہے تو طاعت کی لذت اسکو کیسے آسکتی ہے اور بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی لذتوں سے تجھکو محروم فرما دیتے ہیں جسکو ظاہر میں محرومی اور بدنصیبی جانتا ہے لیکن اس کے عوض میں بندگی کی توفیق اور اسکی حلاوت عطا فرماتے ہیں پس بندہ کو چاہئے کہ ظاہری عطا اور حرمان پر اپنی نظر کو نہ رکھے بلکہ حقیقت ہر شئے کی سمجھکر ہر وقت کا حق ادا کرے

جب نہ دینے میں تیرے فہم کا دروازہ تیرے لئے کھولدیا تو یہ نہ دینا ہی عین عطا ہو جائیگا ف فہم سلیم اور عقل کامل درحقیقت عارفین ہی کو ملی ہے اور دوسرے اس سے محروم ہیں اور یہ بڑی بھاری دولت ہے دین اور دنیا کی سعادت یہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے سالک جب تجھکو دنیا یا دین کی کوئی نعمت اللہ تعالیٰ نے نہ دی ہو اور اس نے دینے سے تیرے قلب میں کوئی حسرت اور غم پیدا نہیں بلکہ فہم صحیح سے تو سمجھتا ہے کہ اسی میں حکمت اور رحمت ہے اور اسی پر قلب راضی اور خوش ہے کسی طرح تو یہ نہیں چاہتا کہ میری یہ حالت بدلجائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے نہ دینے سے ویسا ہی خوش ہے جیسا دینے میں ہوتا تو اس نہ دینے کو نہ دینا کہنا ہی غلط ہو جائیگا اور یہ نہ دینا عین دینا اور عطا ہو جائیگا اسلئے کہ یہ فہم اور اپنے مولیٰ کی قضا پر راضی ہونا اس نہ دی ہوئی نعمت سے بدرجہا لذیذ ہے

جب تجھکو دیا تو اپنا جود و کرم دکھلایا اور جب نہ دیا تو اپنا قہر و غلبہ مشاہدہ کرایا پس وہ بہر حال معرفت سے تجھکو بہرہ ور فرماتا ہے اور اپنے لطف و احسان کیساتھ تیری طرف متوجہ ہے ف مقصود انسان کی پیدائش سے یہ ہے کہ آدمی کو اپنے مولیٰ اور اس کی صفات عالیہ کی معرفت حاصل ہو اسی واسطے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تفسیر الا لیعرفون کے ساتھ حدیث میں آئی ہے اور اس کی

معرفت بدون اس کی عطا کے نہیں ہو سکتی اور معرفت کے حاصل ہونے کی صورت یہی ہے کہ بندہ پر جو حالات
قضا و قدر سے آویں ان سے اپنے مولیٰ کی معرفت حاصل کرے کہ وہ اسی واسطے اسکے حسب حال پیش
آتے ہیں پس جس کی عقل سلیم ہے وہ ہر حال سے معرفت رب سے حصہ لیتا ہے اسی مضمون کو شیخ ارشاد
فرماتے ہیں کہ اے سالک جسوقت اللہ تعالیٰ نے تجھ کو کوئی نعمت عطا فرمائی تو اس نے تجھکو اپنی جود و کرم
کی صفت کا مشاہدہ کرایا اور جسوقت تجھ سے اپنی نعمت روک لی اور تجھکو تکالیف اور شدۃ کی حالت
پیش آئی تو اس حالت سے تجھ کو اپنے قاہر غالب ہونے کی صفت دکھلائی تو وہ بڑا خوش نصیب ہے
جو ہر حال سے سبق لے اور ہر آن اپنے مولیٰ کی معرفت تازہ بتازہ حاصل کرے اور اسکا قلب ہر وقت
اپنے رب کی معرفت کی دولت سے باغ باغ رہے پس وہ ہر حالت میں خواہ تیری طبع کے موافق ہو
یا مخالف اپنی معرفت سے جو تجھ کو حصہ پہونچاتا ہے اور معرفت تمام نعمتوں سے بڑھکر ہے اسلئے ہر آن اپنے
لطف و احسان کیساتھ تیری طرف متوجہ ہے اور جو بندہ کور مغز ہے اور اپنے نفس کے مزوں کا بندہ
بن رہا ہے وہ نعمت کی حالت میں اس نعمت پر متوجہ اور مولیٰ سے غافل اور اس نعمت کا اپنے
کو مستحق سمجھنے والا اور اترانے والا ہو جاتا ہے اور مصیبت میں اسکو مصیبت اور سختی ہوتی ہے اور نفس
میں رب کی شکایت آتی ہے۔ نعوذ باللہ۔

نہ دینا صرف اسوجہ سے تجھکو تکلیف رساں ہے کہ تجھکو نہ دینے میں اللہ تعالیٰ شانہ کی حکمت ولطف کی فہم نہیں ف اے سالک تجھ کو جو حق تعالیٰ نے افلاس و تنگدستی و مصائب میں مبتلا کر رکھا
ہے اور اس سے تیرے قلب کو تکلیف و دکھ پہونچتا ہے اسکی وجہ صرف جہل ہے کہ تیرے قلب کو
اس نہ دینے کی حکمت اور اس میں جو لطف و کرم ہے اسکا مشاہدہ نہیں ہے اور اگر تجھکو اس سے جہل نہ
ہوتا تو جیسا دینے سے خوش ہوتا ایسا ہی نہ دینے سے لذت پاتا بلکہ نہ دینے سے زیادہ لذت حاصل کرتا
اسلئے کہ فقر و فاقہ اور سختی و مصائب خاص بندوں کا حصہ ہے۔

خلق کا دینا تیرے لئے حرمان ہے اور اللہ تعالیٰ شانہ کا نہ دینا بھی احسان ہے۔ ف اے سالک
مخلوق اگر تجھ کو کچھ دے تو ان کا یہ دینا اگرچہ ظاہرا دینا ہے اور بظاہر تیرا نفع ہے کہ تجھکو بلا تعب ایک

شے ملی لیکن حقیقت میں یہ ملنا نہیں ہے بلکہ محرومی ہے اسلئے کہ مخلوق پر تیری نظر ہو گی اور جسقدر مخلوق کی طرف نظر ہو گی اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے تجھکو بعد اور دوری ہو گی اور حق تعالیٰ پر اعتماد کم ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ اگر نہ دیں اور فقر و فاقہ میں تجھکو رکھیں تو یہ بظاہر نہ دینا ہے لیکن درحقیقت اُسکا احسان اور عطا ہے اسلئے کہ اس صورت میں جو اصلی دولت ہے اسمیں ترقی ہو گی اور تیری نظر اپنے مولیٰ سے نہ ہٹے گی بلکہ اُس کی جانب التجا اور افتقار و احتیاج زیادہ ہو گی اور یہی مقصود ہے۔

جب تیری یہ حالت ہو کہ عطا سے تجھ کو فراخ دلی ہو اور منع سے دلتنگی تو اس سے اپنا بارگاہ

خداوندی میں اہل اللہ کا طفیلی ہونا اور عبودیت میں سچا نہ ہونا سمجھ۔ ف اے سالک اگر تیری یہ حالت ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا فرمادیں تو تیرا دل کھلے اور عبادت و ذکر و شغل میں خوب متوجہ ہو اور اگر وہ نعمتیں عطا نہ فرمادیں تو اس سے تجھکو دل تنگی پیش آوے اور عبادت میں گھبرا دے تو اس علامت سے سمجھ لے کہ تیرا تو بارگاہ خداوندی میں اہل اللہ میں شمار نہیں ہے بلکہ تو ان حضرات کا محض طفیلی ہے کہ جیسے طفیلی بغیر بلائے مہمانوں کیساتھ ہو لیتا ہے اور بلا اجازت میزبان کے چلا آتا ہے اور زبان حال سے مدعی اسکا ہوتا ہے کہ میں بھی بلایا ہوا مہمان ہوں وہی حال تیرا ہے کہ تیرا محض دعویٰ ہے کہ میں بھی اللہ والوں میں ہوں اگر اللہ والوں میں سے ہوتا تو تیری حالت یہ نہ ہوتی اور نیز یہ علامت ہے تیرے عبودیت و بندگی میں سچے نہ ہونے کی اسلئے کہ تیری اس حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفس میں ابھی تک اپنے مزوں کی طلب اور اپنی مراد حاصل ہونیکا میلان موجود ہے اور یہ غلامی و بندگی کے منافی ہے اس میں تو نفس کی بندگی کا شائبہ موجود ہے۔ ہاں اسلئے دل تنگی ہو کہ اسکو یہ خوف طاری ہے کہ یہ حقتعالیٰ کا امتحان ہے اور اس کی صفت قہر و غلبہ کا ظہور ہے دیکھئے مجھ سے اس حالت میں صبر ہو سکیگا یا نہیں اور میں اس حالت میں مستقیم و ثابت قدم رہوں گا یا نہیں تو بندگی میں سچا نہ ہونے کی علامت نہیں ہے اسلئے کہ یہ دل تنگی و خوف بشریت کا مقتضیٰ ہے اور عارف میں بشریت کے عوارض رہتے ہیں۔

بسا اوقات تجھ پر طاعت کا دروازہ کھولا اور قبولیت کا دروازہ نہ کھولا اور بسا اوقات گناہ تجھ پر

مسلط کیا اور وہ اسکی بارگاہ عالی میں پہونچنے کا ذریعہ ہو گیا ف بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ تیرے لئے حقتعالیٰ

اپنی طاعت کا دروازہ کشادہ فرما دیتا ہے یعنی تجھکو توفیق عبادات وطاعات کی دی جاتی ہے رات دن تو نوافل اور اذکار واشغال وتلاوت ودیگر اعمال صالحہ میں مشغول رہتا ہے لیکن چونکہ تیری ان طاعات میں اخلاص کا نور نہیں ہے یا یہ کہ اس کی وجہ سے تیرے اندر خود پسندی آگئی یا دوسرے مسلمان بھائیوں کو حقیر اور اپنے آپ کو مقدس و پارسا جاننے لگا اس سبب سے ان طاعات کے لئے قبولیت کا دروازہ نہیں کھولا جاتا ہے اور بہت دفعہ اسکے برعکس ہوتا ہے کہ گناہ تیرے اوپر مسلط کر دیا یعنی تیری تقدیر میں اس گناہ کا کرنا لکھدیا گیا تو لامحالہ وہ گناہ تجھ سے صادر ہوگا جو بظاہر بارگاہ خداوندی سے مردود کر دینے والا ہے لیکن چونکہ تونے اس گناہ کے بعد توبہ کی اور نادم ہوا اور حق تعالیٰ کی طرف التجا کی اور اپنے آپ کو حقیر اور ذلیل جانا اور جس سے وہ گناہ نہیں ہوا اُسکو اپنے سے بہتر سمجھا تو اس سبب اور واسطہ سے یہ گناہ ہی تیری مغفرت کا سبب اور اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا ذریعہ ہوجاتا ہے پس بندہ کو مناسب یہ ہے کہ ہر شئی کی ظاہری صورت نہ دیکھے بلکہ حقیقت پر نظر لگی رہے اگر طاعت وعبادت کی توفیق ہو تو نہ کرے ان کو حقیر اور اپنے کو بڑا نہ سمجھے اور اگر گناہ ہوجاوے۔ تو اس گناہ کے ظاہر کو دیکھکر رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ شانہٗ کی دو نعمتیں ایسی عام ہیں کہ کوئی شئے اس سے باہر نہیں ہوسکتی اور ہر ایک موجود کے لئے وہ دونوں ضروری ہیں اول نعمت پیدا کرنا اور دوسری نعمت باقی رکھنے کی امداد پے در پے پہنچانا **ف** اللہ تعالیٰ شانہٗ کی نعمتیں ہر مخلوق پر بے انتہا ہیں اور ہر ایک پر خاص خاص نعمتیں بھی بیشمار ہیں لیکن دو نعمتیں ایسی عام ہیں کہ ہر شئے پر ہیں کوئی ادنیٰ شئے بھی ان دونعمتوں سے خالی نہیں اور ہر مخلوق موجود کے لئے وہ دونو لازم ہیں اول نعمت تو ان میں سے پیدا کرنا ہے کہ ہر شئے پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہیں تھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وجود بخشا اور پیدا فرمایا اور نہ ہونے کو اس سے دور فرمایا دوسری نعمت یہ ہے کہ بعد پیدا فرمانے کے ہر شئے اپنے باقی رہنے میں اللہ تعالیٰ کی امداد کی ہر وقت وہر آن محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ہر شئی پر پے در پے ہر آن اسکے باقی رہنے کیلئے بعض اشیاء کی ضرورت ہے ان سے امداد بھیجتے رہتے ہیں اگر ایک آن کے لئے بھی امداد منقطع

ہوجائے تو ہر شئے پردۂ عدم میں بدستور چلی جائے اور ہر شئی کی بقا کی امداد کے لئے مختلف سامان ہیں
مثلاً حیوانات کے لئے ہوا پانی غذا وغیرہ اور جمادات واجرام سماویہ کے لئے اُن کی شان کے
مناسب اور ملائکہ وغیرہ کے لئے جو ان کے باقی رکھنے والی چیز ہے علیٰ ہذا۔

اول تجھ پر ایجاد کی نعمت مبذول فرمائی اور دوسرے ہر لحظہ پے در پے ظاہری و باطنی بقا
کی نعمت پہونچائی ف ارشاد سابق میں ایجاد و امداد کی نعمت کا ہر شئے پر ہونا بیان فرمایا تھا یہاں
خاص انسان بلکہ مومن مخاطب ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے مومن تجھ پر اول تو ایجاد
کی نعمت مبذول فرمائی یعنی تجھکو عدم سے وجود میں لایا اس سے سمجھ لے کہ میری اصل عدم محض
ہے اور وجود میں اپنے مولیٰ کا محتاج ہوں اور احتیاج میرا ذاتی امر ہے اسکو فراموش نہ کروں
دوسرے ہر لحظہ اور ہر آن تیری ظاہری بقا اور باطنی بقا کے لئے نعمتیں پہنچاتے ہیں۔ ظاہری
بقا تو اس جسم و حیات کا باقی رہنا ہے اسکے لئے تو رزق و دیگر سامان معاش مہیا فرماتے اور باطنی
بقا یہ کہ اس کی روحانی اور ایمانی بقا کے لئے پے در پے امداد پہونچائی اور ہر آن پہونچائی جاتی
ہے اگر یہ امداد نہ ہو تو مومن گمراہ ہو جائے چنانچہ جو بندوں سے یہ امداد اٹھا لیتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے
ہیں پس جب تیری یہ حالت ہے کہ کسی آن اپنے مولیٰ سے مستغنی نہیں اور کوئی شئی ایسی نہیں کہ جسکو تو اپنی
بتلا سکے اور اُس کا مستقل مالک ہو سرے پا تک محتاج محض ہے تو یہ استقلال تیرے اندر کیا ہے
یہ پندار کیسی یہ خود بینی اور خود پسندی کیسی یہ کمالات کے دعوے کیسے صحیح ہوں گے تجھکو چاہیے
کہ بندہ بنے اور اپنی اصلیت کو پیش نظر رکھے اور دعوے و پندار کو چھوڑے۔

جب تجھکو ما سوا سے متوحش اور دل برداشتہ کر دیا تو تو سمجھ لے کہ وہ تیرے لئے
اپنے ساتھ دل لگی اور انس کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے۔ ف اے سالک اگر تیری حالت یہ
ہو کہ تیرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد کے سوا کسی شے میں نہ لگتا ہو اور مخلوق سے گھبراتا ہو تو اس علامت سے تو سمجھ لے
کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ تجھکو دل لگی اور اُنس عطا فرما دیں گے اور اپنے ماسوا سے منقطع فرما دینگے اور اگر
مخلوق سے تیرا دل بہلتا ہو اور خلوت میں اور ذکر میں دل گھبراتا ہو تو سمجھ لے کہ یہ سخت خسارہ اور افلاس ہے،

جب اپنا فضل واحسان تجھ پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں اعمال صالحہ تجھ میں پیدا کرکے مدح کے موقعہ
میں تیری طرف نسبت کردیتا ہے ف جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر اپنا فضل واحسان ظاہر فرمانا چاہتا ہے
تو اعمال صالحہ واخلاق حمیدہ اس میں پیدا فرماتے ہیں اور مدح کے موقع میں اس بندہ کی طرف ان
اعمال کی نسبت فرماتے ہیں یہ بندہ کے کمالات کی حقیقت ہے کہ اسکے فعل اور اختیار کو اسمیں کچھ دخل
نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی اسمیں اعمال پیدا فرماتے ہیں اور نسبت اسکی طرف کرتے ہیں چنانچہ اسکو مومن
متقی محسن کے القاب عطا فرماتے ہیں تو بندہ کو اگر عقل سلیم ہو تو اس فضل کو دیکھکر اترانے نہیں
بلکہ شرمادے اور اپنے نفس کی طرف کسی صفت کو منسوب نہ کرے ہاں شرور اور نقائص کو اپنی
طرف نسبت کرے اور صفات حسنہ کو مولیٰ کی طرف نسبت کرے۔

جسنے تیری تعظیم وتکریم کی درحقیقت اُس نے تیری تعظیم وتکریم نہیں کی بلکہ اُسنے تیرے مولیٰ
حقیقی تعالیٰ شانہ کی پردہ پوشی کی تعظیم وتکریم کی (کہ اُسنے تیرے عیوب کو چھپایا) تو تیری حمد وثنا کا مستحق
تیرا مولیٰ پردہ پوش ہے نہ تیرا تعظیم وتکریم کرنے والا ف اے سالک جو شخص تیرے ساتھ تعظیم وتکریم سے
پیش آوے یا کچھ دے یا محبت کا معاملہ کرے تو تو اس سے اترا مت اور یہ مت سمجھ کہ میرے اندر کوئی
خوبی ہے اُس نے درحقیقت یہ تیری تعظیم وتکریم نہیں کی بلکہ فی الواقع اس نے حق تعالیٰ کی صفت پردہ
پوشی اور ستاری کی تعظیم کی اسلئے کہ اگر اس کی پردہ پوشی نہ ہوتی اور تیرے عیوب نفسانی کو ظاہر
فرما دیتا تو یہ تعظیم کرنے والا تیری طرف تھوکنا بھی روا نہ رکھتا اور سب تجھ سے نفرت کرتے اسلئے کہ
تیرا نفس تو مجموعہ عیوب وشرور کا ہے تو تو اس تعظیم کرنیوالے اور دینے والے ومحبت کرنیوالے کی تعریف مت
کر حمد کے لائق تو وہ ذات ہے جسنے تیری پردہ پوشی کی اور وہ نہیں ہے جو تیری تعظیم وتکریم کرتا ہے اور
تیرا شکریہ کرتا ہے پس اس موقع پر دو غلطیوں کا تجھ سے صادر ہونیکا احتمال ہے اول تو یہ کہ اُس
تعظیم کرنے والے کیطرف تیری نظر ہو اور اسکو تو محسن سمجھے حالانکہ محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے کہ اُسنے
پردہ پوشی فرمائی دوسری یہ کہ اس تعظیم وتکریم سے اپنے اندر کوئی خوبی سمجھے یہ بھی غلطی ہے ہاں اگر اپنے
محبت کرنیوالے اور تعظیم کرنے والے کا شکریہ ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے ہاتھوں مجھے خیر پہونچائی۔

ہے اور حقیقتاً نظر حق تعالیٰ کی طرف ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اگر اس کی خوش آئندہ پردہ پوشی نہ ہوتی تو کوئی عمل قبولیت کے لائق نہ ہوتا۔ ف حق تعالیٰ کی صفت ستاری و پردہ پوشی کی اگر نہ ہوتی تو کسی کا کوئی عمل قبولیت کے لائق نہ ہوتا اسلئے کہ قبولیت کے لائق وہ عمل ہی کہ جسمیں نفسانی آمیزش اور غرض نام کو نہ ہو اور بندہ کا نفس خواہ کتنا ہی مزکی و مہذب ہو جائے لیکن پھر بھی نفس کو اپنی طرف نظر کسی نہ کسی درجہ میں رہتی ہے گو وہ درجہ کم ہو اور گو کسیکو اُس کا ادراک بھی نہ ہو اسلئے کہ نفس خلقتاً شر اور عیوب سے پُر ہے پس یہ حق تعالیٰ کی پردہ پوشی ہے کہ بندہ کے عیوب پر نظر نہیں فرماتے اور بڑا حلم ہی کہ اُسپر سزا نہیں دیتے اور اُس سے بڑھکر یہ کہ اُسکے اعمال جو کھوٹے اور عیب دار پونجی ہے قبول فرماتے ہیں ورنہ اس کی درگاہ عالی کے قابل کسکا عمل ہو سکتا ہی پس اے سالک اُسپر حد سے زیادہ غم نہ کر کہ میرا عمل خالص نہیں آمیں ریا ہی یا عجب ہے بالکل خالص ہونا محال ہی جب قبول فرماویں گے عیب دار ہی کو قبول فرما دیں گے اور اُسی پر ثواب عطا فرماوینگے

پہلے اس سے کہ عالم ظاہر میں تجھ سے اپنی یکتائی پر گواہی لیوے عالم غیب میں تجھکو اپنی وحدانیت کا مشاہدہ کرایا تو ظواہر اُس کی اُلوہیت کے ساتھ تر زبان اور قلوب و سرائر اُسکی یکتائی کے یقین کناں ہو گئے ف اے سالک تو جو اس عالم میں حق تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے اور اسی کی عبادت و حمد و ثنا کرتا ہے اسکو یہ مت سمجھ کہ اسکا کوئی منشا اور علت پہلے سے نہیں ہی قبل اسکے کہ اس عالم ظاہر میں تجھ سے وحدانیت پر گواہی طلب کی جاوے عالم ارواح میں تجھ کو اپنی وحدانیت کا مشاہدہ کرا دیا ہے پھر جب تو اس عالم میں جسم خاکی کیساتھ متقید ہوا تو اس روحانی مشاہدہ کی وجہ سے ظواہر یعنے تیرے اعضائے ظاہری اس کی الوہیت اور معبودیت کے ساتھ بولنے لگے چنانچہ زبان تو حقیقتاً وحدانیت کے ساتھ بولتی ہی اور دوسرے اعضا زبان حال سے خدائے برحق کے معبود ہونے کو بتلا رہے ہیں کہ اُسی کی بارگاہ میں سجدہ و رکوع کرتے ہیں اور قلوب اور لطیفۂ سر اُس کی یکتائی کا یقین کرتے ہیں اگر وہ روحانی مشاہدہ نہ ہوتا تو اس عالم میں یہ گواہی اعضا کی اور قلب کا یقین نہ ہوتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شہر دیکھا یا کسی شخص سے ملے اور مدتکے

بعد تم اسکو بھول گئے تو اگر یاد دلانیوالا تم کو یاد دلائے اور پتے و نشان دے تو تمکو وہ یاد آجائیگا۔ اور فوراً اول کو علم یقینی اس کے دیکھنے کا ہوجائے اور اگر دیکھا ہی نہ ہو تو کتنا ہی کوئی پتہ و نشان دے یقین نہ آئیگا۔ اس لیئے کہ یقین کس شئے کا آوے متخیلہ میں وہ صورت ہی نہیں ہے اسی طرح اگر روحانی مشاہدہ نہ ہوتا اور محض دلائل حق کے ہوتے تو یقین جو مثل مشاہدہ کے ہے ہرگز نہ ہوتا اسلیئے کہ یقین کامل جب آتا ہے تو اسکا سہارا دلائل پر نہیں رہتا یقین کی مثال ایسی ہے جیسے گم شدہ شئے اور بھولی ہوئی شئے کو دیکھ لیتے ہیں اسی طرح وحدانیت و رسالت اور تمام امور معاد کا یقین کامل مومن کامل کے قلب میں اسی درجہ کا ہوتا ہے دلائل سے اسکو کچھ واسطہ نہیں ہوتا تو یہ یقین اُس مشاہدۂ روحانی کے سبب سے ہے کہ جملہ حقائق کا روح کو مشاہدہ کرادیا گیا جب روح اس جسم خاکی کے ساتھ مقید ہوئی تو اس جسم کے عوارض نے اُس مشاہدہ کو بھلا دیا اسلیئے انبیاء کی تعلیم اور قرآن و حدیث نے یاد دلایا پس اگر فضل الٰہی شامل حال ہے تو ان عوارض کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور روح پھر اپنے مشاہدۂ اصلی کی طرف مشغول ہوجاتی ہے اور اعضاء ظاہری تو اُسکے تابع ہیں وہ بجاآوری احکام میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

گاہے اپنی بادشاہت کی پوشیدگیوں پر تجھکو مطلع کرتا ہے اور اپنے بندوں کے دلوں کے بھیدوں کی اطلاع تجھ سے روک دیتا ہے (کیونکہ جو شخص بندوں کے بھیدوں پر واقف ہوا اور رحمت الٰہی کو اُس نے اپنی عادت نہ بنایا تو اس کی یہ آگاہی اُسکے لیئے فتنہ اور اُسپر وبال کے آنے کا ذریعہ ہوجاتی ہے

ف اے سالک کبھی اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنی بادشاہت کی پوشیدہ چیزوں یعنی زمین و آسمان کی مخفی اشیاء پر بذریعہ کشف و الہام کے اطلاع فرما دیتا ہے مثلاً آئندہ کے واقعات یا کسی شہر دور و دراز کے واقعات کا علم عطا فرماتا ہے لیکن اپنے بندوں کے دلوں کی باتوں اور بھیدوں کی اطلاع تجھ کو نہیں دیتے اور تجھکو اس کی حرص ہے کہ نامناسب نہیں اسلیئے کہ اس اطلاع نہ دینے میں تیرے لیئے بڑی مصلحت اور حکمت ہے اسلیئے کہ بندوں کے اسرار باطنہ پر اطلاع اُس شخص کو دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کا مظہر اتم بن گیا ہو۔ جیسے حق تعالیٰ کی صفتِ رحمت عام ہے کہ سب کچھ جانتے ہیں اور دلوں

کے حال سے واقف ہیں لیکن پھر حلم اور رحمت سے چھپاتے ہیں اور جاہلوں سے درگذر فرماتے ہیں۔ اور بدکاروں سے جلدی مواخذہ نہیں فرماتے ہیں اور سب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں ایسی صفت اسکی عادت بن گئی ہو اور جسمیں یہ بات نہ ہو تو یہ اطلاع اسکے لئے فتنہ کا سبب ہو جائیگی اسلئے کہ اس شخص کو اپنے نفس کی طرف نظر ہوگی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھے گا اور دوسرے مسلمانوں کو حقیر جانیگا اسلئے کہ آدمی کے دل میں بری بھلی باتیں سب قسم کی آتی ہیں ہر شخص پاک اور مہذب نہیں ہے اور اسکو ان خطرات پر اطلاع ہوگی تو اسکو حقیر جاننے لگیگا اور اپنے آپکو پاک سمجھے گا تو یہ اسکے لئے بڑا فتنہ ہوگا اور نیز یہ اطلاع اسپر وبال کے آنے کا ذریعہ بنجائے گا۔ اسلئے کہ جب اس نے اپنے آپ کو بڑا جانا تو یہ بڑا جاننا سخت وبال ہے کہ بڑائی خاصہ حق تعالیٰ شانہ کا ہے اور جو دوسرا اسکا مدعی ہوتا ہے اسکی گردن توڑی جاتی ہے پس خیر اسی میں ہے کہ اسرار عباد پر اطلاع نہو اور جسکے اندر یہ اندیشہ نہ ہو بلکہ رحمت اور درگذر کرنا اس کی عادت ہو اسکو بندوں کے راز پر اطلاع ہو جاتی ہے اور اسکے لئے یہ فتنہ نہیں ہوتا۔

اپنی عنایت خاصہ اور توجہ کے بھید کے ظہور کیطرف اپنے بندوں کو نگراں پایا تو فرمایا اللہ تعالیٰ جسکو چاہے اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرے (اور ظلم کی رگ کاٹ ڈالے) اور جب یہ دیکھا کہ اگر ان کو اسی کیساتھ چھوڑ دیا جائے گا کہ سِرّ عنایت وہبی ہے تو تقدیر ازلی پر اعتماد کرکے عمل کرنا چھوڑ دینگے. تب یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکاروں کے نزدیک ہے۔ ف جاننا چاہئے کہ حقتعالیٰ کی رحمت دو قسم کی ہے ایک تو رحمتِ عامہ کہ جس کی وجہ سے ہر شئے کو وجود بخشا اور پھر اسکو مدت معینہ تک باقی رکھا یہ رحمت تو کسی شئے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہر شئے پر ہے چنانچہ ارشاد ہے ورحمتی وسعت کل شیٔ یعنی میری رحمت ہر شئے کو شامل ہے اور یہی رحمت ایجاد اور بقا کی ہے اور دوسری رحمت خاصہ ہے توجہ اور قرب اور عنایت کی یہ عام نہیں ہے اسکا مدار مشیت پر ہے کہ جس کو چاہیں بلا علت و بلا سبب اسپر رحمت فرماکر اسکو اپنا مقرب بنالیں اسی کی نسبت شیخ کا ارشاد ہے خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دیکھا کہ وہ اس عنایت خاصہ اور توجہ خاص کے راز

کے نگراں اور طالب ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم پر اسکا ظہور ہو اور ہم اس کی عنایت خاص سے مورد
بنیں اور اس کی بارگاہ عالی کے مقرب در راز دار بنجادیں اور اس مطلوب کے لئے اعمال صالحہ اور
دعائیں کرتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہم بذریعہ اپنے ان اعمال و دعاؤں وطلب کے اس رحمت خاصہ
کے مستحق ہیں تو ان کی اس طمع کے قطع کرنے کے لئے ارشاد فرمایا یختص برحمتہ من یشاء یعنی جس کو
چاہے اپنی رحمت یعنی قرب و توجہ کے ساتھ مخصوص فرما دے یعنی تمہارے اعمال وطلب کو اسمیں
اصلا دخل نہیں ہے اس رحمت خاصہ کا مدار ہماری مشیت پر ہے۔ ہم جس کو چاہیں نواز دیں اور جس
کو چاہیں نہ نوازیں اور جس کو نوازا ہے بلا علت نوازا ہے اور جس کو نوازیں گے بلا سبب نواز دینگے
لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ گو اعمال صالحہ و دعا وطلب علت اس عنایت
ورحمت کی نہیں ہیں لیکن اس عنایت ازلیہ کی علامت ضرور ہیں کہ جس شخص سے اعمال صالحہ
اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے صادر فرماتے ہیں یہ اسبات کی علامت ہے کہ اسکے حال پر توجہ و
عنایت ہے باقی اس بندہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ اعمال مجھے اس عنایت تک پہونچا دیں گے
پس اگر بندوں کو صرف اسی علم پر چھوڑا جاتا کہ عنایت الٰہی کا راز وہی ہے کہ جسکو وہ چاہے
نوازے اور اعمال صالحہ کی ترغیب کے متعلق کچھ نہ بتلایا جاتا تو تقدیر ازلی کے بھروسہ عمل کرنا چھوڑ دیتے
حالانکہ اعمال صالحہ اس عنایت کی علامت ہیں تو اسلئے ارشاد فرمایا ان رحمۃ اللہ قریب من
المحسنین یعنی اللہ کی رحمت خاصہ نیکوکاروں کے نزدیک ہے پس نیک کاری اور اعمال کو چھوڑنا مناسب
نہیں اعمال صالحہ کریں اور امید مشیت الٰہی پر لگائے رکھیں اپنے اعمال پر مطلق نظر نہ رکھیں کہ اُسکو
سبب قرار دیں ورنہ یہ اعتماد اپنے نفس پر ہو جائے گا اور نظر اپنی طرف ہو گی اور اسی کو قطع کرنا مقصود
ہے پس مدار مشیت پر ہے ع تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد۔

ازل میں اس کی عنایت بدون اسکے کہ تجھ سے کوئی امر عنایت کا مقتضی صادر ہو تیری
طرف متوجہ ہوئی اور تو کہاں تھا جب اسکی عنایت کا مواجہ اور اس کی رعایت کی مڈبھیڑ ہوئی ازل میں
نہ عمل کا اخلاص تھا اور نہ احوال کا وجود تھا بلکہ وہاں بجز محض فضل اور بڑی عظمت والی بخشش کے اور کچھ نہ تھا

ف: کا ارشاد ارشاد سابق کے لئے بمنزلہ دلیل کے ہے فرماتے ہیں کہ اے سالک تو جو اعمال صالحہ اور
اپنے احوال قلبیہ اور اپنی طلب کو عنایت اور قرب میں مؤثر جانتا ہے تو یہ تیرے فہم کی کوتاہی ہے اسلئے
کہ ازل میں تجھ سے کونسا عمل ایسا ہوا تھا کہ جو عنایت کو مقتضی ہو حالانکہ عنایت کا تعلق تیرے ساتھ
وہاں ہو چکا تھا اور تیرا وجود ہی کہاں تھا جبکہ اس عنایت کا علم باریتعالیٰ میں تجھ سے آمنا سامنا ہوا۔
اور مہربانی در عنایت کی تجھ سے مڈبھیڑ ہوئی ازل میں نہ تیرے اخلاص کا وجود تھا نہ احوال تھے وہاں تو
سوائے فضل اور عظمت والی بخشش کے کچھ بھی نہ تھا پس تو اسوقت اپنے اعمال کو اس عنایت ازلیہ
میں کیوں دخیل سمجھ رہا ہے مناسب ہے کہ نظر قلب حق تعالیٰ کی رحمت پر رکھ اور اپنے اعمال سے نظر
اٹھا اور اپنے احوال کے مشاہدہ سے کنارہ کر۔

نہ تیری طاعت اسکو کچھ نفع بخشتی ہے اور نہ تیری معصیت اسکو کوئی نقصان پہنچاتی ہے۔ تجھ کو
صرف اسلئے طاعت کا حکم کیا اور معصیت سے روکا کہ اسکا نفع تیری طرف عود کرے ف: اول نہ
تیری طاعت حق تعالیٰ کی ذات پاک کو کوئی نفع نہیں پہونچاتی اس لئے کہ وہ سب سے غنی بالذات ہے۔
اور نہ تیری معصیت اسکا کچھ بگاڑ سکتی ہے اسلئے کہ وہ زبردست تمہاری طاعت کا حکم اور معصیت کی ممانعت
تجھ کو صرف اسلئے فرمائی کہ طاعت کرنے اور معصیت سے باز رہنے کا نفع دین اور دنیا میں تجھکو ہی ملے
من عمل صالحا فلنفسہ ومن اساء فعلیھا پس مقتضی اسکا یہ ہے کہ طاعت کرکے اور معصیت سے رک کر تیرے
نفس کے اندر ذرہ برابر اسکا شائبہ نہ ہو کہ میں نے کوئی کام کیا ہے اسلئے کہ یہ تو اسوقت زیبا ہے جبکہ اس کام کا
نفع کسی غیر کو ہو اگر کیا ہے تو اپنے واسطے اور نہیں کیا تو اپنا ضرر کیا دوسرے پر اسکا کیا احسان ہے اور کسی کا کیا نقصان ہے

کسی متوجہ ہونیوالے کی توجہ نہ اسکی بارگاہ عزت وعظمت کو کچھ بڑھاتی ہے اور نہ کسی روگردانی کرنے
والے کی روگردانی اس کی عزت کو گھٹاتی ہے ف: نفس انسانی کا خاصہ ہے کہ اپنے اوپر دوسرے کو قیاس کیا
کرتا ہے خیر اپنی جنس کو اگر قیاس کرے تو کسی درجہ میں صحیح بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ نفس جاہل حق تعالیٰ کی ذات
پاک کو بھی اپنی حماقت وجہالت سے بعض امور میں قیاس کرتا ہے چنانچہ بعض جاہلوں کو اگر کچھ توجہ
الی اللہ ہوتی ہے تو اسکے نفس میں شائبہ اسکا موجود ہوتا ہے کہ ہم نے اللہ کیطرف متوجہ ہو کر اللہ کے

دین کو عزت و رونق دیدی یا کوئی شخص جو پہلے دین کا حامی اور خیر کے کاموں میں شریک ہوتا تھا۔ وہ اگر اس سے روگردانی کر جائے یا مر جائے تو سمجھتے ہیں کہ اللہ کے دین میں کمی آگئی شیخ رحمۃ اللہ علیہ انکا دفعیہ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ کسی متوجہ ہونے والے کی توجہ اسکی بے انتہا عزت کو نہیں بڑھا سکتی اسلئے کہ اس کی عزت حقیقتاً خود کامل ہے اسمیں بڑھنا محال ہے اور نہ کسی کی روگردانی اس کی عزت کو گھٹا سکتی ہے جو اس کی طرف متوجہ ہو خود اسکا نفع ہے یا اعراض کرے تو اسکا ہی نقصان ہے۔

خلقت کے ہاتھوں تجھکو صرف اسلئے اذیت پہونچائی کہ تیرا دل ان میں تسکین نہ پائے تجھ کو مخلوق کی اذیت پہنچا کر ہر ایک سے برداشتہ کیا تاکہ کوئی چیز اس مولی حقیقی تعالیٰ سے تجھکو غافل نہ کردے

ف اے سالک اگر مخلوق سے تجھکو کسی قسم کی تکلیف پہونچے بے آبروئی کی یا دوسری قسم کی جان و مال کی تو اس سے گھبرا مت اور پریشان مت ہو اس میں تیرے لئے بڑی مصلحت ہے کہ تجھکو یہ تکلیف حق کی طرف سے اسلئے پہونچی ہے کہ اگر تکلیف نہ پہونچتی بلکہ ان سے کوئی راحت پہونچتی تو تجھ کو ان سے ایک قسم کی تسلی اور ان پر اعتماد ہوتا اب اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تیرے قلب کو مخلوق کے ساتھ بالکل ٹھیراؤ نہ ہو اس لئے تجھکو مخلوق سے اذیت پہونچا کر ہر ایک چیز سے برداشتہ خاطر کر دیا اسلئے کہ عاقل کو مثلاً دو ایک کے تعلق سے تکلیف پہونچی اور ان کی بیوفائی و قلت ثبات ظاہر ہوا خواہ تو اس طرح کہ ان لوگوں ہی نے آزار دہی کا ارادہ کیا اور یا اسطور سے کہ ان سے مفارقت ہوگئی۔ خواہ ان کے مرنے سے یا غائب ہونے سے اور اس سے قلب صدمہ زدہ ہوا تو دیگر مخلوق بھی ان ہی جیسی ہے اسلئے سب سے دل برداشتہ ہو جائیگا اور یہ حق تعالیٰ کی بڑی حکمت اور رحمت اس کے لئے ہوگی کہ کوئی شئے اس مولیٰ حقیقی سے اس بندہ کو غافل نہ کرے گی اور فنا ہونیکا مشاہدہ ہر شئے میں دیکھے گا اسلئے کسی سے جی نہ لگاوے گا۔

شیطان کو تیرا دشمن اسلئے بنایا کہ تجھ کو اپنی طرف بیقرار کرے اور تیرے نفس کو شہوات کی طلب میں تجھ پر اسلئے ابھارا کہ دوامی طور پر تجھکو اپنی طرف متوجہ کرے۔ ف اے بندہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تیرا دشمن بنا کر اس کی تجھکو اطلاع کر دی چنانچہ ارشاد ہے ان الشیطٰن لکم عدو مبین تو

اسمیں یہ حکمت ہے کہ جب تجھ کو حقتعالیٰ کے ارشاد اور نیز تجربہ سے اسکی عداوت ظاہر ہوگی اور خوب کھلی آنکھوں پہچاننے لگا کہ میرا دشمن میرے نفس سے علیحدہ خارج میں بھی موجود ہے جو میرے دین اور دنیا دونوں کا دشمن ہے اور نیز اپنے ضعف اور عجز کی وجہ سے اسکا بھی علم ہوگا کہ مجھکو اسکے مقابلہ کی طاقت نہیں اسلئے کہ جو دشمن قوی بھی ہو اور ظاہری آنکھ سے نظر بھی نہ آوے تو اس کی دشمنی وعداوت بہت ہی خطرناک ہے اور نیز دنیا میں کوئی دوست یا مددگار بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس دشمن کی دشمنی کو دفع کرے تو جب یہ سب علوم حال کے درجہ میں قلب پر وارد ہوں گے تو ایسے وقت خواہ مخواہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ملتجی ہوگا اور اسی کی طرف تیری بیقراری ہوگی اور یہی عین مقصود ہے جو اس کی عداوت سے تجھکو حاصل ہوگا عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد کا مصداق ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ نے تیرے نفس کو شہوات کی طلب میں تجھ پر ابھارا کہ ہر وقت تجھ سے اپنے مرغوبات کی استدعا کرتا رہتا ہے کسی کا نفس گناہ کی خواہش کرتا ہے کسیکا نفس عمدہ عمدہ دنیا کی لذیذ چیزوں کی فرمایش کرتا ہے اور سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اسلئے کہ اسکی یہ فرمایشیں اور غلبہ کرنا اسکو اصلی مقصود سے روکتا ہے تو اسمیں حقتعالیٰ کی حکمت اور رحمت بندہ کے لئے یہ ہے کہ نفس کے ساتھ مجاہدہ اور ریاضت کرے اور جب اس سے عہدہ برآ نہ ہو اسلئے کہ بندہ خود اپنی قوت سے اسپر غالب نہیں آسکتا تو لامحالہ التجا الی اللہ کرے گا اور چونکہ یہ دشمن ہر وقت اسکے ساتھ ہے اور اس کی دشمنی بھی ہر آن ہے اسلئے اسکی توجہ بھی حقتعالیٰ کی طرف دائمی ہو جائے گی اور ہر وقت کی حضوری اس دشمن کی دشمنی کی بدولت میسر ہوگی مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ حضوری دائمی جب میسر ہوگی جبکہ نفس کی عداوت کا علم حالی وذوقی ہوگا۔ نرا علم کافی نہیں

جب تو یہ جانتا ہے کہ شیطان تجھ سے غافل نہیں ہوتا تو تو بھی اپنے ایسے مولیٰ سے کہ تیری

پیشانی اسکے قبضۂ قدرت میں ہے غافل نہ ہو ف اے مومن اور اے سالک جب تو حقتعالیٰ کے ارشاد سے یہ جانتا ہے کہ شیطان کسیوقت تیرے گمراہ کرنیسے غافل نہیں ہے اور ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے چنانچہ ارشاد ہے لاٰتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم یعنی شیطان نے

بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ میں ضرور ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنے اور بائیں سے آؤں گا یعنی ہر جہت سے ان کو بہکاؤں گا تو تجھ کو اس کی تدبیر یہ کرنی چاہیے کہ تو اپنے مولیٰ سے کہ جسکے قبضۂ قدرت میں تیری پیشانی ہے غافل نہ ہو اور اسی کی بارگاہ میں التجا کرے وہ تجھکو اس دشمن سے بچائیگا

تجھ کو اپنے عالم شہادت اور عالم غیب کے بین بین اسوجہ سے پیدا کیا کہ تیری جلالت قدر

اپنی مخلوقات میں تجھکو معلوم کرادے اور یہ جتلادے کہ تو ایسا یکتا موتی ہے جسپر تمام مخلوقات کی سیپ لپٹے ہوئے ہیں۔ **ف** اے انسان تجھکو اللہ تعالیٰ نے عالم شہادت یعنی عالم ظاہر اور عالم غیب کے بین بین پیدا فرمایا یعنی انسان نہ تو کامل طور سے اس عالم کی مخلوق ہے اور نہ پوری طرح عالم غیب جو ملائکہ کا عالم ہے اسکی مخلوق ہے بلکہ دونوں کے درمیان درمیان ہے عالم ظاہرہ کا حصہ بھی لئے ہوئے ہے اور عالم غیب کے بھی خطر رکھتا ہے اور اسکا بین بین ہونا ظاہراً و حسًا بھی ہے اور باطناً و معنیً بھی ظاہراً و حسًا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو آسمان اور زمین کے درمیان میں پیدا فرمایا ہے اور تمام روئے زمین کی چیزیں اسی کے نفع کے لئے پیدا فرمائی ہیں اور سب کو اسکا مسخر بنایا ہے۔ اگر یہ کامل طور سے اس عالم کی مخلوق ہوتا تو مثل دوسری اشیا کے یہ بھی ہوتا اور تمام حیوانات و اشیاء پر یہ غالب و حاوی نہ ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ اسکا عنصر کوئی اور شئی بھی ہے جس کی وجہ سے اسکو غلبہ تمام روئے زمین کی چیزوں پر حاصل ہے اور وہ عنصر وہی عالم غیب کا تعلق اور لطیفہ غیبی ہے اسلئے من کل الوجوہ یہ اس عالم کی چیز نہیں ہے اور نہ من کل الوجوہ اس عالم کی چیز ہے اسلئے کہ یہاں کی سب چیزوں کا محتاج ہے اور سردی و گرمی یہاں کے جملہ عوارض سے مثل دیگر حیوانات کے متاثر ہوتا ہے۔ اگر روحانی محض ہوتا تو ان سب عوارض سے منزہ ہوتا۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے اور معنےً و باطناً اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام موجودات علویہ و سفلیہ لطیفہ و کثیفہ کا جامع بنایا ہے روحانی بھی ہے جسمانی بھی ہے سماوی بھی ہے ارضی بھی دیکھو اسمیں عقل اور معرفت و عبادت ہے یہ صفت فرشتوں کی ہے اور دوسرے کو گمراہ کرنا اور خود گمراہ ہونا اور سرکشی اور حد سے بڑھنا بھی ہے یہ صفت حیوانات اور جنات کی ہے غصہ کی

حالت میں یہ شیر ہے اور غلبہ شہوت کی صورت میں خنزیر ہے اور دنیا کی حرص کے غلبہ کی حالت میں
کتا ہے۔ اور حیلہ گری کی حالت میں بالومڑی ہے اور نشو و نما اسکا درختوں کی طرح ہوتا ہے اسلئے درخت
بھی ہے اور آسمان کی طرح اسرار و انوار کا محل ہے اسلئے آسمان ہے اور نرم درخت کے اگنے کا موقع ہے اسلئے
زمین بھی اسکو کہنا صحیح ہے اور اسکا قلب تجلی گاہ حق ہے اسلئے عرش کے مشابہ ہے اور علوم کے خزانے
اسکے اندر موجود ہیں اسلئے لوح محفوظ سے بھی اسکو تعلق ہے اور جسوقت اسکے اخلاق درست
ہوجاویں تو یہ جنت ہے اور جب اخلاق رذیلہ اسمیں جمع ہوں تو یہ دوزخ ہے غرض تمام موجودات
کے نمونے اسمیں موجود ہیں اسیواسطے اسکو عالم اصغر اور مظہر اتم کہا جاتا ہے اور ایسا جامع بنانے سے
مقصود یہ ہے کہ اسکو اپنا جلیل القدر ہونا تمام مخلوقات میں معلوم ہوجاوے اور واضح ہوجاوے کہ انسان
ایسا موتی اور در یکتا ہے کہ جس کے اوپر تمام مخلوقات کی سیپ چڑھی ہوئے ہیں یعنی تمام مخلوقات
کا نمونہ لئے ہوئے ہے اور جب اپنا جلیل القدر ہونا اسکو واضح ہوجاوے تو اپنے کو مولیٰ کی نافرمانیوں
میں مبتلا کرکے ضائع نہ کرے اور جیسا رفیع القدر اللہ تعالیٰ نے اسکو بنایا ہے ویسا ہی بنجاوے اور
اسکا طریقہ بجز اسکے کچھ نہیں ہے کہ ہر وقت اپنے مولیٰ کی طاعت میں مشغول اور معاصی سے علیحدہ رہے۔

سترہواں باب صحبت و ہمنشینی کے بیان میں

ایسے شخص کی مجالست نہ کر کہ نہ جسکا حال تجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف برانگیختہ کرے اور نہ اسکا کلام
تجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرے۔ ف سالک و طالب کے لئے صحبت سے بڑھکر کوئی شئی نافع
نہیں ہے جس نے کوئی دولت پائی صحبت ہی کی بدولت پائی اسلئے اس مقام پر شیخ علیہ الرحمۃ ایک
قاعدہ کلیہ ارشاد فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کس شخص کی صحبت سالک کیلئے مفید ہے اور کس کی
مضر ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا حال تجھ کو اللہ تعالیٰ کی طرف برانگیختہ نہ کرے اسکی ہمنشینی نہ
کراور حال سے مراد یہ ہے کہ اسکی تمامتر توجہ اور طلب کے تمام جہات اللہ تعالیٰ کی طرف ہوں۔ اور قلب
کی نظر مخلوق سے علیحدہ ہوگئی ہو اپنے تمام حالات میں اللہ ہی کی طرف التجا کرنا اور ہر امر میں اللہ پر

توکل کرنا اسکا حال بنگیا ہو مخلوق کی اس کی ہمت علیا کے سامنے کوئی قدر و منزلت نہ رہی ہو اور تمام
اعمال میں شریعت کا اتباع اس کی طبیعت بن گیا ہو اور اسکا کلام حقتعالیٰ کے سچے رستہ کی طرف
رہنمائی کرے یعنی کلام میں ایسی تاثیر ہو کہ سنکر طالب کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف کشش کرے ایسا شخص
قابل صحبت کے ہے اور جسمیں یہ اوصاف نہ ہوں اگرچہ ظاہر میں عابد زاہد ہو اسکی ہمنشینی سے کوئی
نفع نہیں بلکہ ضرر کا احتمال غالب ہی اسلئے کہ اسکے نفس میں اغیار کے ساتھ تعلق موجود ہے اور صحبت
کا موثر ہونا ضروری ہی تو اسی صحت کا اثر اُسکے پاس رہنے والوں میں بھی آویگا۔

گاہے تو بدکردار ہوتا ہے لیکن تجھ کو تجھ سے بدتر کی صحبت نیکوکار دکھلاتی ہی ف: مومن
کو لازم ہی کہ جو شخص دین میں اپنے سے بہتر ہو اس کی صحبت اختیار کرے کہ اُسکے پاس رہکر اپنے عیوب
پر نظر ہوگی اور اپنی اصلاح کا فکر ہوگا اور اگر اپنے سے بدتر کی صحبت اختیار کی تو اسکا لازمی اثر یہ ہی کہ باوجود
اپنی بدکرداری کے اسکی صحبت میں اپنا نفس نیک کار معلوم ہوگا اور نفس میں یہ بات ضرور پیدا ہوگی کہ اس سے
تو میں اچھا ہوں اور اس صورت میں عیوب نفس کے ظاہر نہ ہوں گے اور عجب میں مبتلا ہوگا اور نیز اپنے
حال کو کافی سمجھے گا اور نفس سے راضی ہوگا۔

درحقیقت تیرا سچا ہمنشین وہی ہی جو تیرا عیب جانکر بھی تیرا ساتھی رہا اور بجز تیرے مولیٰ کریم
تعالیٰ کے ایسا اور کوئی نہیں ہی ف: مخلوق کی باہم حالت یہ ہی کہ اگر ایک کا دوسرے کو کوئی عیب معلوم
ہو جاتا ہے تو اسکے پاس آنا جانا ترک کر دیتے ہیں اور دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہی اور
خالق تعالیٰ شانہ ہر وقت بندوں کے لاکھوں عیب دیکھتے ہیں مگر بندہ کا ساتھ نہیں چھوڑتے بس سچا
ہمنشین وہی ہی جو عیب جانکر بھی ساتھ نہ چھوڑے اور وہ حقتعالیٰ ہی کی ذات پاک ہی مخلوق کو باوجود اسکے
کہ تمام عیوب پر اطلاع بھی نہیں مگر اسپر بھی عیب دیکھکر یا گمان ہی سے ترک تعلق کر دیتے ہیں ہاں جو حضرات
اہل اللہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہیں ان کی کیفیت بھی یہی ہی کہ بڑے سے بڑا عیب دیکھنے پر بھی
پردہ پوشی فرماتے ہیں اور ترک تعلق نہیں فرماتے تو اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی کو چاہئے کہ بس اپنے مولیٰ یا
مولیٰ والوں سے تعلق رکھے اور دوسروں سے قطع کرے۔

تیرا عمدہ ساتھی وہ ہی ہے جو تیرا خواہاں ہو مگر نہ کسی اپنے ذاتی نفع کی امید پر ف سب سے بہتر ساتھی
تیرا وہ ہے جو تیرے نفع کا خواہاں ہو اور اس سے اپنی کوئی غرض ذاتی کی امید نہ ہو اور یہ شان یا حق تعالے
شانہ کی ہے یا حضرات اہل اللہ کی کہ دوسروں کے بلکہ دشمنوں کے بھی خواہاں ہوتے ہیں اور اپنے لئے کسی
نفع کی امید ان کو نہیں ہوتی اسلئے کہ ان کے قلب سے اپنی اغراض نفسانی بالکل نکل جاتی ہیں ان حضرات کا
تعلق جسکے ساتھ ہوگا اللہ کیواسطے ہوگا پس عاقل کو لازم ہے کہ اپنے مولیٰ سے اور حضرات اہل اللہ سے
ان سے لگا رہے اور دوسرے ساتھیوں اور دوستوں کو چھوڑے کہ سب کی دوستی اغراض پر مبنی ہوتی ہے

اٹھارہواں باب طمع کے بیان میں

ذلت کی شاخیں بجز تخم طمع کے اور کسی چیز سے نہیں پھیلتیں ف ذلت کے درخت کی شاخیں
حرص اور لالچ کے بیج سے دل میں جمتی اور پھیلتی ہیں یعنی ذلت ہمیشہ حرص سے پیدا ہوتی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ جب
حرص مال کی یا جاہ کی کسی شخص کو ہوگی تو اسکو خلق کیساتھ تعلق اور ان کی التجا بھی ضرور قلب میں ہوگی
اسلئے کہ مال اور جاہ کا حصول بدون اسکے دشوار ہے اور اسکے قلب میں چونکہ یہ روگ موجود ہے
اسلئے ہمیشہ لوگوں کی خوشامد اور ان کی طرف قلب کی نگرانی ضرور رہے گی اور یہی بڑی ذلت ہے اور
طمع ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور عزت حقیقی یہ ہے کہ قلب کو غیر اللہ سے تعلق نہ ہو سب سے مستغنی ہو یہ دولت
حرص کے چھوڑنے اور قناعت کی صفت پیدا ہونے سے میسر ہوگی۔

وہم کے برابر تجھے کسی بری چیز نے مقید نہیں کیا۔ ف یہ مضمون سابق کے لئے بمنزلہ دلیل کے
ہے مطلب یہ ہے کہ وہم کے برابر کوئی شے اسکو حرص اور طمع میں مقید نہیں کرتی ہے وہم کے ہی سبب سے
حرص کے جال میں پڑتا ہے وہم اور گمان ہوتا ہے کہ فلاں شخص سے مجھے فائدہ پہنچیگا اسلئے اس کی طرف
طمع ہوتی ہے اور لالچ جی میں آنکلتی ہے کہ اس سے ملو اور اس سے تقرب حاصل کرو یا گمان ہوا کہ فلاں حرفت
یا صنعت یا تجارت سے نفع ہوگا اسمیں حرص ہوئی اور مبتلا ہو گیا غرض جسقدر زنجیریں تعلقات کی
انسان کے پاؤں میں پڑتی ہیں اور آزادی اس کی فوت ہوتی ہے ادھر قوت وہمیہ کی بدولت ہے اور

اس سے بجز قوت قدسیہ اور اہل اللہ کی توجہ کے رہائی ممکن نہیں ہے اور نفس وہمیات کی طرف بہت ہی راغب ہے۔ اور حقائق سے بہت دور ہے اسلئے جب تک نفس کا تزکیہ میسر نہ ہو اس مرض کا نکلنا دشوار ہے۔

جس چیز سے تو مایوس ہے اس سے آزاد ہے اور جسکا طامع ہے اسکا بندہ ہے۔ ف قلب کے اندر جب کسی شئی کی طمع اور لالچ پیدا ہوتی ہے تو اسکا تعلق اس شئی کے ساتھ شدت سے ہو جاتا ہے تو گویا قلب اس شئے کا بندہ بن گیا اور پھر طرح طرح کی مصیبتیں اسکی بدولت آدمی پر آتی ہیں اسلئے کہ اسکے حصول کے لئے تمام ذلتیں برداشت کریگا۔ اور اگر قلب کے اندر یہ صفت پیدا ہو جائے کہ سب چیزوں سے مایوسی اور ناامیدی اسکو ہو جائے تو بس آزاد ہو گیا اور راحت و چین دائمی اسکو میسر ہو گئی پس مسلمان کو تو کسیطرح شایاں نہیں کہ اپنے نفس کو دنیا ئے دنی کے پیچھے ذلیل کرے اور آخرت کو بھول جاوے۔

انیسواں باب تواضع کے بیان میں

جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبر ہے کیونکہ تواضع کا دعوی تو اپنی رفعت قدر کے

مشاہدہ کے بعد ہوگا پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعوی کیا گیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو تو متکبر ہوا ف اپنے آپ کو سب سے حقیر اور پست جاننے کو تواضع کہتے ہیں اور بڑا جاننے کو تکبر کہا جاتا ہے اسکے بعد سمجھو کہ کسی شئی کا علم اس کی ضد سے حاصل ہوتا ہے اگر کسی شئی کی ضد موجود نہ ہو تو اس شئے کے معلوم ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے دیکھو روشنی کا علم تاریکی کی بدولت ہے اگر دنیا میں روشنی ہی روشنی ہوتی تو روشنی کا ادراک ہرگز نہ ہوتا شجاعت کا علم بزدلی کی وجہ سے ہوا اگر بزدلی کا وجود نہ ہوتا۔ تو شجاعت کا علم مفقود ہو جاتا پس جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا یعنی متواضع ہونیکا دعوی کیا تو اُسکے متکبر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے اسلئے کہ اگر اپنی پستی اور عاجزی سے اسکا نفس ستر یا رنگین ہوتا تو اس پستی کا علم اور اُسکا دعوی ہرگز نہ ہوتا اسلئے کہ اُسکی ضد یعنی کبر تو نفس میں موجود ہی نہیں پھر اپنی پستی کا علم ہوا تو کیسے ہوا دیکھو جو شخص کہ تندرست ہی رہا ہو کبھی مرض اُس کے

پاس بھی نہ آیا وہ امراض کی حقیقت نہ سمجھے گا اور تندرستی کو اپنے لئے ثابت کریگا اسلئے کہ کبھی مریض
ہوا ہو تو تندرستی اسکو ایک نئی شئے معلوم ہو اور پھر اسکا دعوے کرے اسی طرح پستی اور عاجزی کے
سوا اگر دوسری شئے اندر ہوگی یعنی کبر کی صفت ہوگی تو اسکو دیکھکر دعویٰ پستی و تواضع کا کرے گا۔
اور اگر پستی ہی پستی ہو تو پستی کا دعوی نہ کر سکے گا اسلئے شیخ فرماتے ہیں کہ جب تواضع کا دعویٰ کیا تو
اپنے مرتبہ کی بلندی اور بڑائی دیکھی اور بغیر اسکے تواضع کو ثابت کرنا محال ہو اور اپنے کو بلند مرتبہ دیکھنا
بھی تکبر ہے اسی لئے تو متکبر ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی
نظر میں اسدرجہ ہو کہ اپنی رفعت شان یا کسی منصب و جاہ کا وسوسہ تک بھی نہ میسر ہو یا تک اپنے
خوار و ذلیل دیکھے اور جسکا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعویٰ کسی بات کا نہ کرے گا نہ تواضع کا اور نہ اور
کسی صفت محمودہ کا اسلئے کہ دعوی جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے

حقیقت میں متواضع وہ نہیں ہو کہ جب کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو اس سے بلند اور
بالاتر سمجھے۔ بلکہ متواضع وہ ہو کہ جب تواضع کرے تو اپنے آپ کو اس سے کمتر اور پست خیال کرے

ف عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز و انکساری و تواضع کے کام کرے وہ متواضع ہو جیسے کوئی
امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اسکو کہتے ہیں کہ بیچارے بڑے منکسر مزاج
ہیں حالانکہ بعض مرتبہ اس شخص کے اندر تواضع شمہ برابر بھی نہیں ہوتی اسلئے شیخ رحمۃ اللہ متواضع
اور غیر متواضع کی حقیقت بیان فرماتے ہیں کہ متواضع درحقیقت وہ نہیں ہو کہ جب وہ کوئی تواضع
کا کام کرے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ میں اسکام سے بلند اور بالاتر ہوں۔ مثلاً کرسی چھوڑ کر
فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر و منزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے اور
یہ خیال کرے کہ میں لائق تو اسی کے تھا کہ کرسی پر بیٹھوں لیکن یہ میں نے تواضع اختیار کی ہو
اور بہت اچھا کام کیا تو یہ شخص متکبر ہے کہ اس کے دل میں اپنی قدر و منزلت ہو بلکہ متواضع وہ ہو
کہ تواضع کا کام کرکے اُس کام سے اپنے آپ کو پست اور ذلیل جانے مثلاً فرش پر بیٹھا اور یہ جانے
کہ میں تو ایسا خوار ہوں کہ اس فرش پر بھی بیٹھنے کی لیاقت نہیں رکھتا خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں

یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کی یہ کیفیت ہو کہ اس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فخر
سمجھے اور اپنے آپ کو اسکا اہل نہ جانے ۔

حقیقی تواضع وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکی صفت کی تجلی کے مشاہدہ سے پیدا ہو

ف ظاہراً تواضع اور عجز و انکساری کے کام کو عام لوگ تواضع جانتے ہیں لیکن حقیقی اور سچی تواضع
وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ کی عظمت بندہ کے
قلب پر ظاہر ہو اور حق تعالیٰ کی صفات کی تجلی کا قلب کو مشاہدہ ہو تو اس وقت بندہ کا یہ نفس سرکش
پگھل جاتا ہے اور کبر و سرکشی کی جڑ اس میں سے اکھڑ جاتی ہے اور اسکی باطل آرزوئیں فنا ہو جاتی ہیں۔ اور
تواضع و عجز پیدا ہو جاتا ہے اسکو ایک مثال سے سمجھو کہ ایک ادنیٰ چپراسی ہے اگر حاکم وقت بات چیت کرنے
لگے تو اس چپراسی کے قلب پر اس کی بڑائی کا ایسا غلبہ ہوگا کہ اپنی کوئی صفت اسکے پیش نظر نہ ہوگی
اور اپنے آپ کو ایک حقیر ذلیل سمجھے گا پس جب ایک حاکم مجازی کا اسقدر اثر ہے تو حاکم حقیقی کی عظمت
و صفات کا عکس جب قلب پر پڑے تو پھر بڑائی و سرکشی کہاں رہ سکتی ہے۔ پس سچی اور مقصود تواضع
یہ ہے کہ اسکے پیدا ہونے سے قلب کے اندر کبر کی جڑ ہی نہیں رہتی۔

جس معصیت سے مولیٰ حقیقی کے سامنے ذلت اور افتقار پیدا ہو وہ اس عبادت سے
بہتر ہے جو نخوت اور تکبر پیدا کرے

ف طاعات و عبادات و اذکار سے مقصود یہ ہے کہ بندگی اور اپنے
مولیٰ کے سامنے ذلت و افتقار پیدا ہو اور نفس کی سرکشی اور کبر ٹوٹے تو اگر بشریت کی راہ سے گناہ ہو جانے
کے بعد مومن کے اندر ذلت اور انکساری و ندامت اور اپنے نفس کی تحقیر اور اس گناہ سے اپنی ہلاکت
جاننا یہ صفات پیدا ہوں اور عبادت کر کے نفس کے اندر نخوت اور مسلمانوں کی تحقیر اور طعن اور اپنے
کو عابد زاہد جاننا یہ صفات پیدا ہوں تو ایسی طاعت کے ثمرہ سے اس معصیت کا نتیجہ بہتر رہا مگر اسکا
مطلب کوئی بدفہم یہ نہ سمجھے کہ طاعت کو چھوڑ کر معصیت اختیار کرے معصیت کا قبیح ہونا اور طاعت
کا بہتر اور حسن ہونا بالکل بدیہی بات ہے یہاں شیخ کو اسپر آگاہ کرنا منظور ہے کہ اصل مقصود بارگاہ
عالی تک رسائی کے لئے ذلت و افتقار کا حاصل کرنا اور کبر و نخوت کو دور کرنا ہے۔

بیسواں باب استدراج کے بیان میں

مولیٰ تعالیٰ شانہ کے احسان اور اپنے روزانہ عصیان سے ڈر کہ مبادا یہ تیرے لیے استدراج ہو چنانچہ

فرماتا ہے ہم درجہ بدرجہ اُن کو اتاریں گے ایسی طرح کہ وہ نہ جانیں گے ف بعض نافرمانوں اور سرکشوں کیساتھ حق تعالیٰ شانہ کا یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ان کی نافرمانی اور سرکشی پر مواخذہ و گرفت نہیں فرماتے اور باوجود معاصی اور نافرمانیوں کے ان کو مہلت دیتے ہیں اور نعمتیں عطا فرماتے ہیں جب وہ خوب غافل اور مست ہو جاتے ہیں اور کوئی دقیقہ نافرمانی میں نہیں چھوڑتے تو دفعتًا ان کو پکڑ لیتے ہیں اس معاملہ کو استدراج کہتے ہیں اور یہ نہایت خوف کی بات ہے۔ اور بعضوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ وہ ذرا بھی حدود سے باہر نکلتے ہیں تو فورًا ان کو تنبیہ ہوتی ہے کوئی مصیبت آجاتی ہے مال جاتا رہتا ہے اولاد مر جاتی ہے اور ان حوادث سے ان کو فورًا تنبیہ ہو جاتی ہے اور اپنے مولیٰ کی یاد میں لگ جاتے ہیں غفلت سے باز آجاتے ہیں۔ یہاں شیخ استدراج کو بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے اے بندہ مولیٰ تعالیٰ شانہ کا احسان ہر دم جو تجھ پر ہو رہا ہے اور تو ہمیشہ دلیری سے گناہ کرتا چلا جاتا ہے اور باز نہیں آتا اور تجھکو اس پر کوئی تنبیہ بھی نہیں ہوتی بلکہ تجھ کو منہ مانگی مرادیں مل رہی ہیں تو اپنی اس حالت سے بہت ڈر ایسا نہ ہو کہ تیرے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ استدراج ہو کہ تجھکو مہلت مل رہی ہو اور پھر دفعتًا تجھ سے مواخذہ ہو اور اسکی دلیل قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے سنستدرجھم من حیث لا یعلمون یعنی ہم ان کو درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ درجوں سے گرا دیں گے ایسی طرح کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی درجوں سے آہستہ آہستہ اتارنے کا مطلب یہی ہے کہ غفلت روز بروز بڑھتی چلی جائیگی اور منہ مانگی مرادیں دینگے جب اچھی طرح غافل ہو جائیں گے پھر دفعتًا عذاب آجائیگا۔

مرید کی بڑی نادانی ہے کہ بے ادبی سے پیش آوے اور جب سزا میں تاخیر ہو تو خیال کرے

کہ اگر یہ بات بے ادبی ہوتی تو بارگاہ عالی سے ظاہری یا باطنی نعمتوں کی امداد منقطع ہو جاتی کیونکہ کبھی ایسی

طرح مدد منقطع ہوتی ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی صرف زیادتی کو ہی روک دیتا ہے اور کبھی بارگاہ سے دوری کے

مقام پر ٹھیرا دیا اور خبردار نہیں ہوتا اور کبھی صرف تجھ کو تیرے ارادہ کے ساتھہ ہی چھوڑ دیتا ہے

ف جاننا چاہئے کہ بارگاہ خداوندی سے جسقدر قربِ زیادہ بڑہے گا اسی طرح احکام بھی اسپر زائد اور مواخذات بھی اوروں سے بڑہکر ہوتے ہیں بہت سی باتوں پر عوام سے مواخذہ و گرفت نہیں ہوتی اور خواص سے ہوتی ہے اور فوراً ہوتی ہے اور ایسے طور سے ہوتی ہے کہ وہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ ہماری فلاں بے ادبی کی سزا ہے اسی واسطے کسی نے کہا ہے ع مقرباں را بیش بود حیرانی ، بعض مرتبہ سالک ذاکر شاغل سے حضرت حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ نکل جاتا ہے مثلاً کسی واقعہ نادلخواہ پر اعتراض کا کلمہ کہہ دیا یا کسی مخلوق سے اپنی تکلیف کی شکایت کر دی یا مشائخ میں سے کسی پر اعتراض کر دیا یا اور کوئی ایسی بات ہوئی کہ اس شخص نے اسکو ہلکا جانا اور جب اُسپر فوری سزا نہ ملی تو یہ خیال کیا کہ اگر یہ بات بے ادبی اور گستاخی کی ہوتی تو جو ظاہری اور باطنی نعمتیں مجھ پر ہو رہی ہیں یہ بند ہو جاتیں ظاہری نعمت تو مال دولت اولاد کھانا پینا آنکھہ کان ناک کا سلامت رہنا ہیں اور باطنی نعمتیں فیوض باطنیہ ہیں جو ہر وقت سالک کے قلب پر عالم غیب سے آتے ہیں پس یہ خیال کرنا کہ یہ امداد منقطع ہو جاتی سخت جہل ہے اسلئے کہ امداد منقطع ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تم کو خبر بھی ہو کیونکہ فیوض باطنیہ کی امداد کبھی ایسے طور سے بند ہو جاتی ہے کہ اس شخص کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اس کی کئی صورتیں ہیں کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ زیادتی اور ترقی بند ہو جاتی ہے کہ وہ جو دمبدم اُسکے حالات میں ترقی تھی وہ رک جاتی ہے اور جہاں تھا وہاں ہی رہتا ہے اور پھر بتدریج اسکے اور خدا کے درمیان حجاب حائل ہو جاتا ہے۔ اور یہ شخص جانتا ہے کہ میری وہ ہی پہلی حالت ہے حالانکہ بہت فرق ہو گیا ہے نعوذ باللہ منہ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور پڑ جاتا ہے اور دوری کے مقام پر ٹہرا دیا جاتا ہے لیکن اسکو مطلق خبر نہیں ہوتی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو اسکے ارادہ کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے یعنے پہلے تو اسکے اختیار اور ارادہ کو اپنے ارادہ اور اختیار میں لے رکھا تھا اور اسکے ارادہ پر اسکو نہ چھوڑا تھا اور گستاخی کے بعد پھر اسکے نفس کو اسپر مسلط کر دیا اور مدد کو روک لیا پس مرید کو چاہئے کہ نہایت ادب سے رہے اور زبان و قدم کو سنبھال کر رکھے اور اس مقام پر یہ سمجھ لینا لازم ہے کہ ایسی بے ادبی اور گستاخی اسی ہوگی

جبتک نفس کا فنا تام نہ ہوا ہو اور بعد فنائے کامل کے نہ بے ادبی کی مجال ہے اور نہ حجاب بعد پیش آویگا یعنی جو صفت مذمومہ نفس سے فنا ہوگئی وہ عود نہ کرے گی۔

اکیسواں باب ورد و وظیفہ کے اور قلب پر وارد ہونیوالے انوار و برکات کے بیان میں

اعمال و اذکار کی مداومت کو بجز نہایت جاہل کے اور کوئی حقیر نہیں سمجھ سکتا واردات الٰہیہ تو دار آخرت میں بھی موجود ہوں گے اور اوراد و وظائف اس دار دنیا کے اختتام پر ختم ہو جائیں گے تو زیادہ اہتمام کے قابل وہ ہی جسکا قائم مقام نہ ہو ورد کا تو تیرا مولیٰ تعالیٰ تجھسے طلبگار ہے اور وارد کا تو اس سے خواہاں ہے تو بھلا تیرے مطلوب کو اسکے مطلوب سے کیا نسبت ہے۔ ف بندہ جو عبادت ظاہری جیسے نوافل و اذکار وغیرہا یا باطنی جیسے مراقبہ و شغل قلب اپنے اختیار سے کرتا ہے اسکو ورد کہتے ہیں۔ اور جو حق تعالیٰ کی طرف سے انوار و لطائف بندہ کے دل پر بلا اختیار وارد ہوں۔ اسکا نام وارد ہے سالک کو بسا اوقات یہ غلطی ہوتی ہے کہ جو عبادت یا ذکر وغیرہ اپنے اختیار سے کرتا ہے اسکی اتنی وقعت قلب میں نہیں ہوتی جسقدر واردات کی ہوتی ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ چونکہ عبادت اختیاریہ سب ہی کرتے ہیں اور نیز اپنے اختیار کو بھی اسمیں دخل ہے اسلئے مثل دیگر افعال اختیاریہ کے کچھ وقعت نہیں ہوتی اور وارد بلا اختیار قلب پر آتا ہے اور ہر ایک کے قلب پر آتا نہیں اسلئے نفس کو اس کی وقعت زیادہ ہوتی ہے حالانکہ یہ غلطی ہے شیخ رحمہ اللہ اسی غلطی کا ازالہ فرماتے ہیں کہ اعمال و اذکار کی مداومت کو واردات قلبیہ سے وہ شخص حقیر جانیگا جو بہت ہی جاہل ہوگا اور اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ واردات تو آخرت میں بھی ہوں گے بلکہ دنیا سے بہت زیادہ ہوں گے اسلئے کہ یہاں تو کدورات بشریہ اور اس جسم کا تعلق ان کا مانع موجود ہے اور وہاں یہ سب موانع مرتفع ہو جاوینگے اور اور اد و وظائف و عبادت جو اس جسم و قلب سے انسان کرتا ہے وہ دنیا ہی میں ہو سکتی ہے تو عبادات اور اذکار کا قائم مقام مرنے کے بعد کوئی چیز نہیں اور واردات یہاں بھی ہیں اور وہاں یہاں سے زیادہ

تو زیادہ اہتمام کے قابل عبادت ظاہرہ ہوئی جسکو ورد کہتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ورد کا طلبگار تو مولیٰ تعالیٰ شانہ ہے اور واردات کا تو خواہاں ہی تو تیرے مطلوب اور اسکے مطلوب میں کیا نسبت ہے اُسکے مطلوب کا تجھکو بہت زیادہ اہتمام لازم ہی خلاصہ یہ ہی کہ سالک کو چاہیئے کہ جو شغل و ورد اس نے مقرر کر لیا ہے اُسپر مداومت کرے اور اسکو وارد کے مقابلہ میں حقیر نہ سمجھے اسلئے کہ واردات کے نزول کا سبب عادی بھی وردہی ہے۔

جب تو کسی بندہ کو دیکھے کہ امداد غیبی کیساتھہ اوراد کا پابند اور اُنپر مداوم ہی تو اس عطاء مولیٰ کو اسوجہ سے کہ تو نے اُسپر عارفین کی ہیئت اور اہل معرفت کی رونق و تازگی نہیں دیکھی حقیر نہ سمجھہ کیونکہ اگر تجلیات الٰہیہ کا ورود نہ ہوتا تو ورد کی مداومت ہی نہ ہوتی۔ف اللہ تعالیٰ کے خاص بندے دو قسم پر ہیں مقربین اور ابرار مقربین وہ ہیں جن کے ارادے اور اختیار اور نفسانی خواہشیں سب فنا ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ و اختیار کیساتھہ اُنکی بقا ہی اور اپنے رب کے حقوق محض بندگی اور غلامی کی راہ سے ادا کرتے ہیں اُن کو جنت اور دوزخ سے کچھ سروکار نہیں اور ابرار وہ ہیں جن کی نفسانی خواہشیں اور ارادے باقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت حاصل ہونے اور دوزخ سے نجات ہونے کیواسطے کرتے ہیں جنت میں بڑے بڑے درجے ان کا منظور نظر ہے اور دونوں قسموں کا ذکر قرآن مجید کے اندر اشارتاً یا تصریحاً موجود ہی۔شیخ علیہ الرحمۃ اس کلام میں ابرار کا ذکر فرماتے ہیں خلاصہ ارشاد کا یہ ہی کہ جب تم یہ دیکھو کہ کوئی بندہ اپنے عبادات و اوراد کا پابند ہے اور کبھی اسکا ورد ناغہ نہیں ہوتا اور امداد غیبی بھی اسکے ساتھہ ہے یعنی عبادات و اوراد معمولہ کے ادا میں اسکو کوئی مانع پیش نہیں آتا اللہ تعالیٰ نے تمام موانع اور مشاغل کو اس سے برطرف کر کے عبادت میں اسکو مشغول کر رکھا ہی لیکن باوجود ان سب باتوں کے عارفین کے اندر جو بات ہوتی ہی وہ اُسکے اندر نہیں یعنی نفسانی فرحوں اور طبعی خواہشوں کا وہ پابند ہے مثلاً عمدہ کپڑے پہننے کا شوق ہی یا لذیذ کھانوں کا پابند ہے اور دوام ذکر و حضوری اسکو میسر نہیں ہے اور نہ اُسکے چہرہ پر اہل معرفت و محبت کی سی تازگی و رونق والنوار و برکات معلوم ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسکو جو یہ دولت عطا فرمائی ہی کہ اپنے معمولات کا پابند ہے ان کو تم ان علامات

کے نہ ہونے سے حقیر نہ سمجھو اور یہ خیال نہ کرو کہ بغیر ان علامات کے یہ ورد وظائف کوئی چیز نہیں ہیں
کہ یہ سخت بے ادبی ہے اسلئے کہ بدون تجلیات الٰہیہ کے اس درجہ کی استقامت اور پابندی ہو نہیں سکتی
اسکے قلب پر تجلی الٰہی ضرور ہے کہ جسنے اسکو برابر پابند بنا رکھا ہے اسکے قلب نے الٰہ پایا ہے کہ
جسکی وجہ سے یہ دولت پابندی کی اسکو میسر ہے اگر خالی اور خشک محض ہوتا تو پابندی اور استقامت
نصیب نہ ہوتی ہاں یہ ضرور ہے کہ جس درجہ کی عارفین پر تجلیات ہوتی ہیں کہ اُن کو اور انکی خواہشوں
اور ارادوں و اختیار کو بالکل فنا کر دیتی ہیں اس درجہ کی تجلیات اُسپر نہیں تو اگر تم نے اسکو حقیر سمجھا
تو یہ جہل اور کمی عقل اور بے ادبی کی بات ہے۔

امداد الٰہیہ کا ورود بقدر قابلیت اور استعداد کے ہوتا ہے اور انوار کی روشنی بقدر صفائی اسرار
باطنی کے ہوتے ہیں۔ ف قلب پر انوار و برکات کا نزول بندہ کی قابلیت اور استعداد کی موافق
ہوتا ہے اگر اس بندہ کی قابلیت کامل ہے اور اپنے اوراد میں اسکو پوری مستعدی ہے کہ دلکو خطرات و اغیار و
کدورات سے پاک رکھتا ہے اور طہارت ظاہری پر بھی مداومت کی سعی کرتا ہے اور اپنے اوراد معمولہ کا پورا پابند
ہے تو واردات اور انوار و برکات بھی اسی درجہ کی نازل ہوں گے اور جسقدر اسمیں کمی ہوگی اُسیقدر واردات
میں بھی کمی اور نقص واقع ہوگا اور واردات و انوار و برکات ان سب سے مقصود یقین و معرفت الٰہی ہے اور یقین
و معرفت کے انوار کی روشنی باطن اور لطائف کی صفائی کے موافق ہے اور باطن کی صفائی ظاہری
اوراد کی مداومت پر موقوف ہے پس بندہ کو اپنے معمولات ظاہرہ اور طہارت کی مداومت میں سعی بلیغ
کرنا چاہیئے اور اسی کو اہم و ضروری جانے۔

وارد ہونے والے احوال ہی کے اختلاف کے سبب اعمال کی جنسیں مختلف ہوتی ہیں ف جاننا
چاہیئے کہ اعمال ظاہرہ قلبی حالات کے تابع ہیں قلب پر جس قسم کا حال وارد ہوتا ہے اعمال ظاہری بھی
اسی قسم کے صادر ہونگے اسلئے فرماتے ہیں کہ اعمال ظاہرہ جو مختلف ہوتے ہیں ان کا سبب یہ ہے کہ احوال
و واردات مختلف ہیں مطلب یہ ہے کہ بعض سالکین کو تو ہم دیکھتے ہیں کہ نوافل سے انکو زیادہ دلچسپی ہے اور بعض کو
روزہ سے زیادہ اور وہ اسی میں مشغول ہیں اور بعض دعا میں اپنا وقت زیادہ صرف کرتے ہیں اور بعض

صدقات زیادہ دیتے ہیں اور بعض کو حج کا شوق ہے اور بعض کو خلوت نشینی زیادہ پسند ہے تو اس اختلاف کا سبب واردات کا اختلاف ہے جسکے قلب پر جس قسم کا حال من جانب اللہ وارد ہوتا ہے ظاہر میں اس سے اُسی قسم کے اعمال صادر ہوتے ہیں پس اعتراض کسی پر کوئی نہ کرے اسلئے کہ ہر شخص اپنے وارد کے موافق چلنے پر مجبور ہے باقی اسمیں شک نہیں ہے کہ جسکے تمام احوال قلبیہ و اعمال ظاہرہ میں توسط ہے ایسا شخص اکمل و افضل ہے کہ اسمیں اتباع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ گو توسط کامل تو حضور ہی کا حصہ تھا لیکن جو درجہ اسکا کسی کو نصیب ہو وہ شخص افضل و یکتائے زمانہ ہے مگر ایسے شخص کا وجود بہت نادر و کمیاب ہے لاکھوں کروروں میں ایک ہی ہوتا ہے جو نیابت نبویہ سے مشرف ہو ایسے شخص کے احوال و اعمال اور سب امور میں توسط ہوتا ہے اور افراط و تفریط سے دور ہوتا ہے۔

احوال کی خوبیاں اعمال کی عمدگیوں کے نتیجے ہیں اور احوال کی خوبیاں مقامات معرفت میں ثابت قدمی سے پیدا ہوتی ہیں **ف** اعمال سے مراد اعمال ظاہرہ ہیں۔ احوال سے مراد وہ احوال و خصال قلبیہ ہیں جو قلب میں قائم ہیں۔ جیسے زہد قناعت۔ تواضع اخلاص وغیرہ مقامات معرفت سے مراد جو عارفین کے قلوب پر حق تعالیٰ کی تمام صفات جلال و جمال یا کسی صفت کا عکس پڑتا ہے یا یوں کہو کہ تجلی ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ اگر احوال عمدہ ہوں گے مثلاً قلب خصال حمیدہ تواضع اخلاص قناعت زہد وغیرہ سے آراستہ ہے اور صفات مذمومہ سے پاک ہو گیا تو اعمال ظاہرہ بھی عمدہ ہونگے یعنی جو آفات قبولیت کو روکنے والے ہیں وہ ان میں نہ ہوں گی مثلاً ریا عجب خود پسندی سے خالی ہوں گے اور نیز ان اعمال میں حضور و خشوع ہوگا وساوس سے پاک ہوں گے، اور مقامات معرفت میں اگر ثابت قدمی ہے یعنی تجلیات الٰہیہ کے مقامات میں شخص متمکن رہے تو احوال میں بھی کمال ہوگا یعنی تجلی جس درجہ کی ہوگی اسی درجہ کے احوال بھی ہوں گے مثلاً ہیبت و عظمت اگر غالب ہوگی تو نفس کی سرکشی و تکبر مغلوب ہو جائیگا اور تواضع و زہد پیدا ہوگا۔ انس باللہ کا اگر غلبہ ہوگا تو مخلوق سے علیحدگی کو پسند کریگا اور اگر تجلی قوی نہیں تو احوال میں اتنی قدر کمی اور نقص ہوگا اور اسی نقص کے موافق ظاہری اعمال میں بھی فتور و نقص ہوگا۔ اور ریا و دیگر آفات کا شایبہ شامل ہوگا

تجلی معرفت ربانی کا وارد اسلئے بھیجا کہ تو اسکے سبب سے بارگاہ عالی میں وارد ہونے کے لائق ہو جائے

واردا سلئے تجھ پر بھیجا کہ تجھکو اغیار کے پنجہ سے چھوڑالے اور شہوات نفسانیہ کی غلامی سے آزاد کرے ۔ وارد اسلئے تجھ پر بھیجا کہ تجھکو تیرے وجود کے قید خانہ سے نکالے اور مشاہدۂ مولیٰ کے وسیع میدان میں پہونچا دے

ف وارد سے مراد معارف واسرار وعلوم وہبیہ ہیں جو بندہ کے قلب پر بے اختیار وارد ہوں جیسا کہ پہلے بھی آچکا ہے یہاں شیخ نے واردات کے نزول کے تین سبب بیان فرمائے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ طالب اول ذکر وشغل میں مشغول ہوتا ہے تو اول اول اسکا دل پریشان ہوتا ہے اور اپنے آپکو کھینچکر اور تکلف کر کے اس میں لگاتا ہے چند روز یہی کیفیت رہی اسکے بعد ذرا دل بستگی ہوتی ہے اور ذکر میں جی لگنے لگتا ہے اور اسی میں ترقی ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ رات دن ذکر کیا کرے جب ذکر قلب میں سرایت کرتا ہے تو واردات کا نزول ہوتا ہے مثلاً وہ دل کی آنکھ سے مشاہدہ کرتا ہے کہ تمام افعال کا خالق ایک ہے اسوقت زید عمر بکر جسکی کہ اپنی طرف کسی فعل کو نسبت نہیں کرتا ہے۔ یہ وارد ہے جو بلا اختیار قلب پر آیا مگر اول اول یہ کیفیت ہوگی کہ کبھی مستتر ہوگا اور کبھی ظاہر تو یہ وارد اسلئے آیا ہے کہ سالک کو طاعات اور ذکر کا شوق بڑھے اور بارگاہ عالی میں وارد ہونے اور متوجہ ہونے کے لائق ہو مگر اس حالت میں نفس اور اسکے شہوات برابر باقی رہتی ہیں اور عبادت میں پورا اخلاص میسر نہیں ہوتا پھر اسکے بعد دوسرا وارد آتا ہے خواہ پہلے ہی وارد میں ترقی ہو۔ یا دوسری نوع کا وارد ہو اسکا اثر یہ ہوگا کہ سالک کو اغیار کے پنجہ اور شہوات کی غلامی سے چھڑا دیگا۔ اور اپنی طرف قلب کو منجذب کریگا لیکن اس وارد کے بعد بھی نفس کو اپنی طرف نظر رہتی ہے اور اپنی حالت پر ایک قسم کا اعتماد ہوتا ہے اور اپنی حالت کو مستحسن سمجھتا ہے اور وجود کے تنگ و تاریک قید خانہ میں مقید رہتا ہے اسکے بعد تیسرا وارد آتا ہے جو نفس کو اپنے وجود سے نکالدیتا ہے یعنی اپنے وجود کا لاشئ ہونا پیش نظر ہوتا ہے۔ اور نفس کی تمام زنجیروں اور بیڑیوں سے رہائی نصیب ہوجاتی ہے اور اپنے مولیٰ کے مشاہدہ کے وسیع میدان میں پہونچ جاتا ہے اور وسیع میدان اسلئے فرمایا کہ نفس کا جب تک ادنیٰ شائبہ بھی رہتا ہے وہ قلب کے لئے مثل قید خانہ کے معلوم ہوتا ہے اور جب سب شوائب سے خلاصی ہوگئی تو گویا قید خانہ سے نکلکر وسیع میدان میں آگیا اور ہر وقت اور ہر حال میں اور ہر جہت اور ہر مکان میں اپنے مولیٰ کے مشاہدہ میں مشغول ہوگیا اسکے لئے کوئی تنگی کوئی انقباض نہیں رہتا ہر وقت مگن ہے خواہ مرض ہو یا صحت فراخی ہو یا تنگدستی

مگر یہ سب علوم و معارف ذوقی ہیں من لم یذق لم یدر یا جسپر گذرے وہ جانے اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

واردات الٰہیہ اکثر اوقات اچانک اسلئے پیش آجاتے ہیں تاکہ عباد اپنی قابلیت اور استعداد کے سبب ان کے مدعی نہ ہوجائیں۔ ف حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے بندہ کے دل پر جو اسرار و معارف وارد ہوتے ہیں پہلے ہی کئی بار گذر چکا ہو کہ ان میں بندہ کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا بعض مرتبہ یہ بندہ منتظر اور مستعد ہو کر بیٹھتا ہے لیکن ورود نہیں ہوتا اور اکثر اوقات ایسے وقت ہوتا ہو کہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ اسوقت کوئی دولت آنیکا وقت ہو اچانک پیش آجاتا ہو اور وجہ اس اچانک آنیکی یہ ہو کہ اگر بندہ کے اختیار سے نزول ہوا کرتا تو بندہ اپنی استعداد و قابلیت کو اسکا سبب سمجھکر ان کا مدعی نہ بن جاوے اور یہ خیال کرے کہ میں بسبب اپنی استعداد کے اسکا اہل ہوں اور یہ دعویٰ و پندار اُسکی ہلاکت کا باعث نہ ہوجاوے اور مولیٰ تعالیٰ شانہ سے غافل ہو کر عجب میں مبتلا نہ ہوجاوے۔ ان واردات کی مثال تو ہدیہ و تحفہ کی سی ہو حق تعالیٰ جب چاہے اپنے فضل سے متوجہ ہوجاوے اور بندہ کے دل پر یہ ہدایا بھیجے۔

سالک کو اپنی واردات کا بیان کرنا بجز اپنے شیخ مرشد کے نہیں چاہئے کیونکہ یہ دلمیں اسکی تاثیر کم کردے گا اور اپنے پروردگار کیساتھ سچائی سے روکدیگا ف سالک کو یہ مناسب نہیں ہو کہ اپنے واردات اور احوال قلبیہ بجز اپنے شیخ کے کسی سے بیان کرے اسلئے کہ بیان کرنے سے نفس خوش ہوتا ہے اسلئے کہ اسمیں اس کی بزرگی اور بڑائی ظاہر ہوتی ہو اور نفس جب خوش ہوا تو نفس کی صفات مذمومہ کو قوت پہونچتی ہے اور اس سے اُس وارد کی تاثیر کم ہوجاویگی اسلئے کہ اسکی تاثیر کا خلاصہ تو یہی تہا کہ وہ وارد قلب پر غالب ہو کر نفس کی سرکشی اور انانیت کو پارہ پارہ کردے اور جب اسکو قوت پہونچے تو وارد کی تاثیر خود کم ہوجاویگی اور جب نفس کی صفات مذمومہ کو قوت ہوگی تو پہر اپنے رب کے ساتھ سچائی کے معاملہ کو روکدیگا اسلئے کہ رب کے ساتھ سچائی کا معاملہ یہ ہو کہ نفس ہر وقت اپنے رب کے سامنے دبا رہے اور خشوع و عبدیت کی کیفیت کو کسی وقت ہاتھ سے نہ دے اور جب وارد کو

بیان کر دیا اور اُس سے نفس میں اپنی بڑائی دوسرے کے قلب میں معلوم ہو کر انشراح اور خوشی پیدا ہوئی تو وہ عبودیت اور خشوع کی شان جاتی رہی۔ اور جب یہ شان مفقود ہوئی تو رب کے ساتھ سچائی کہاں رہی۔

علوم و حقائق تجلی کے وقت مجمل وارد ہوتے ہیں پھر حفظ و نگہداشت کے بعد تفصیل ہوتی ہے

(چنانچہ ارشاد ہے) جب ہم قرآن پڑھیں تو جیکا سنتا رہ اسکے پڑھنے کو پھر تجھ سے پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے **ف** عارفین کے نفوس جب اغیار سے خلاصی پالیتے ہیں اور دعوے اور اپنے ارادہ و اختیار سے نکل کر ہمہ تن متوجہ الی الحق ہو جاتے ہیں تو ان کے قلوب پر حقائق و علوم وہبیہ وارد ہوتے ہیں لیکن تجلی کیوقت چونکہ وارد الٰہی کا قلب اور حواس پر غلبہ ہوتا ہے اسلئے یہ علوم و حقائق درجۂ اجمال میں ہوتے ہیں کہ ان کے معانی کی تفصیل کا ادراک اُن کو اسوقت نہیں ہوتا اسلئے کہ تفصیل علوم کا ادراک ہوتا ہے حواس سے اور تجلی کیوقت تمام حواس معطل ہو کر مثل مردہ کے ہو جاتے ہیں باقی وہ اجمالی معنی ان کے باطن میں محفوظ رہتے ہیں اسکے بعد جب ان کو اس حالت سے افاقہ ہوتا ہے اور اُس اجمالی معنی میں بذریعہ اپنے حواس و ذہن و علوم عقلیہ و نقلیہ کے غور فرماتے ہیں تو اسکی تفصیل ہوتی ہے اور یہ وحی کے مشابہ ہے کہ جب قرآن مجید کا نزول ہوتا تھا تو حضور ساتھ ساتھ جبرئیل علیہ السلام کے یاد ہونے کے لئے پڑھتے تھے اُسپر ارشاد ہوا فاذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه یعنی جب ہم جبرئیل علیہ السلام کی زبانی تمپر قرآن پڑھیں تو اسکے پڑھنے کا اتباع کرو اور سنتے رہو پھر اسکے معانی کا بیان کرنا اور تم سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے اسی کے مشابہ عارفین کی یہ علوم ہیں کہ انہیں تجلی کے وقت اجمالی معنے باطن میں محفوظ ہو جاتے ہیں اُسکے بعد تفصیل ہوتی ہے۔

جس وارد کا ثمرہ تجھکو معلوم نہ ہو اُسپر خوش نہ ہو کیونکہ بادلوں سے مقصود اصلی بارشیں نہیں ہوتیں بلکہ پھل کا وجود مقصود ہوتا ہے۔ **ف** سالک کے قلب پر جو واردات کا نزول ہوتا ہے اُس سے مقصود اصلی یہ ہے کہ نفس کی سرکشی اور صفات مذمومہ جاتی رہیں اور طاعات و توجہ الی اللہ میں ترقی ہو اور اگر کوئی وارد ایسا ہو کہ اس سے قلب متاثر نہ ہو اور نہ اُسکا کچھ ثمرہ معلوم ہو النفس اپنی پہلی حالت پر رہا تو ایسے

وارد سے خوش نہ ہونا چاہئے اسلئے کہ بادل سے مقصود بارش نہیں بلکہ مقصود غلہ کی پیداوار ہی ہے تو اگر
بادل آئے اور بارش بھی ہوئی لیکن پیداوار کچھ نہ ہوئی۔ تو ایسے بادل کی کیا خوشی ہے۔ اسی طرح ایسے
وارد سے کیا نتیجہ کہ جس سے نفس اپنی حالت سابقہ پر رہے اور اسکے خضوع و خشوع و عبودیت میں
ترقی نہ ہو بہت سالک واردات و احوال کے پیچھے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور اعمال ظاہرہ میں
کمی کر دیتے ہیں یہ سخت دھوکہ میں ہیں۔

جب تجھ پر واردات کے انوار پھیل گئے اور اُن کے اسرار تیرے قلب میں ودیعت رکھے
گئے تو ان کی بقا کا طالب نہ ہو کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر ہر ایک چیز سے بے نیاز رہے
اور اُس کے سوا کوئی چیز تجھکو بے نیاز نہیں کر سکتی ف سالک کو بسا اوقات یہ پیش آتا ہے کہ جب کوئی وارد
اسکے قلب پر آتا ہے تو چونکہ ایک نئی شے ہوتی ہے اسلئے اُسکے اور اس کی لذت کی طرف اُسکا خیال
ملتفت ہوتا ہے اور اسکو بعض مرتبہ یہ خیال کرتا ہے کہ اب یہ میرا حال لازم ہو گیا اور اسکی لذت میں
بے انتہا خوش ہوتا ہے اور جب اُسکا غلبہ جاتا رہتا ہے تو محزون ہوتا ہے اور اُسکا طالب ہوتا ہے حالانکہ
اُس وارد کا جو مقصود تھا وہ اسکو حاصل ہے اور وہ اب بھی موجود ہے مگر اسکو ادراک اسوجہ سے نہیں ہوتا
کہ جسوقت اسکے نزول کا وقت تھا تو اُس کی جدت کی وجہ سے ادراک ہوا اور جب اُسکے انوار تمام بدن
پر پھیل گئے یعنی ظاہر اور باطن عبودیت کی کیفیت سے رنگین ہو گیا تو وہ رنگ اسدرجہ کا محسوس نہیں ہوتا
کہ اسمیں کچھ جدت ہو اور نیز سریان اُسکا تمام ظاہر و باطن میں ہو گیا اور کوئی جگہ اُس سے خالی نہ رہی اسلئے
ادراک کیسے ہو خود قوت مدرکہ بھی اُسی لون میں متلون ہو گئی اب ادراک کون کرے اسلئے اس
غلطی کو شیخ رحمہ اللہ دفع فرماتے ہیں کہ جسوقت تجھ پر واردات کے انوار پھیل جاویں اور ظاہر و باطن میں
عبودیت کی کیفیت کے اندر اس وارد کی وجہ سے ترقی ہو گئی اور ان واردات کے اسرار یعنی حق تعالیٰ کی عظمت
و صفات جلال یا جمال قلب میں اور زیادہ ترقی پذیر ہو گئی اور اُن واردات کے باقی رہنے کا طالب نہ بن اور اُسکی خواہش
نہ کر کہ جو غلبہ حال کا اُسوقت تھا وہ بعد میں بھی باقی رہے اور صحو کی حالت سے پریشان مت ہو اور تیری
جو حالت ہے یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ حضوری کی ہے اس میں مستغرق رہ اسلئے کہ اس غلبہ حال اور اس کی

لذت کا طالب بننا یہ تو غیر اللہ کی طلب ہوئی اور تجھکو حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہو کر ہر شے سے
بے نیازی اور بے پروائی ہونی چاہیئے اور دوسری شے حق تعالیٰ سے تجھکو بے نیاز اور مستغنی نہ کرے
گی تو اس وارد کے غلبہ کو لیکر کیا کرے جو اُسکا مقصود اصلی ہے وہ حاصل ہو گیا اب کیوں اُسکے پیچھے
پڑا ہے۔ اب جو کام اصلی ہے یعنی شغل مع اللہ اس میں مشغول ہو۔

واردات الٰہیہ جب تجھ پر وارد ہونگے تمام عادات کی بنیادیں منہدم کر دیں گے کیونکہ جب
بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوں اور اُجاڑیں۔ چنانکہ وارد بارگاہ قہاری سے آتا ہے اسلئے جو جبلت
اور بشریت اسکے مقابلہ ہوتی ہے اُسکو توڑ پھوڑ دیتا ہے ہم پھینک مارتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اُسکا
سر پاش پاش کر ڈالتا ہے ف اس مقام پر شیخ علیہ الرحمتہ سچے واردات کی علامتیں بیان فرماتے ہیں
تاکہ ہر شخص اپنے خیالات اور اوہام ہی کو واردات نہ جاننے لگے فرماتے ہیں کہ واردات الٰہیہ حقہ کی یہ شان
ہوتی ہے کہ جب وہ سالک کے قلب پر وارد ہوتے ہیں تو نفس جن بُری خصلتوں اور سرکشیوں کا خوگر اور
عادی بن رہا ہے انکو جڑ سے منہدم کر دیتے ہیں اور بجائے ان اخلاق رذیلہ کے احوالِ عالیہ اور خصال حمیدہ
پیدا کر دیتے ہیں اسلئے کہ واردات کی مثال اللہ تعالیٰ کے لشکر کی سی ہے اور بادشاہ کا لشکر کسی بستی میں جب
داخل ہوا کرتا ہے تو اُسکو اجاڑا کرتا ہے اسی طرح واردات بھی نفس کی پہلی آبادی اُجاڑ کر اپنا تسلط بٹھلاتے
ہیں اور سچا وارد بارگاہ قہاری سے آتا ہے تو اسی لیئے ان واردات کے اندر قہر اور غلبہ کی صفت ہوتی
ہے اسلئے بشری اوصاف مذمومہ اور بُری عادت جب اسکے سامنے پڑے گی تو اسکو توڑ پھوڑ دینگے
جیسا کہ حق و باطل کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سچ کو یعنی حق بات کو باطل پر پھینک مارتے
ہیں پھر وہ اسکا سر پاش پاش کر دیتا ہے یعنی جب حق آتا ہے تو باطل جاتا رہتا ہے اسی طرح نفس
کی عادات باطلہ پر جو وارد حق کا غلبہ ہوگا تو وہ عادات پاش پاش ہو جائیں گی۔

بائیسواں باب حالت ابتدائی اور انتہائی کے اعتبار سے سالکین کے مراتب کے تفاوت کے بیان میں

مولیٰ حقیقی تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو تو اپنی طاعت کیلئے مقرر فرمایا۔ اور ایک گروہ

کو اپنی محبت کے لئے مخصوص کیا اُن کو اور اُن کو سب کو ہم تیرے پروردگار کی عطا سے امداد کرتے ہیں

اور تیرے پروردگار کی بخشش رُکی ہوئی نہیں **ف** پہلے بھی یہ مضمون آچکا ہے کہ حق تعالیٰ کے خاص بندے دو قسم کے ہیں عباد و زہاد جنکو ابرار کہتے ہیں دوسرے مقربین اس کلام میں ان ہی دو قسموں کا ذکر ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک گروہ کو تو اپنی ظاہری عبادت کے لئے مقرر فرمایا ہے کہ ان کو شب و روز یہی کام ہے کہ عبادات ظاہرہ نوافل وظائف صدقہ خیرات حج نفل اور خدمت خلق اللہ کرتے ہیں اور جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے نجات ہونا اُن کا انتہائی مقصود ہے اور گروہ کو اپنی محبت و قرب کے لئے مخصوص فرما دیا ہے کہ اُن کے ظاہری عبادات و اعمال اس درجہ کے نہیں ہوتے بلکہ اُن کے اعمال قلب سے ہوتے ہیں کہ ان کا محط نظر ہر وقت یہ ہے کہ قلب میں سوائے ذات واحد تعالیٰ شانہ کے کچھ نہ رہے جنت و دوزخ کیطرف التفات نہیں ہوتا آگے بطور دلیل یا اقتباس کے ایک آیت ذکر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا۔ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا ذکر فرمایا ہے ایک تو جن کی سعی آخرت کیلئے ہے اور ان کو وہ ملے گی اور ایک وہ جو دنیا کو چاہتے ہیں ان کو جسقدر دنیا اللہ تعالیٰ چاہیں گے دینگے پھر انکا ٹھکانہ جہنم ہے اسکے بعد یہ آیت ارشاد فرمائی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اس فرقہ کو بھی اور اُس فرقہ کو بھی ہم اپنی عطا سے امداد کرتے ہیں یعنی جو آخرت کے طالب ہیں ان کی امداد یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی اُن کو توفیق عطا فرماتے ہیں اور موانع کو ان سے دور فرماتے ہیں اور جو دنیا کے طالب ہیں ان کی امداد یہ ہے کہ دنیا میں ان کو نعمتیں ملتی ہیں اور اُن نعمتوں میں مشغول ہو کر خالق کو بھولتے ہیں اور اسکی نافرمانیاں کرتے ہیں اور آگے ارشاد ہے کہ آپکے رب کی عطا رُکی ہوئی نہیں جسکا جو جی چاہے وہ لے ایسے ہی یہ دو گروہ ہیں کہ عابدین زاہدین کی امداد ان کے مطلوب و مقصود کے مناسب ہوتی ہے کہ ان کو عبادات ظاہرہ میں مشغول فرمایا جاتا ہے یہانتک کہ وہ اپنی مراد کو پہونچیں گے اور مقربین کی امداد ان کے درجہ عالیہ کے موافق ہے کہ چونکہ ان کو محض ذاتِ حق مطلوب ہے اسلئے غیر اللہ کا نام و نشان ان کے قلوب سے مٹایا جاتا ہے پس دونوں گروہ حق تعالیٰ کے مخصوص بندے ہیں کسی پر اعتراض اور کسی کی تحقیر مناسب

نہیں کہ حق تعالیٰ نے اول ہی تقسیم فرمائی ہے جسکو جس امر کا اہل دیکھا وہی اسکو عطا فرمایا۔

کچھ ضرور نہیں کہ جسکی خصوصیت کرامات و خوارق کیلئے ثابت ہو اُس کی آفات نفوس سے پوری خلاصی بھی ہو۔ گاہے ظاہری کرامت اُسکو بھی ملجاتی ہے جس کی ایمان اور اتباع شریعت پر استقامت کامل نہیں ہوتی۔ **ف** عوام کرامت اور خوارق یعنی عجیب باتوں کے بہت معتقد ہوتے ہیں جسکے ہاتھ سے کوئی نئی بات ہوتی ہے اسکو ولی جانتے ہیں بلکہ ولایت کا معیار ہی عوام کی نظروں میں اسی پر ہے حالانکہ اصل کرامت شریعت پر استقامت اور نفس کی بُری خصلتوں سے صفائی ہے اس غلطی کو شیخ زائل فرماتے ہیں کہ یہ بات کچھ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کے اندر خوارق و کرامات ہوں اسکے نفس کو آفات یعنی امراض باطنیہ و خصال رذیلہ سے پوری خلاصی ہوگئی ہو اسلئے کہ بعض مرتبہ کرامت اُس شخص ہی ملجاتی ہے جو ایمان اور اتباع شریعت میں پوری طرح پختہ نہیں ہوتا اور اُسکا نفس پاک نہیں ہوتا بلکہ غیر مسلم کے ہاتھ سے بھی استدراج کے طور پر خوارق ظاہر ہوتے ہیں۔ تو یہ خوارق و کرامات قابل اعتماد شے نہیں ہیں اصل چیز استقامت دین میں اور نفس کا تزکیہ و تصفیہ ہے۔

پردہ پوشی کی دو قسمیں ہیں ایک تو گناہ کے صدور سے پردہ پوشی دوسری گناہ ہونیکے بعد خلق سے پردہ پوشی۔ عوام تو اس وجہ سے کہ خلق کی نظر میں ان کا مرتبہ نہ گرجائے گناہ کے واقع ہونیکے بعد خلق سے پردہ پوشی کے طلبگار ہیں اور خواص اسلئے کہ اپنے حقیقی بادشاہ جل وعلا کی نظر لطف سے گر نہ جائیں۔ گناہ کے واقع ہونے سے پردہ پوشی اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں **ف** حق تعالیٰ جو اپنے بندوں کی گناہوں اور نافرمانیوں سے پردہ پوشی فرماتے ہیں اسکی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ گناہ کے صادر ہونے سے پردہ پوشی ہو کہ باوجود اسکے کہ نفس کا مقتضی نافرمانی اور سرکشی ہے مگر حقتعالیٰ نے ستاری فرمالی اور گناہ نہیں ہونے دیا دوسرے یہ کہ گناہ ہونے کے بعد مخلوق سے اسکی پردہ پوشی ہوتی ہے کہ اُسکا گناہ مخلوق پر ظاہر نہیں فرماتے اور بدنام نہیں کرتے عام لوگ چونکہ ایمان کامل اور اسکی حقیقت سے محروم ہیں اور نیز ان کے قلب پر مخلوق کا مشاہدہ غالب ہے اور مخلوق ہی سے نفع کی امید اور ضرر رسانی کا خوف انکے دلوں میں ہوتا ہے اس لئے وہ حقتعالیٰ سے اسکے طلبگار ہوتے ہیں کہ ان کے گناہ مخلوق پر ظاہر نہ ہوں کہ ایسا نہ ہو ہم بدنام

جائیں اور ہماری وقعت لوگوں کے دلوں میں نہ رہے اور جو منافع ہمکو پہونچ رہے ہیں وہ نہ پہونچیں اور خواص اہل اللہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمسے گناہ ہی نہ ہو اور ہمارے نفس کی پردہ پوشی ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہ سے ہم حق تعالیٰ کی نظر رحمت سے گر جائیں اسلئے کہ ان کی نظر مخلوق سے اُٹھ جاتی ہے اور اپنے مالک حقیقی پر ہوتی ہے اسلئے مخلوق کے بُرا بھلا کہنے کی ان کو مطلق پروا نہیں ہوتی اور نہ مخلوق سے ان کو نفع کی امید اور ضرر کا خوف ہوتا ہے اور نہ مخلوق پر ان کا اعتماد ہوتا ہے اور نہ ان کے ساتھ دل کو سکون ہوتا ہے ان کا مقصود تو بجز مولائی کو راضی کرنا ہوتا ہے اسلئے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ گناہ ہمسے صادر نہ ہو۔

مقامات یقین میں سے کسی مقام کو کبھی تو وہ بیان کرتا ہے جو اُس پر نئی تجلی مطلع ہوا اور کبھی وہ بیان کرتا ہے جو اُس مقام تک پہونچ گیا ہے اور اس میں فرق بجز اہل بصیرت کے دوسرونپر مشتبہ ہو جاتا ہے۔

ف مقامات یقین سے مراد شعب ایمانیہ ہیں جیسے زہد ورع توکل قناعت وغیرہ سالک کے اندران صفات میں سے جب کوئی صفت آتی ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسیوقت انہیں سے کسی صفت کی کیفیت سے قلب رنگین ہو جاتا ہے بمثلاً زہد کی کیفیت ایک وقت قلب پر غالب ہوئی اور دوسرے وقت نہ رہی یا مثلاً توکل یعنی اعتماد علی اللہ اور اسباب ظاہرہ سے انقطاع کی کیفیت قلب پر آئی اور پھر جاتی رہی اسکے بعد پھر آگئی تو جب تک یہ حالت تغیر تبدل کی رہے اُسوقت تک اُسکو حال کہتے ہیں اور جب یہ کیفیات راسخ ہو جائیں اور قلب کے اندر ایسی پیوست ہو جائیں کہ کسیوقت جدا نہ ہوں اور صفت لازمہ بن جاویں تو اس وقت اُسکو مقام کہتے ہیں مثلاً زہد راسخ ہو گیا تو اسکو مقام زہد کہا جائیگا۔ یہاں شیخ اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مقامات یقین میں سے کسی مقام کی کیفیت کو کبھی تو ایک شخص بیان کرتا ہے جو اس مقام تک نہیں پہونچا لیکن قریب پہونچنے کے ہے ابھی حال کے درجہ میں ہے اس مقام میں اسکو رسوخ کامل نصیب نہیں ہوا مثلاً توکل کے متعلق یہ شخص تقریر کرے کہ اسکی حقیقت بیان کرے اور اسکے ثمرات بیان کرے لیکن خود ابھی توکل میں کامل نہیں ہے اور کبھی وہ شخص تقریر کرتا ہے جو اس مقام تک پہونچ گیا ہے اور اسمیں اسکو کامل رسوخ ہو گیا ہے ان دونوں کے بیان اور طرز بیان میں فرق عظیم ہے لیکن یہ فرق اہل بصیرت کی سمجھ میں آتا ہے اور عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتا اسلئے کہ اہل بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے فراست صادقہ عنایت فرمائی ہے اُس کے

ذریعہ سے وہ کلام سے متکلم کے صدق اور عدم صدق کو پرکھ لیتا ہے باقی اس کی علامت یہ ہے کہ ناقص اور اس
مقام تک نہ پہونچنے والا تقریر کے وقت خوش ہوتا ہے اور اپنی تحقیقات کو بہت بڑی شئے جانتا ہے اور اسکے
کلام میں ایک زور اور شوکت ہوتی ہے اسلئے کہ اس مقام میں پہونچا نہیں دور سے دیکھ رہا ہے اس لئے اسکو
وہ عجیب غریب معلوم ہوتا ہے اور اسکے صرف جاننے ہی کو بڑا سمجھ رہا ہے اور جو اس مقام میں پہونچکر راسخ ہو گیا
اسکی تقریر معمولی باتوں کی طرح ہوگی اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کسی شہر کو اول اول دیکھے تو اسکو وہ عجیب معلوم
ہوگا اور جو وہاں کا رات دن کا رہنے والا ہے اسکو سادی ہے اور ان دونوں کے کلام موثر ہونے میں بھی مختلف
ہوں گے ناقص کا کلام اول وہلہ میں موثر ہوگا اور ایسا اثر ہوگا کہ سامعین کو اسکا خوب ادراک ہوگا لیکن پائدار
نہ ہوگا اور کامل کے کلام اور علی ہذا کامل کی صحبت کا اثر تو ہوگا لیکن ادراک اسدرجہ کا نہ ہوگا باقی جو کچھ اثر ہوگا پائدار
ہوگا اور بعض مرتبہ ایسا شخص بھی مقامات کے اندر گفتگو کرتا ہے جسکو نہ حال میسر ہے اور نہ مقام کتابیں دیکھ بھال کر اپنی
بزرگی جتلانے اور لوگوں کو معتقد بنانے کے لئے تقریر یاد کر لی پھر اسکو بیان کرتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ فن کے متعلق
اگر اس سے کوئی اور سوال کیا جائیگا وہ جواب سے عاجز ہو جائیگا بخلاف کامل اور صاحب مقام کے کہ اس
سے جو سوال کیا جائیگا اسکا شافی جواب دیگا۔

مجذوب ایسے گروہ ہیں کہ ان کے انوار ان کے اذکار سے سابق ہیں۔ اور سالک ایسے گروہ ہیں کہ ان کے
اذکار ان کے انوار سے مقدم ہوتے ہیں اور ایک گروہ ہے کہ ان کے اذکار اور انوار برابر ہوتے ہیں اور ایک جماعت
ہے کہ ان کے نہ اذکار ہیں نہ انوار نعوذ باللہ من ذلک ایک نے تو اسلئے ذکر کیا کہ اسکا قلب منور ہو جائے تو وہ ذاکر
ہوا اور یہ سالک ہے اور ایک وہ ہے جسکا قلب منور ہو گیا اسلئے وہ ذاکر ہوا (یہ مجذوب ہے) اور جس کے انوار و اذکار برابر
ہوں تو وہ اپنے ذکر سے راہ پاتا ہے اور اپنے نور قلب کی پیروی کرتا ہے۔ ف مجذوب اور سالک دونوں کی تعریف
پہلے گذر چکی ہے یہاں بھی ان دونوں قسموں کو اور نیز دو قسمیں اور بیان فرماتے ہیں مجذوبین کے وصول کی صورت
یہ ہوتی ہے کہ اول ہی ان کے دل میں نور القا ہوتا ہے جس سے ان کو وصول الی اللہ اور مقام مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے
اور ان کے بعد ان کی سیر اسماء اور صفات اور مصنوعات کی طرف ہوتی ہے اسلئے مجذوب ایسے گروہ ہیں کہ انکے
دلوں کے انوار ان کے اذکار سے پہلے ہیں یعنی وہ اول ذکر و شغل نہیں کرتے بلکہ اول ہی ان کا قلب منور کر دیا جاتا ہے

اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف رہنمائی فرماتا ہے اور اسکے بعد وہ ذاکر ہوتے ہیں اور ذکر میں اُن کو کچھ تکلیف نہیں ہوتا سانس کی طرح بلا مشقت جاری ہوتا ہے۔ اور سالکین کے وصول کی صورت یہ ہے کہ اول وہ بتکلف ذکر و شغل کرتے ہیں اور محبت و مشقت و مجاہدہ و ریاضت کرتے ہیں اسکے بعد ان کے قلب میں نور یقین آتا ہے اور وصول الی اللہ ہوتا ہے اسلئے سالک وہ لوگ ہوئے کہ ان کے اذکار ان کے انوار سے متقدم ہیں اور ایک گروہ ایسے ہیں کہ ان کے اذکار و انوار ساتھ ساتھ چلتے ہیں یعنی ذکر کے شروع کرتے ہی قلب کے اندر انوار آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو حق تعالیٰ کی ذات تک جذب کرتے ہیں ان حضرات کا سلوک و جذب ساتھ ہے اور ایک گروہ مخلوق میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے لئے نہ اذکار ہیں نہ انوار ہیں یعنی مولیٰ تعالیٰ شانہ کی طاعت نہیں کرتے اور نہ دل کو اسطرف کشش ہے نعوذ باللہ من ذلک آگے سالک و مجذوب کو دوسرے عنوان سے بیان فرماتے ہیں کہ سالک تو ذکر اسلئے کرتا ہے کہ اسکا قلب منور ہو جائے تو ذکر کا وجود پہلے ہے اور نورانیت قلب بعد میں حاصل ہوگی اور مجذوب وہ ہے جسکا دل اول ہی منور ہو گیا اور کھینچ لیا گیا اور اس نور کے سبب سے وہ ذاکر ہو گیا یعنی ذکر بقصد اور مشقت و تکلف سے نہیں کیا گیا بلکہ اس نور قلب کی وجہ سے خود ذاکر ہو گیا بخلاف سالک کے کہ وہ اولاً بتکلف ذکر کرتا ہے اور جن حضرات کے انوار و اذکار برابر ہوں یعنی سلوک و جذب ساتھ ساتھ ہو تو ان کے اندر ذکر بھی ہے اور نور بھی ہے تو وہ اپنے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا راستہ پاتا چلا جاتا ہے اسلئے کہ قلب کے اندر نور بصیرت موجود ہے اسکے ذریعہ سے راستہ انکو نظر آتا ہے اور اپنے نور قلب کی پیروی کرتا ہے کہ وہ نور اسکو راستہ کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اس کی ہدایت کی موافق اسیطرف چلتا ہے۔ اُسکا حال پہلے دونوں گروہ کے خلاف ہے کہ سالک کو اول نور قلب حاصل نہیں ہوتا محض ذکر لسانی یا قلبی ہوتا ہے تو راستہ تو وہ بھی طے کر رہا ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیری رات میں کوئی مسافر راستہ چلتا ہو۔ اور شمع ہمراہ نہ ہو جب سلوک طے ہو کر جذب آتا ہے اور نور بصیرت عطا ہوتا ہے اُسوقت گویا شمع مل اسکے بعد وہ اپنے نور قلب کی پیروی کرے گا اور جس کا جذب مقدم ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے چلنے والے کو دور سے شمع نظر آتی ہو اور رستہ نظر نہیں آتا اس شمع کی سیدھ باندھ کر وہ اندھا دھند جا رہا ہے اور جسکا جذب و سلوک ساتھ ساتھ ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے چلنے والے

کے پاس شمع ہو اور اسکے ذریعہ سے راستہ نظر آتا ہے۔ جوں جوں وہ شمع رہبری کرتی ہے۔ اسی قدر وہ چل رہا ہے۔

اپنے آثار اور مصنوعات کے وجود سے اپنے ناموں کے وجود پر اور اپنے ناموں کے وجود سے اپنے اوصاف کمالیہ کے وجود پر اور اپنے اوصاف سے اپنی ذات کاملہ پر رہنمائی فرمائی کیونکہ وصف کا خود بخود قیام ناممکن ہے تو اہل جذب کو اول ذات کاملہ مکشوف ہوتی ہے پھر ان کو صفات کے مشاہدہ کیطرف پھیرتا ہے پھر انکو اسماء پاک کے تعلقات کی طرف لوٹاتا ہے پھر آثار اور مصنوعات کیطرف واپس کرتا ہے اور سالکین کا معاملہ اسکے برعکس ہے اسلئے سالکین کی انتہائے سیر اہل جذب کی ابتدا ہے اور سالکین کی سیر کی ابتدا اہل جذب کی سیر کی انتہا ہے لیکن نہ ایک معنے کے اعتبار سے تو گاہے باہم راہ میں ملتے ہیں سالک اپنے عروج میں اور مجذوب اپنے نزول میں۔ ف آسمان زمین چاند سورج ستارے اور تمام حق تعالیٰ کی مخلوقات ومصنوعات عجیبہ جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں یہ اُسپر دلالت کرتے ہیں کہ ان چیزوں کا بنانیوالا بڑا علم والا اور قادر و حکیم و ارادہ والا ہے تو یہ سب مخلوق اسلئے پیدا فرمائی ہے کہ ہمکو ان چیزوں کو دیکھنے اور غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ناموں کی طرف رہنمائی ہو کہ جس ذات نے یہ سب کارخانہ بنایا ہے وہ قادر علیم اور حکیم و مرید وغیرہ ہے اور ناموں تک جب راہ یابی ہو گئی۔ تو وہ نام اُسپر دلالت کرتے ہیں کہ جس ذات مقدسہ کے یہ نام ہیں اس میں اوصاف کمالیہ بھی ہیں اسلئے جب قادر علیم حکیم ہے تو اسکے اندر قدرت علم حکمت ہے ورنہ قادر علیم حکیم بغیر قدرت و علم و حکمت کے کیسے ہو سکتا ہے تو ناموں سے اوصاف کمالیہ کی طرف ہمکو راہ بتائی اور اوصاف تک جب ہم پہونچے تو وہ اوصاف اُسپر دال ہیں کہ اسکی ذات کاملہ بھی موجود ہے اسلئے کہ اوصاف بغیر ذات کے خود بخود نہیں ہو سکتے جیسے قیام کی صفت مثلاً بدون زید کے نہیں ہو سکتی تو اوصاف سے ہمکو ذات تک راہ دکھائی اور یہ حال سالکین کا ہے کہ اول ان کی نظر مصنوعات و مخلوقات پر ہوتی ہے اور قلب میں استدلال کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اور استدلال کر کر کے جسقدر مدت میں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ان کے قلب کی نظر اسماء پر ہوتی ہے پھر اسماء کی سیر میں لگے رہتے ہیں اور ان سے استدلال کر کے اوصاف تک قلب کی ذوقی نظر پہونچتی ہے پھر صفات سے استدلال کر کے ذات مقدسہ تک ان کو وصول میسر ہوتا ہے اور جو

حضرات اہل جذب ہیں ان کو اول ہی ذات کاملہ مکشوف ہوتی ہے اور ذوقی طور سے ذات پاک کا معائنہ کرتے
ہیں پھر صفات کے مشاہدہ کی طرف ان کو واپس کیا جاتا ہے یعنی صفات کا تعلق ذات کے ساتھ وہ دل کی آنکھ
سے مشاہدہ کرتے ہیں پھر اسماء پاک کے تعلق کی طرف آتے ہیں یعنی مخلوقات و مصنوعات سے اسماء کا تعلق انکو
دکھایا جاتا ہے پھر آثار و مصنوعات کا مشاہدہ ہوتا ہے یعنی یہ دکھایا جاتا ہے کہ ان کا صدور اسماء سے ہے اور
سالکین کا معاملہ برعکس ہے جیسا ہم نے اولاً بیان کیا ہے پس سالکین کی سیر کا جو منتہی ہے یعنی ذات مقدسہ
وہ اہل جذب کی ابتدا ہے۔ اور جو سالکین کی سیر کی ابتدا ہے یعنی مخلوقات و مصنوعات کا مشاہدہ وہ مجذوبین
کی نہایت ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے یعنی یہ مطلب نہیں کہ جو مجذوبین کی ابتدا ہے وہ بعینہ بلا فرق کے
سالکین کی نہایت ہے اسلئے کہ سالکین کا منتہی گو ذات مقدسہ ہے لیکن ان کو وصول ذات تک جو ہوا
تو اس کیفیت سے ہوا کہ طریق کے تمام احوال اور نفس کی تمام گھاٹیاں انکو دکھائی گئیں اور بعد مشقتوں اور
محنتوں کے وصول میسر ہوا ہے تو ذات پاک تک واصل ہونیکے بعد اگرچہ اسکے اندر جذب ہے لیکن وہ جذب ہوشیاری کا
اور اتباع کامل و استقامت کو لئے ہوئے ہے اور اہل جذب کی ابتدا گو ذات کاملہ ہے لیکن ان کو طریق سے بالکل
غیبت اور بے خبری ہے اور نفس کے داؤ فریب کی مطلق اطلاع نہیں اسی واسطے ان کو شریعت پر استقامت
نہیں ہوتی اور بعض مرتبہ ایسے افعال بھی ان سے سرزد ہوتے ہیں جو شریعت میں منکر ہیں اور فرائض و واجبات
بھی ان سے بعض مرتبہ چھوٹ جاتے ہیں لیکن اسپر ان سے مواخذہ نہیں اسلئے کہ مدار احکام کے وجوب
کا عقل ہے اور ان کی عقل پر انوار کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ مغلوب الحواس ہو جاتے ہیں اسوجہ سے امتیاز
نہیں رہتا اور ایسے ہی جو سالکین کی ابتدا ہے یعنی مصنوعات و آثار ظاہرہ وہ ہی بعینہ بلا فرق کے مجذوبین
کی نہایت نہیں ہے اسلئے کہ سالکین کی نظر ابتدا میں گو مصنوعات پر ہوتی ہے لیکن ذات و اسماء کا مشاہدہ
نہیں ہوتا اور مجذوبین کی نہایت گو مصنوعات ہے مگر اس کیفیت سے ہے کہ وہ مصنوعات اسماء سے صادر
ہیں پس سالکین ذکر و شغل و عبادات و اعمال صالحہ کرتے ہوئے ترقی کرتے ہیں اور ان کا رستہ فنا ہے کہ
بتدریج نفس کی صفات اور خود نفس فنا ہو کر ذات و صفات حق کے ساتھ بقا ان کو نصیب ہوتی ہے اور مجذوبین
کا نفس اور صفات پہلے ہی سے فنا ہوتی ہیں اسلئے انکو نیچے اتارا جاتا ہے اور اُن کا رستہ بقا ہے کہ جسقدر چلتے ہیں

ہوشیاری کی طرف آتے ہیں اسواسطے بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سالک اپنی ترقی کی حالت میں ہوتا ہے کہ خلق سے
حق کی طرف چلتا ہے اور مجذوب اپنے نزول کی حالت میں ہوتا ہے یعنی حق سے خلق کی طرف چلتا ہے اور
دونوں راہ میں ملجاتے ہیں بعض مرتبہ تو اسمار کی تجلی میں ملتے ہیں کہ دونوں پر اسمار کی تجلی ہوتی ہے لیکن سالک
اس سے آگے بڑھکر صفات کی سیر میں لگتا ہے اور مجذوب اس سے اترکر مصنوعات و مخلوقات کے مشاہدہ میں
آتا ہے اور بعض مرتبہ تجلی صفات میں ملاقی ہوتے ہیں اور سالک مجذوب سے افضل ہے اسلئے کہ اس سے مخلوق کو نفع
پہونچتا ہے بخلاف مجذوب کے کہ اگر وہ جذب ہی میں رہے تو اسکی ذات سے کسی کو نفع نہیں ہے اور قابل شیخ
ہونیکے نہیں ہاں اگر نزول اسکا کامل ہو جاوے تو اسوقت مشیخت کا اہل ہوتا ہے بشرطیکہ جذب کا غلبہ نہو
اسی طرح سالک جب تک مشاہدہ اور تجلی کے درجہ کو نہ پہونچے مشیخت کے لائق نہیں ہے۔

ان میں جو حق کے وجود سے اشیار کے وجود پر دلیل لاتے ہیں اور ان میں جو اشیار کے وجود سے حق
تعالیٰ کے وجود پر دلیل لاتے ہیں بڑا فرق ہے جس نے وجود حق جل و علا سے اشیار کے وجود پر استدلال کیا اسنے
وجود واجب کو اسکے مستحق کے لئے سمجھ کر محدثات کے وجود کو اسکے اصل کے وجود سے ثابت کیا اور محدثات
کے وجود سے وجود حق جل و علا پر استدلال کرنا محجوب ہونے اور واصل بارگاہ نہ ہونے کے سبب سے ہے ورنہ وہ کب
غائب ہے جو اسپر استدلال کی ضرورت ہو اور کب دور ہے جو آثار اس تک پہونچا دیں ف یہ ارشاد ہے مجذوبین
اور سالکین کے حال میں ہے۔ مجذوبین کو چونکہ اول ذاتِ پاک کا کشف ہوتی ہے اور باقی مخلوقات و مصنوعات
و اسمار و صفات سب ان کی نظر بصیرت سے غائب ہوتی ہیں تو جب ان کا نزول ہوتا ہے اور اوصاف و
اسمار سے اترکر مخلوقات و مصنوعات کے مشاہدہ میں آتے ہیں اور افاقہ ان کو ہوتا ہے تو حق کے وجود سے
اشیار کے موجود ہونے پر دلیل لاتے ہیں یعنی اول نظر حق پر ہوتی ہے اور اس سے استدلال کرکے اشیار کا
وجود ثابت کرتے ہیں اور سالکین ان کے برعکس ہیں کہ ان کی نظر میں ابتدا اغیار یعنی مصنوعات کا وجود
ہوتا ہے ان سے استدلال کر کے صانع تک پہونچتے ہیں تو ان دونوں میں بڑا فرق ہے جسنے حق جل و علا
شانہ کے وجود سے اشیار کے وجود پر استدلال کیا اُس نے وجود کو اسکے مستحق کے لئے ثابت کیا اسلئے کہ وجود
حقیقی اسی کے لئے ثابت ہے اور باقی اشیا حقیقتاً معدوم محض ہیں اور مجازاً موجود ہیں تو اس شخص نے

اصل یعنی خالق تعالیٰ کے وجود سے مخلوقات و محدثات کے وجود کو ثابت کیا اور جس نے اشیاء کے وجود سے
حق کے وجود پر استدلال کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص حقیقی وجود جس کے لئے ثابت ہے اس کی بارگاہ عالی سے
دور اور محجوب ہے اور واصل نہیں اس کی نظر میں مخلوقات کا وجود ہی جو درحقیقت میں معدوم اور مجازاً موجود ہے
تو معدوم شے سے موجود پر استدلال کرتا ہے اور مخفی سے ظاہر پر دلیل لاتا ہے اسلئے کہ وہ موجود حقیقی
اور ظاہر حقیقی سے دور ہے اور اگر ہم اسکو دور اور محجوب نہ کہیں اور اسکے استدلال کی وجہ موجود حقیقی کے
دور ہونے اور غائب ہونے کو ٹھرادیں تو وہ کب غائب ہے یعنی وہ غائب نہیں کہ جو اسپر استدلال اور
دلائل کی ضرورت ہو اور وہ دور کہاں ہے کہ آثار ظاہرہ وہاں تک ہم کو پہنچادیں اسکی شان تو یہ ہے
کہ وہ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہے اور ہر شے کے ظہور سے زیادہ اسی کا ظہور ہے پس یہ استدلال
خود اس دلیل لانے والے کے دور ہونے اور محجوب ہونیکو بتا رہا ہے۔ تنبیہ جاننا چاہئے کہ استدلال
سے مراد یہاں وہ عقلی استدلال نہیں جو علوم اصطلاحیہ میں ہوتا ہے بلکہ ذوقی و وجدانی ہے۔

آیت شریفہ لینفق ذو سعة من (یعنی خرچ کریں اہل وسعت اپنی وسعت سے) کا مصداق
واصلان بارگاہ کا حال ہے اور آیت شریفہ ومن قدر علیہ رزقہ الخ (یعنی جسپر رزق تنگ ہوا سو جو کچھ
اللہ تعالیٰ نے اسکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے) کا مصداق اسکی طرف سیر کرنیوالوں کا حال ہے۔

ف آیت کریمہ لینفق ذو سعة من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اٰتاہ اللہ مطلقہ عورتوں کے
بارہ میں ہے جو بعد طلاق کے بچہ کو دودھ پلادیں اور ان کو اجرت دی جائے اسلئے کہ اس بچہ کا خرچ باپ کے ذمہ ہے
اگر وسعت والا ہے تو اپنی وسعت سے ماں اور بچہ پر خرچ کرے اور جو تنگدست ہو تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے
اسمیں سے خرچ کرے مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے مضمون کو عام کر کے اپنے مطلب پر اس سے دلیل لاتے
ہیں اس لئے کہ گو نزول اس آیت شریفہ کا خاص مضمون میں ہے۔ مگر الفاظ تو عام ہی ہیں۔ یا یوں کہو کہ اسپر
قیاس اور اعتبار فرما کر اپنا مضمون اس سے اقتباس فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیۃ کریمہ کا اول
حصہ (یعنی لینفق ذو سعة من سعتہ) جسکا ترجمہ یہ ہے کہ گنجایش والے کو چاہئے کہ اپنی گنجایش سے
خرچ کرے) تو حال ان حضرات کا ہے جنکو وصول و مشاہدہ کی دولت میسر ہوگئی ہے کہ ان کے

قلب کو غیر اللہ کی رویت سے خلاصی ہوگئی اور توحید کے وسیع میدان میں پہونچ گئے اور ان کی نظر
کی مسافت بے انتہا وسیع ہوگئی اور علوم و اسرار الٰہیہ ان پر کھل گئے۔ گویا وہ بڑی گنجایش اور وسعت
والے ہو گئے اب ان کو چاہئے کہ اپنے علوم واسعہ سے خرچ کریں اور دوسروں کو پہونچاویں اور
جسقدر چاہیں پہونچاویں کمی نہ ہوگی اسلئے کہ انپر علوم غیر متناہیہ کا باب مفتوح ہوگیا ہے اور اس آیت کا
دوسرا حصہ (ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما آتاہ اللہ) یعنی جسپر رزق تنگ ہو اسکو چاہئے کہ جو کچھ اللہ
نے دیا ہے اسمیں سے خرچ کرے) ان حضرات کے حال میں ہے جو ابھی سیر و سلوک میں ہیں اور مقام مشاہدہ
تک نہیں پہونچے اور ان کے دل کی نظر نے اغیار کے دیکھنے سے ابھی خلاصی نہیں پائی اور ابھی تک
وہ رسوم اور خیالات و اوہام باطلہ کے تنگ کوچہ میں مقید ہیں تو ان کو یہ چاہئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ
نے علم ان کو عطا فرمایا ہے اسمیں سے اپنی بساط کے موافق خرچ کریں اور دوسروں کی امداد کریں
لیکن یہ حضرات جسقدر چاہیں اور جس جہت چاہیں خرچ نہیں کرسکتے اسلئے کہ انکا سرمایہ بہت کم ہے اور
ابھی تک محدود دائرہ میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے والے اپنے مجاہدہ اور توجہ کے انوار سے راہ یاب ہوئے اور واصلان
بارگاہ کے لئے ان کے مولیٰ کے مواجہ اور روبرو ہونے کے انوار ہیں تو پہلوں کی سعی انوار کے لئے
اور دوسروں کے لئے بدون انوار ہیں۔ کیونکہ یہ صرف اللہ کے ہیں نہ کسی دوسرے کے لئے تو صرف اللہ کہہ
پھر لوگوں کو ان کے باطل میں کھیلتا چھوڑ۔ ف یہ ارشاد شیخ رح کا سالکین اور واصلین کے احوال کے فرق
میں ہے فرماتے ہیں کہ جو اللہ کے بندے سلوک میں ہیں اور ابھی تک مقام مشاہدہ و تجلی تک نہیں پہونچے
وہ مجاہدہ و ریاضت و عبادت و اذکار کے انوار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف راہ یاب ہوتے ہیں
پس ان حضرات کی توجہ انوار کی جانب ہے اسلئے کہ ان انوار ہی کے ذریعہ سے ان کا مقصود حاصل
ہوتا ہے اور جو بارگاہ عالی تک واصل ہوگئے ہیں ان کے لئے حق تعالیٰ کی حضوری اور روبرو ہونے کے
انوار ہیں تو ان کے انوار وہ ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کیساتھ قرب اور محبت کا معاملہ ہوتا ہے
پس اول گروہ کی سعی تو انوار کے لئے ہے اور دوسرے گروہ پر بلا سعی کے انوار نازل ہوتے ہیں اسلئے کہ انکو

انوار مطلوب نہیں ہیں ان کو ذات حق نے انوار سے بے نیاز کر دیا ہے ان کی شان وہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون یعنی کہہ اللہ یعنی میرا مقصود و محبوب اللہ ہے اور پھر لوگوں کو ان کے شغل باطل میں کھیلتا چھوڑ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے سب لہو و لعب اور جی بہلاؤ ہے۔

سالکین کو بھی اور واصلین کو بھی اپنے اعمال کے ملاحظہ اور احوال کے مشاہدہ سے روک دیا سالکین

تو اسلئے روکے گئے کہ انھوں نے اپنے اعمال اور احوال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کو ثابت نہ پایا اور

واصلین اپنے مولیٰ کے مشاہدہ میں محو ہو کر اعمال اور احوال سے غائب ہو گئے **ف** اس ارشاد میں سالکین اور واصلین کے فرق کو دوسری طرز سے بیان فرماتے ہیں، سالکین کو یعنی جو ابھی سلوک میں ہیں وصول ان کو نہیں ہوا۔ اور واصلین دونوں گروہ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روک دیا کہ اپنے اعمال ظاہرہ اور اپنے احوال باطنہ کا مشاہدہ کریں یعنی اپنے عمل و حال پر دونوں کی نظر نہیں ہے لیکن اسکی وجہ دونوں گروہ کے اندر مختلف ہے۔ سالکین کی نظر اسلئے نہیں کہ جب کبھی اپنے کسی عمل یا حال پر ان کی نظر گئی اس عمل و حال کے اندر انہوں نے سچائی نہ دیکھی، کوئی نہ کوئی آفت ایسی نظر آئی کہ جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ اس عمل میں ان کو نظر نہ آیا مثلاً کبھی ریا ہو گئی کبھی عجب آ گیا جس سے حضور مع اللہ میں فرق ہو گیا جب کوشش کر کے عاجز ہو گئے تو اپنے عمل و حال کی طرف دیکھنا ہی چھوڑ دیا اور سمجھ گئے کہ ہمارے اعمال و احوال کسی کام کے نہیں اسلئے انپر نظر کرنا اپنی مشقت اور رنج کو بڑھانا ہے ان کو تو اس طور سے اعمال و احوال کے ملاحظہ و مشاہدہ سے روکا اور جو حضرات واصل ہیں وہ اپنے مولیٰ کے مشاہدہ میں ایسے محو ہوئے کہ اپنے اعمال و احوال سے غائب ہو گئے یعنی اپنے اعمال و احوال کو اسی کیطرف نسبت کرتے ہیں اور ان کو اپنی طرف سے نہیں دیکھتے اور اپنی قوت و ارادہ سے بالکل نکل گئے خلاصہ فرق کا یہ ہوا کہ سالکین کی نظر تو اپنے عمل و حال پر اسلئے نہیں کہ اس عمل و حال کو وہ ناکارہ اور ناقص جانتے ہیں گو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اور واصلین کو اسلئے اپنے عمل و حال کا مشاہدہ نہیں ہے کہ وہ کسی عمل و حال کو اپنا ہی نہیں دیکھتے۔ بلکہ ہر حرکت و سکون میں اپنے مولیٰ اور مولیٰ کے تصرفات کے مشاہدہ میں لگے رہتے ہیں

بعض عمروں کی مدت دراز ہوتی ہے اور اسکے منافع یا امداد الٰہی کم ہوتی ہے اور بعض عمروں کی مدت کوتاہ

ہوتی ہے اور اسکے فوائد یا امداد الٰہی زیادہ ہوتی ہے **ف** بعض لوگوں کی عمر دراز ہوتی ہے جسکا ظاہر مقتضی

یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے مخلوق کو منافع زیادہ پہونچیں اور خود بھی وہ بہت سے فوائد اخرویہ جمع کریں لیکن معاملہ

برعکس ہوتا ہے کہ کثرت عمر کا ان کو نفع کم ہوتا ہے اور امداد الٰہی ان کو کم ہوتی ہے کہ تمام عمر غفلت میں گذر جاتی ہے

اور اپنی ہوا وہوس میں مشغول رہتے ہیں اور اتنے بڑے سرمایہ میں سے ان کو یا تو بالکل کچھ بھی وصول نہیں ہوتا

اور یا بہت کم ہوتا ہے اور بعض لوگوں کی عمر کی مدت بہت کم ہوتی ہے لیکن فوائد اور امداد الٰہی بہت

ہوتی ہے کہ اس تھوڑی سی عمر کو وہ اعمال صالحہ اور ذکر اللہ میں صرف فرماتے ہیں اور اس امت

محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کا امتیاز اور فضیلت دیگر امم پر اس بات میں بھی ہے کہ ان کی عمریں کم اور فضیلت

زیادہ اور دیگر امم کی عمریں زیادہ اور فضیلت میں ان سے کم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اور بعضوں

کی عمر کا اکثر حصہ غفلت میں گذر جاتا ہے اور ان پر آخر میں فضل متوجہ ہوجاتا ہے اور تھوڑی مدت میں تمام عمر کا

تدارک ہوجاتا ہے بلکہ ایسی تلافی ہوتی ہے کہ دوسرا باوجود طول عمر کے اور ظاہری اعمال کی کثرت کے اسکی برابری

نہیں کرسکتا اسلئے کہ فضیلت کا مدار اخلاص نیت پر ہے کثرت اعمال پر نہیں اسی واسطے عارف کی ایک رکعت

دوسروں کی ایک لاکھ رکعت سے بڑھکر ہے۔

جس کی عمر میں برکت دی جاتی ہے وہ تھوڑے زمانہ میں اسقدر اللہ تعالیٰ کے الطاف واحسانات

پالیتا ہے جو نہ عبارت اور بیان کے احاطہ میں آسکیں اور نہ اشارہ وہاں تک پہونچ سکے۔ **ف** عمر کے اندر

برکت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ ایسی بیداری اور ہوشیاری عطا فرماویں کہ وہ اپنے اوقات

کے ایک ایک منٹ کو غنیمت سمجھنے لگے اور ایک ایک سانس کو ہفت اقلیم کی سلطنت سے بڑھکر جانے اور اسکو

فضول ضائع نکرے اور اعمال قلبیہ بدنیہ میں اپنی پوری ہمت خرچ کرے تو ایسا شخص تھوڑے عرصہ میں اللہ

تعالیٰ کے اسقدر نعمتیں اور مہربانیاں پالیتا ہے کہ کوئی بیان کرنے والا ان کو بسبب کثرت کے بیان

نہیں کرسکتا اور نہایت صفائی اور نزاکت کی وجہ سے ان کی طرف اشارہ بھی نہیں ہوسکتا یعنی ایسی ایسی

نعمتیں اور فیوض الٰہیہ اسکو ملتے ہیں کہ کمیت میں اسقدر زیادہ ہوتے ہیں کہ کوئی ان کو بیان نہیں کرسکتا

اور کیفیت میں ایسے دقیق اور صفائی والے ہوتے ہیں کہ ان کی طرف اشارہ نہیں ہوسکتا جیسے لیلۃ القدر
ہے کہ ایک ہی رات ہے مگر اسمیں عمل و عبادت ہزار ماہ سے بڑھکر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فضل کا مدار کسی کے
قیاس اور عقل پر نہیں اور نہ کسی کے ساتھہ مخصوص ہے اور نہ کسی مدت کیساتھہ خاص ہے۔

یہ ایک خط ہے جو سیر و سلوک کی ابتدا سے انتہا تک کے حالات کو شامل ہے اور اپنے بعضے دینی بھائیوں کے
نام لکھا۔ (حمد و صلوۃ کے بعد واضح ہو کہ ابتداء سالک کی اسکی انتہا کا آئینہ اور تجلی گاہ ہے اور جس کی بدایت اللہ تعالے
کیساتھہ ہوگی اسکی نہایت بھی اسی تک ہوگی۔ **ف** سالک کی ابتدائی حالت اس کی انتہائی حالت کے
لئے بمنزلہ آئینہ اور تجلی گاہ کے ہے مطلب یہ ہے کہ سالک کی ابتدا میں جو حالت ہوتی ہے اسی کی مناسب انتہائی
حالت ہوتی ہے اور اس ابتدائی حالت سے انتہا کا حال معلوم ہوتا ہے اگر ابتدا میں عبادت اور ریاضت
کیطرف اسکی توجہ تام اور سعی بلیغ ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ انتہا میں اُسپر حق تعالی کی طرف سے فیض کا کوئی
بڑا باب مفتوح ہونیوالا ہے اور نیز یہ شخص بہت جلدی اپنے مقصود کو پہونچے گا۔ اور اگر ابتدا میں عبادت
اور ریاضت کے اندر ضعف ہے تو انتہا میں اسکا کشود کار اور وصول بھی ضعیف ہوگا اور جسکی ابتدا اللہ تعالے
کے ساتھہ ہوگی کہ اپنے ہر کام دنیوی و دینی میں اور ریاضت و مجاہدہ میں اسکا شیوہ یہ ہے کہ اللہ ہی کی مدد
چاہتا ہے تو نہایت بھی اللہ تعالی تک ہوگی یعنی اسکو وصول الی اللہ میسر ہوگا اور سب مخلوق و اسباب سے
انقطاع تام میسر ہوگا اور اگر ابتدا میں اس صفت کے اندر ضعف ہے اور اعتماد و اسباب ظاہرہ پر ہے اور
اپنی تدابیر و عقل پر نازاں ہے تو انتہائی حالت میں بھی اسکا اثر رہیگا اور توکل و اعتماد علی اللہ میں ضعف ہوگا۔

اور مشغولی کے لائق وہی اعمال صالحہ ہیں جنکو تونے محبوب جانا اور ان کی طرف مسارعت کی اور اعراض
کے قابل وہ خواہشات باطلہ ہیں جنکو چھوڑکر تونے اپنے مولی کریم کی طرف توجہ کو اختیار کیا۔ **ف** سالک
طالب جب دنیا کے مشاغل ترک کرکے حق تعالی کی یاد میں مشغول ہوتا ہے تو بعض مرتبہ نفس بسبب جہل اور
حب دنیا کے ان مشاغل متروکہ کو یاد کرتا ہے اور من وجہ اسکو ایک قسم کا حزن ہوتا ہے اسلئے ہمت بڑھانے
کے لئے فرماتے ہیں کہ مشغولی کے لائق ہی اعمال صالحہ ہیں جنکو تونے محبوب جانکر اختیار کیا ہے اور ان کی
طرف دوڑا ہے اور جن خواہشات باطلہ میں تو پہلے مشغول تھا اور ان کو چھوڑکر مولی کریم کی طرف توجہ اختیار کی

وہ چھوڑنے اور روگردانی ہی کے قابل ہے

اور بے شک جو یقین کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے عبودیت کا طالب ہے سچی طلب سے اسکی طرف متوجہ ہوگا اور جس نے جانا کہ سب کام اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہیں اسپر توکل کرکے اپنے پریشان اذکار کو مجتمع کریگا۔ **ف** جس شخص کو اس بات کا یقین کامل حاصل ہوجائیگا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے بندگی اور بندگی کے حقوق کا طالب ہے تو اس یقین کا مقتضی یہ ہے کہ سچی طلب سے اسکی طرف متوجہ ہوگا اور اپنے نفسانی مزدوں اور مرادوں کو پس پشت ڈالدیگا اسلئے کہ اس یقین کا مقتضی ہی یہ ہے اور جسقدر اس یقین میں کمی ہوگی اسی قدر اس طلب میں کمی ہوگی اور نیز طلب کے اندر سچائی ہی نہ ہوگی اور طلب کی سچائی یہ ہے کہ بجز رضائے مولےٰ کے کسی شی کا طالب نہ ہو عبادت سے مقصود یہی ہو اور جس نے یہ جان لیا اور یقین کرلیا۔ کہ تمام کام اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ اسی پر توکل کرکے اپنے پریشان افکار کو جمع کرے گا۔ اسلئے کہ جب قلب کو یقین کامل اسکا ہوگیا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ ہی کام بنانے والا ہے تو اس یقین کا مقتضی یہ ہے کہ اسی پر بھروسہ ہو اور کوئی فکر لاحق نہ ہو اسلئے کہ فکر ہمیشہ اپنی عقل اور تدبیر پر بھروسہ کرنے سے ہوتا ہے مقصود ان ہر دو ارشاد سے یہ ہے کہ سالک کو چاہئے کہ طلب میں سچا ہو اور اپنے مقصود کے حل کرنے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اپنی تدبیر اور اپنے قیاس کو دخل نہ دے اور نہ ان افکار میں پڑے اطمینان سے اپنا کام کرے جو اپنی عقل وتدبیر سے کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو اسی کے نفس پر حوالہ فرمادیتے ہیں بجز تفویض وتسلیم وتوکل کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

اور ضرور ہے کہ اُس کو شک وجود کے ستون منہدم ہوں اور اُس کی پسندیدہ چیزیں جنمیں مشغول وہ ہے جو دار فانی کی بہ نسبت دار باقی کے ساتھ زیادہ خوش ہو۔ **ف** بہت لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد اور سلوک میں اسلئے مشغول نہیں ہوتے کہ ہم اگر اس رستہ میں پڑے تو دنیا کے مزے سب جاتے رہینگے اور بعض سالک بھی جو ضعیف ہیں ان کو بھی یہ خوف بعض مرتبہ ستاتا ہے ان کی تسلی کے لئے فرماتے ہیں کہ یہ ضروری بات ہے کہ کبھی نہ کبھی اس تمہارے وجود کے ستون منہدم ہوں گے یعنی اس دنیا کو یا تو چھوڑنا پڑیگا اور یا دنیا ہی تم کو چھوڑ دے گی اور اُسوقت اُس کی پسندیدہ چیزیں کھانا پہننا وغیرہ سب جنمیں

کی جاویں گی خواہ ابھی یا بعد چندے تو تم ہی اسکو چھوڑ دو اور باقی رہنے والی دولت اختیار کر لو اسلئے کہ
عاقل وہ ہے جو باقی رہنے والے گھر کے ساتھ بہ نسبت فنا ہونیوالے گھر کے زیادہ خوش ہو اور اسی کو اختیار
کرے اور زیادہ خوش ہونیکا مطلب یہ ہے کہ مقصود دار آخرت کو جانے اور اسکے ساتھ اسکی مسرت زیادہ
اور دنیا کے ساتھ کم ہو یہ نہیں کہ دنیا کی خوشی سے بالکل خوش نہو کہ یہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔

اس دار فانی کی بے رغبتی کا نور اسکے باطن میں چمکا اور اسکی سفیدی اسکے ظاہر میں عیاں ہوئی
تو اُسنے آنکھیں بند کر کے اس دار سے روگردانی کی اور پشت پھیر کر اس سے اعراض کیا نہ اسکو وطن بنایا
اور نہ مسکن ٹھہرایا بلکہ اسمیں رہکر اپنی ہمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑہایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف پیش قدمی
کرنے میں اُسی سے استعانت کرتا ہوا اسکی طرف چلا۔ **ف** جب سالک عاقل نے ہمت کر کے دار فانی
کو اور اس کی پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیا تو اول اول اسکو ایک مشقت اور کلفت اسکی معلوم ہوئی لیکن چند
روز بعد نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ اسکے قلب میں اس کی بے رغبتی اور زہد کا نور چمکا اور اس نور کی روشنی اور سفیدی
اسکے چہرہ اور ظاہر بدن پر بھی ظاہر ہوئی اسلئے کہ جب قلب میں نور ہوتا ہے تو اسکا اثر بدن پر بھی ظاہر
ہوتا ہے اور یہ علامت ہے اسکی کہ اسکی سعی قبول ہوئی پس اس سالک عاقل نے اس دار سے آنکھیں بند کر لیں
اور اس سے روگردانی کی اور اس سے پشت پھیر لی اور اس دار کو نہ اسنے وطن بنایا یعنی جیسے وطن کو آدمی اپنا ٹھکانا
سمجھتا ہے اس نے اس دنیا کو اپنا وطن نہ جانا اور نہ اسکو مسکن بنایا یعنی جیسے مسکن میں آدمی کو آرام ملتا ہے
تو اسکے دل نے آرام نہ پایا۔ گو بظاہر شل دوسروں کے وطن اور مسکن میں رہتا ہوا نظر آیا بلکہ اپنی ہمت
کو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑہایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف پیش قدمی کرنے میں اسی سے مدد چاہتا ہوا اسی کیطرف
چلا مطلب یہ ہے کہ اسکے رستہ چلنے میں اپنے عمل و حال پر مطلقاً بھروسہ چھوڑ دیا بلکہ اسی کی مدد پر بھروسہ
کر کے اُس کی طرف چلا اسلئے کہ عمل کسی کا کسی کو نجات نہیں دیگا جس نے کچھ پایا ہے فضل سے پایا ہے پس
جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیا اور اپنے مجاہدہ و ریاضت و ذکر و شغل و مراقبہ کیطرف نظر نہیں کی اور اسمیں
کمی بھی نہیں کی بلکہ ہمت کو بڑہائے رکھا اور نظر رحمت اور فضل پر رکھی تو امید ہے کہ منزل مقصود کو پہونچیگا
اور یہ سالک کی ابتدائی حالت ہوئی۔

اسکے عزم کی ناقہ قرار و سکون نہیں پکڑتی ہے ہمیشہ چلتی رہی یہانتک کہ بارگاہ پاک و دل لگی کے

کے فرش پر پہونچی اور وہ مفاتحہ و مواجہہ و مجالست اور محادثت اور مشاہدہ اور مطالعہ کا محل ہے **ف** عزم کو ناقہ سے تشبیہ دیکر فرماتے ہیں کہ اسکے عزم کے ناقہ کو کہیں قرار و سکون نہیں ہوتا یعنے اسکے بعد سالک کو قسم قسم کے حالات اپنی طرف کھینچنے والے پیش آتے ہیں، لذت. فرح. سرور. انوار. کرامات. مکاشفات حقائق اشیاء کا علم علوم وہبیہ. اسرار تو اگر ان احوال میں سے کسی طرف اسکو میلان ہوگیا تو اسکے عزم کی ناقہ کو ایک جگہ قرار ہوگیا اور ترقی اس کی رک جاتی ہے اور اگر حق تعالی کا فضل ہوا اور اس کی تکمیل منظور ہوئی تو اسکے عزم کی ناقہ ان سب کو چھوڑتی چلی جاتی ہے اور کسی جگہ کو مقام نہیں بناتی یہانتک بارگاہ پاک میں اور مقام انس اور دل لگی میں پہونچی کہ جہاں دلوں کو سچا انس اور حقیقی دل بستگی اور واقعی لذت ہے. اور یہ مقام مفاتحہ ہے یعنی بارگاہ عالی سے قلوب پر فیوض و برکات کے نزول کا افتتاح و ابتدا ہوتا ہے اور یہ مقام مواجہہ ہے یعنی حق تعالی کی طرف سے بندے کی طرف رحمت کیساتھ توجہ کیجاتی ہے اور مقام مجالست ہے یعنی اللہ تعالی کی بندہ کیساتھ حضوری ہوتی ہے. اور مقام محادثہ ہے کہ اللہ تعالی بندہ کے ساتھ سرگوشی فرماتے ہیں یعنی معارف و اسرار و مناجات کے راز و نیاز اسکے قلب پر مینہ کی طرح برستے ہیں اور مقام مشاہدہ ہے کہ بندہ اپنے باطن سے اپنے مولی کا مشاہدہ کرتا ہے اور حواس ظاہرہ سے غائب ہوجاتا ہے اور مقام مطالعہ ہے کہ مقام مشاہدہ اُسکے لئے راسخ ہوجاتا ہے اور ہر آن و ہمہ وقت مطالعہ جمال و جلال میں مشغول رہتا ہے اور اسی کا نام وصول ہے۔

پہر وہ حضرت مقدس ان کے قلوب کے طیور کا گھونسلا ہوگئے اسی کو ٹھکانا بنائے ہیں اور اسی میں

آرام پاتے ہیں **ف** یعنی بارگاہ پاک میں پہونچنے کے بعد وہ پاک بارگاہ انکے قلوب کے لئے ایسی ہوجاتی ہے جیسے پرندوں کے لئے آشیانہ ہوتا ہے کہ پرندے اسی کو اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں اور اسی میں آرام پاتے ہیں دن بہر چاہے اِدہر اُدہر رہیں مگر چین ان کو اپنے آشیانہ میں ملتا ہے اسی طرح سالک کا حال ہوتا ہے کہ ظاہراً مخلوق سے ملتا جلتا ہے لیکن چین و اطمینان اسکو اپنی اسی حالت مشاہدہ سے ہوتی ہے اور اسکو مقام فنا اور مقام جمع اور عروج کہتے ہیں اور یہ سالک کا انتہائی سفر ہے کہ یہاں پہونچکر سلوک تمام ہوجاتا ہے.

پھر جب حقوق کے آسمان یا خواہشات کی زمین کی طرف نزول فرماتے ہیں تو اذن ہو تمکین اور
پختہ یقین کیساتھ نہ حقوق کی طرف بے ادبی اور غفلت کیساتھ نزول فرماتے ہیں اور نہ خواہشات کیطرف اپنی
نفسانی خواہش اور فائدہ اٹھانیکی غرض سے بلکہ اسمیں صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے اللہ کیواسطے اللہ کیطرف
سے اللہ تعالیٰ کی طرف توسل پکڑ کے داخل ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ اور کہہ اے پروردگار داخل کر مجھکو
سچا داخل کرنا اور نکال مجھکو سچا نکالنا تاکہ جب تو داخل کرے تو میری نظر تیری طاقت اور قوت کیطرف
ہو۔ اور جب مجھکو نکالے تو میری طاعت وانقیاد تیری طرف ہو اور میرے لئے اپنی طرف سے صاحب
شوکت مددگار مقرر فرما کہ میرے نفس پر اور میرے ساتھ دشمنوں کی مدد کرے اور میرے نفس کی مجھ پر مدد
نہ کرے نفس کے مشاہدہ پر میری اعانت کرے اور مجھکو میری ظاہری حس کی معلومات سے بالکل فنا کر دے

ف سالک کے لئے جب مقام فنا میں رسوخ کامل ہو جاتا ہے یعنی اسکی لوح قلب سے غیر اللہ کا نقش من کل الوجوہ
محو ہو جاتا ہے تو اسکے قلب کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ہر وقت مشاہدہ جلال وجمال حق میں مستغرق رہتا ہے اور
کسی شی کی طرف اسکا التفات نہیں ہوتا اسکے بعد اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ اسکو حسب مقتضا ارشاد بنا دیں تو اسکو
مقام بقا وفرق سے مشرف فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ فنا کی حالت میں تو سالک کی تمام تر توجہ ذات حق کیطرف
ہوتی ہے اور مخلوقات اسکی نظر التفات سے بالکل غائب ہو جاتی ہے اور اپنی اور ہر شی کی عدمیت اسکے پیش نظر ہوتی
ہے جب یہ حالت راسخ ہو جاتی ہے تو پھر اسکو التفات الی الخلق عطا ہوتا ہے لیکن اس التفات اور قبل از سلوک جو اسکو
التفات تھا دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے پہلے جو التفات وتوجہ تھی وہ استقلالاً مخلوق پر تھی اور مولی الحقیقی
سے غفلت تھی اور اسوقت توجہ اصلی اللہ تعالیٰ کیطرف ہے اور مخلوق کی طرف اس طور سے ہے کہ تمام مخلوقات
اسکے لئے جمال وجلال الٰہی کے دیکھنے کا آئینہ بنجاتا ہے اسوقت یہ حضرات مخلوق کے لئے واسطہ فیض رسانی
کے بنتے ہیں اور مخلوق سے ملتے جلتے ہیں اسی مقام کو شیخ بیان فرماتے ہیں کہ جب یہ حضرات حقوق کے آسمان
یا خواہشات کی زمین پر یعنے مخلوق سے ملنے کے وقت جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں وہ مثل آسمان کے ہیں
کہ جیسے آسمان پر چڑھنا دشوار ہے اسی طرح ان حقوق کا ادا کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے اور خواہشات کی زمین سے
مراد ان کی نفسانی خواہشیں ہیں جو فنا کی حالت میں نظر التفات سے بالکل محو ہو گئیں تھیں تو جس وقت ان حقوق

اور خواہشوں کی طرف ان کا نزول ہوتا ہے تو یہ نزول ان کا اذن الٰہی سے ہوتا ہے یعنی اگر اذن نہ ہو یا ان کو اختیار دیا جائے تو کبھی مقام فنا سے آنا پسند نہ کریں اور نیز یہ نزول بعد تمکین کے ہوتا ہے یعنی جب مقام فنا میں پختگی ہو جاتی ہے اسوقت ہوتا ہے اور نیز یقین اور معرفت کے اندر پختگی کے بعد ہوتا ہے اسلئے حقوق کی طرف بے ادبی اور غفلت کے ساتھ نزول نہیں فرماتے یعنی قبل از فنا جیسے تھے کہ حقوق الناس ادا کرنے میں ادب ملحوظ نہیں تھا اور نیز مولیٰ تعالیٰ شانہ سے غفلت تھی اب وہ بات نہیں رہتی بلکہ ہر وقت ہوشیاری اور ادب کو لئے رہتے ہیں اگر کوئی ان کو ستاتا ہے اس سے انتقام نہیں لیتے اسلئے کہ مولیٰ حقیقی پر ہر وقت نظر قلب کی رہتی ہے جانتے ہیں کہ اسی نے ہم پر اسکو مسلط کیا ہے اور اگر کوئی شخص ان کے ساتھ ادب تعظیم سے پیش آتا ہے تو یہ ان کے نفس کو بھلا تا نہیں ہے غرض تمام حقوق کے ادا کرنے میں ان کو کسی وقت اللہ تعالٰے سے غفلت نہیں ہوتی۔ اور اپنی خواہشات کی طرف اپنی نفسانی خواہشیں اور فائدہ اٹھانے کی غرض سے نزول نہیں فرماتے یعنی فنا سے پہلے تو یہ حالت تھی کہ کھانا پینا پہننا بیوی سے مخالطت کرنا نفسانی مزوں کے لئے تھا اور اسوقت یہ نہیں بلکہ ان سب خواہشوں میں اللہ کی مدد سے اور اللہ ہی کیواسطے داخل ہوتے ہیں یعنی ان خواہشات کے افعال کرنے کے وقت اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اللہ ہی کے واسطے کرتے ہیں نفس کا مطلق حصہ نہیں ہوتا اور اللہ ہی کی طرف سے کرتے ہیں اپنے نفس کیطرف سے نہیں اور ہر امر میں اللہ ہی سے توسل کرتے ہیں پس اس مقام میں آکر سالک اور مکمل ہو جاتا ہے اور یہ سالک کا دوسرا سفر ہوتا ہے اول سفر کو ترقی اور عروج کہتے ہیں اور اسکو نزول کہا جاتا ہے ان دونوں سفروں کو حضرت شیخ آیۂ کریمہ وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق سے اقتباس فرماتے ہیں ترجمہ یہ ہے کہ کہہ اے میرے پروردگار داخل کر مجھکو سچا داخل کرنا اور نکال مجھکو سچا نکالنا۔ سچے داخل کرنے سے مراد ترقی کا سفر ہے اسلئے کہ اس سفر سے سالک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ پاک میں داخل ہوتا ہے اور فنا ہو کر اغیار سے فارغ ہو جاتا ہے اور سچے نکالنے سے مراد سفر نزول ہے اسلئے کہ سالک اس سفر سے مخلوق کی طرف نکلتا ہے اور ان کو اپنے فیوض پہونچاتا ہے اور سچا داخل کرنا یہ ہے کہ عروج کی حالت میں کہ سالک اللہ ہی کی قوت وحول کا مشاہدہ کرے اور

کسی عمل کو اپنی طرف نسبت نہ کرے اور سچا نکالنا یہ ہے کہ نزول کی حالت میں اپنے رب کے سامنے تسلیم و
انقیاد اختیار کرے کہ جس مقام کی طرف اسکو بھیجا ہے اسپر راضی ہو اور نفس پہلے مقام یعنی عروج کے
اندر رہنے کی حرص نہ کرے بلکہ جو مولیٰ کام سپرد کرے اسکو بدل جان کرے چنانچہ شیخ اس مضمون
کو فرماتے ہیں یہ دعا و استعانت اسلئے کی ہے کہ میری نظر داخل ہونے کے وقت تیری ہی قوت اور
طاقت کی طرف ہو اور جب مجکو نکالے تو میری اطاعت اور انقیاد تیری طرف ہو اپنے نفس کا دخل نہو
اور میرے لئے اپنی طرف صاحب شوکت مددگار مقرر فرما اس سے مراد مدد الٰہی کا سوال ہے جو ہر دم
کامل کیحال پر مبذول رہتی ہے اور وہ مددگار میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرے کہ میں نفس
کے کہنے پر نہ چلوں اور میرے ذریعہ سے دوسروں کی مدد کرے۔ اور نفس کے مشاہدہ پر میری اعانت
کرے کہ میں اپنے نفس کی طرف کوئی فعل اور کوئی حرکت و سکون کی نسبت کردوں سب کو اللہ
کی طرف سے جانوں اور مجھکو میری ظاہری حس کی معلومات سے بالکل فنا کردے ظاہری حس
کی معلومات مخلوقات ظاہرہ ہیں ان کے ساتھ میرا تعلق نہ رہے نہ ان کو نفع پہونچانے والا جانوں
اور نہ ضرر رساں سمجھوں آمین رزقنا اللہ تعالیٰ آمین۔

تیسواں باب قبض اور بسط کے بیان میں

بسط کی حالت میں تجھکو اسلئے رکھا کہ قبض میں تجھکو نہ رکھے اور قبض کی حالت میں تجھکو پہنچایا
تاکہ بسط میں نہ چھوڑے اور دونوں سے تجھکو نکالا تاکہ تو سوائے اپنے مولیٰ کے کسی کا نہ ہو۔ف قبض اور
بسط دو حالتیں ہیں جو سالک پر یکے بعد دیگرے وارد ہوتی رہتی ہیں قبض تو یہ ہے کہ قلب پر کوئی وارد
صفت جلال و قہر کا ایسا پیش آوے جس سے قلب گرفتہ ہو جاوے اور بشاشت اس کی جاتی رہے
اور ذکر و طاعت میں انشراح نہ رہے۔ اور بسط یہ ہے کہ صفت جمال و رحمت کا ایسا وارد قلب پر غالب
ہو کہ بشاشت و انشراح کی کیفیت اسقدر ہو جاوے کہ تھامنے سے بھی نہ رکے اور قبض و بسط ایسے سالک
کو پیش آتا ہے جو ابتدائی حالت سے آگے بڑھ گیا ہو اور ابتدا میں خوف اور رجا ہوتا ہے قبض اور بسط اور خوف

درجا میں فرق یہ ہے کہ خوف درجا کسی آیندہ بات کے تصور سے ہوتے ہیں اور قبض و بسط کی حالت موجودہ واردات کی وجہ سے ہوتے ہیں اس مقام پر شیخ رحمہ اللہ قبض اور بسط کی حکمت بیان فرماتے ہیں خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ اے سالک بسط کی حالت تجھ پر اسلئے وارد کی اور قبض سے نکال لیا تاکہ تجھکو قبض ہی میں نہ رکھے۔ اسلئے کہ اگر بسط نہ ہوگا تو قبض ہوگا کیونکہ سالک متوسط پر ان دو حالتوں میں سے ایک ایک رہتی ہے اور قبض ہی اگر رہے اور بسط نہ ہو تو قبض صفت جلال کا اثر ہے تو چند روز بعد اس حالت کا تحمل سخت دشوار ہوگا اور اگر وارد قوی ہوگا تو عجب نہیں ہے کہ سالک ہلاک ہو جائے چنانچہ ایسے قصے واقع ہوئے ہیں اسلئے قبض کے بعد بسط کی کیفیت عطا ہوتی ہے اور قبض اسلئے وارد فرمایا کہ بسط ہی بسط نہ رہے اسلئے کہ بسط میں نفس کا حظ ہے اور نفس کے موافق ہے تو اگر اسمیں استداد ہوگا تو عبدیت کی صفت میں ضرور کمی آوے اور اگر زیادہ یہ کیفیت رہی تو اور بھی زیادہ خطرہ کی بات ہے اور کامل پر یہ دونوں کیفیتیں نہیں ہوتیں بلکہ اسکی کیفیت قبض اور بسط کے درمیان درمیان رہتی ہے نہ یہ غالب نہ وہ غالب اسلئے فرماتے ہیں کہ قبض اور بسط سے تجھکو اسلئے نکالا کہ سوائے اپنے مولی کے کسی کا نہ رہے اسلئے کہ قبض اور بسط دونوں حالتوں میں غلبہ ہوتا ہے قبض میں تو قلب ناگواری کی کیفیت سے رنگین ہوتا ہے اور توجہ اسکے ازالہ کی طرف ہوتی ہے اور بسط میں خوشگواری اور بشاشت کا غلبہ ہوتا ہے تو قلب اس کے مزے لینے میں مشغول ہوتا ہے غرض دونوں حالتوں میں توجہ الی ذات الحق نہ ہوئی اسلئے کامل کی حالت معتدل ہوتی ہے کہ نہ اسکو قبض کہہ سکتے ہیں نہ بسط لیکن استقامت اور اعتدال حال کے حصول کا ذریعہ بھی یہی قبض اور بسط ہیں کہ اس نشیب و فراز کے بعد قلب کے اندر ایک اعتدالی حالت قائم ہو جاتی ہے۔

بسط کی حالت میں عارفین بہ نسبت حالت قبض کے زیادہ خائف ہوتے ہیں حالت بسط میں ادب کے حدود تک صرف تھوڑے ہی آدمی ٹھہرتے ہیں۔ ف بسط کی حالت چونکہ نفس کی خواہش کے موافق ہے اسلئے عارفین کو بہ نسبت قبض کے اس حالت میں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ نفس اپنے مزہ میں لگ کر اپنے احوال اور کرامات کو ظاہر نہ کرنے لگے اور دعوے نہ بگھارنے لگے اور نیز بعض مرتبہ

جب بسط زیادہ بڑھتا ہے اور غلبہ ہوتا ہے تو بعض کلمات زبان سے ایسے نکل جاتے ہیں جو بارگاہ عالی
کے ادب کے خلاف ہیں اسی واسطے شیخ فرماتے ہیں کہ بسط کی حالت میں ادب کے حدود کے اندر بہت کم
لوگ رہتے ہیں بخلاف قبض کے کہ وہ حالت چونکہ نفس کے خلاف ہے اسلئے اسمیں عجز و انکسار و عبدیت
قائم رہتی ہے اور اپنے آپ کو قہر حق و غلبہ حق کے مغلوب ہونے کا مشاہدہ رہتا ہے

بسط کی حالت میں تو نفس اپنا حصہ سرور کلے لیتا ہے اور قبض کی حالت میں نفس کا کچھ حصہ
نہیں ملتا۔ **ف** یہ مضمون ارشاد سابق کی علت ہے کہ ادب کی رعایت بسط میں اسلئے نہیں رہتی کہ بسط
میں نفس کو سرور اور فرح کا حصہ ملتا ہے اور جب نفس کو اسکی خواہش ملجاتی ہے تو غفلت اور نسیان کا پیدا
ہونا اسکے لوازم میں سے ہے اور نیز علوم اور احوال و مقامات اور اسرار دانی کے دعوے اور اپنا خاص لوگوں
میں سے ہونا اور اپنے حالات سے لذت حاصل کرنا پیش آتا ہے اور یہ سب باتیں شانِ عبودیت اور بندگی
کے خلاف ہیں بخلاف قبض کے کہ اسمیں نفس کو حصہ نہیں ملتا اسلئے اپنی حدود پر رہتا ہے اسیواسطے عارفین نے
قبض کی حالت کو بسط پر ترجیح دی ہے۔

بسا اوقات قبض کی تاریک رات میں وہ علوم و معارف تجھکو دیئے جو تو بسط کے روز روشن
میں نہیں پا سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہے تم نہیں جانتے تمہارا زیادہ نافع ان میں کونسا ہے۔ **ف** چونکہ قبض نفس کو
ناگوار اور بسط خوشگوار ہے اسلئے سالک قبض سے گھبراتا ہے اور اسکو سبب بعد کا جانتا ہے اور بسط کو پسند کرتا ہے اور اسکو
قرب جانتا ہے اسلئے کہ قبض کی حکمت بیان فرماتے ہیں قبض کو تاریک رات سے تشبیہ اسلئے دی ہے کہ رات
کے اندر سکون ہوتا ہے قبض کی حالت میں نفس چونکہ منکسر ہوتا ہے اسلئے اسکو اپنے کمالات اور دعووں کی
طرف حرکت نہیں ہوتی اور بے حس و حرکت ہو کر حق تعالیٰ کی طرف ملتجی ہوتا ہے اور بسط کو روز روشن
اسلئے فرمایا کہ جیسے دن کے اندر انتشار اور ادہر ادہر مخلوق کی آمد و رفت ہوتی ہے اسی طرح بسط میں بھی
نفس کے اندر حرکت ہوتی ہے اور اپنے معارف و اسرار کے ظاہر کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ اے سالک
قبض سے مت گھبرا اسلئے کہ قبض کی حالت میں بسا اوقات وہ علوم و معارف تجھکو عطا فرماتے ہیں کہ بسط میں انکو
نہیں پا سکتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ قبض میں نفس منکسر اور ذلیل ہوتا ہے تو یہ تذلل و انکسار حق تعالیٰ کے فضل و کرم کا

سبب ہوجاتا ہے اور بعد اس حالت کے علوم و معارف کی دولت عطا ہوتی ہے آگے آیت کریمہ لا تدرون ایہم اقرب لکم نفعا یعنے ہمنے جو وارثوں کے حصے ٹہرا دیئے ہیں ان کے موافق عمل کرو اپنی رائے کو دخل نہ دو اسلئے کہ تم کو خبر نہیں کہ کونسا وارث تمکو نفع پہونچانے میں زیادہ قریب ہے سے قیاس و اعتبار کے طور پر اپنا مطلب ثابت فرماتے ہیں کہ جیسے وارثوں میں انسان کو یہ خبر نہیں کہ کون وارث میرے لئے زیادہ نفع پہونچانے والا ہے اور کون نہیں ہے حالانکہ یہ کھلی بات تہی اور احتمال ہوسکتا تہا کہ ہم اسکو جانیں تو قبض اور بسط تو بالکل باطنی حالات ہیں اسمیں تو معلوم ہی نہیں ہوسکتا کہ ہمارے لئے قبض نافع ہے یا بسط پس بندہ کو لازم ہے کہ جو حالت پیش آوے اسکی نسبت کوئی اپنی رائے قائم نہ کرے اور بندگی و تسلیم کو کسی وقت ہاتھ سے نہ دے

چوبیسواں باب انوار اور ان کے مراتب کے بیان میں

عبادت و ریاضت کے انوار قلوب مریدین اور ان کے اسرار کی اونٹنیاں ہیں ف قلب سے مراد صوفیہ کے نزدیک ظاہر قلب ہے۔ اور سر سے مراد باطن قلب ہے۔ اور اس کا احساس اہل ادراک و اہل بصیرت کو ہوتا ہے کہ قلب کے کئی حصے یا طبقے ہیں. خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ عبادت و مجاہدہ سے جو انوار سالک کو حاصل ہوتے ہیں یہ مریدین و سالک کے ظاہر قلب اور باطن قلب کے لئے اونٹنیوں کے مشابہ ہیں کہ جیسے اونٹنیاں مسافر کو منزل مقصود پر پہونچا دیتی ہیں اسی طرح یہ انوار مرید کو اسکے مقصود یعنی بارگاہ عالی تک پہونچنے کا ذریعہ بنجاتے ہیں پس سالک عبادت و ریاضت کا التزام کرے اور اسکے اندر جو انوار و لذت پیش آویں انکو مقصود نہ سمجھے بلکہ مقصود کا ذریعہ جانے. اور مقصود کو اس سے آگے سمجھے جیسے اونٹنیاں عین مقصود نہیں ہیں. بلکہ مقصود تک پہنچانے کی وسیلہ ہیں.

جیسا کہ ظلمت کا لشکر ہے ایسا ہی نور قلب کا لشکر ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کی امداد چاہتا ہے تو انوار کے لشکر سے اسکی مدد کرتا ہے اور اغیار و تاریکیوں کی مدد قطع کر دیتا ہے ف نفس اصطلاح میں انسان کے اندر وہ قوت ہے جو اخلاق مذمومہ کی محرک ہے. اور قلب اخلاق حمیدہ کا محل ہے جاننا چاہیے کہ انسان کا نفس خود بینی و خود پسندی اور جہل اور طبیعت کے عوارض میں اسقدر گہرا ہوا ہے کہ اپنی جہل اور

ان صفات کا اسکو خود بھی ادراک نہیں ہوتا اور اسکا میلان اصلی ہمیشہ اسفل اور معاصی کی جانب ہے اور
مومن کے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف سے نور توحید و ایمان ہے جو انسان کو اخلاق حمیدہ اور طاعات
کی طرف کھینچتا ہے پس ظلمت سے مراد نفس کی صفات ہیں اور نور سے مراد نور قلب ہے گویا ظلمت نفس کا
لشکر ہے اور نور قلب کا لشکر ہے ان دونوں میں باہم تنازع و مزاحمت رہتی ہے نفس اپنے لشکر ظلمت سے
قلب پر حملہ کرتا ہے اور اسکے مقتضیات پر عمل درآمد ہونے کو روکتا ہے اور قلب اپنے نور سے اس پر غالب
ہونا چاہتا ہے تو کبھی نفس غالب آجاتا ہے اور بندہ سے معاصی کرا دیتا ہے اور طاعات سے روک دیتا ہے
اور کبھی قلب کے نور کا غلبہ ہوتا ہے اور نفس مغلوب ہو جاتا ہے اگر اس بندہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے سعادت لکھی ہے تو انوار
کے لشکر سے اسکی مدد فرماتا ہے اور دنیا کو اس کی نظر میں خوار اور اسکا فنا ہونا ظاہر فرما دیتا ہے اور نیز نفس کے
عیوب اس پر کھل جاتے ہیں اور ظلمت اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری اشیاء جو قلب میں جاگزیں ہو رہی
تھیں اور نفس کی طرف سے ان کو مدد مل رہی تھی وہ منقطع فرما دیتے ہیں اور انوار کا غلبہ ہو جاتا ہے اور رشد و شدہ حاصل
مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور اگر نعوذ باللہ قسمت میں شقاوت لکھی ہے تو ظلمت کے اندر زیادتی ہوتی چلی جاتی
ہے حتیٰ کہ نور قلب میں کمی آتے آتے وہ نور بالکل معدوم ہو جاتا ہے اور دنیا کا غلبہ ہو جاتا ہے سالک کو چاہیے
کہ جس وقت نفس اور قلب میں منازعت ہو تو حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور التجا کرے اور ذکر کی کثرت
کرے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے انشاء اللہ نفس کی دواعی کا غلبہ جاتا رہیگا اور قلب کے انوار کا غلبہ ہو جائیگا۔

حقائق اور مغیبات کا منکشف کر دینا نور کا کام ہے اور اسکا ادراک کرنا دل کی نظر کا کام ہے اور اسکی
طرف اقدام کرنا اور اعراض کرنا دل کا کام ہے۔ ف قوت باصرہ ظاہرہ سے آدمی خارجی نور کی مدد سے دیکھ
سکتا ہے مثلاً سورج نکلا ہوا ہو یا شمع و چراغ ہو اور اگر نہ سورج ہو اور نہ شمع وغیرہ ہو تو اس آنکھ سے
کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح قلب کی نظر کا حال ہے کہ جبتک نور کی مدد اسکو نہ ملے تو اس سے کوئی شے نظر نہیں
آسکتی۔ اور نور سے مراد نور یقین و ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ شیخ رحمہ
کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ نور یقین سے قلب پر اشیاء کی حقائق اور جو چیزیں دل کی نظر سے
پہلے غائب تھیں منکشف ہوتی ہیں مثلاً اس نور یقین کے حاصل ہونے سے پہلے دنیا کا فنا ہونا اور آخرت کا

باقی ہونا اور طاعت کا نافع ہونا اور معاصی کا مہلک ہونا درجۂ علم اور اعتقاد میں تھا اور بعد اس نور یقین کے یہ علوم نظرِ قلب کے بالکل سامنے آگئے اور ان امور کا ایسا یقین ہوگیا جیسے آنکھ سے دیکھی شئی کا ہوتا ہے تو یہ انکشاف اور ظہور اس نور کی وجہ سے ہوا جیسا رات کے وقت تاریکی میں کسی کو یہ معلوم ہو کہ اس کمرہ میں فلاں فلاں شئی رکھی ہیں لیکن بوجہ چراغ یا سورج نہ ہونے کے آنکھ ان چیزوں کو دیکھ نہیں سکتی جب لالٹین آئی تو سب چیزیں صاف نظر آنے لگیں پس نور کا کام تو یہ ہوا کہ ان چیزوں کو کھول دے اور منکشف وظاہر کردے اور ان کا ادراک کرنا یہ دل کی نظر کا کام ہے اگر نظر ہے تو مدرک ہوں گی ورنہ نہیں جب ادراک صحیح ہوگیا اب اچھی شئی کی طرف بڑھنا اور بُری شئی سے روگردانی کرنا یہ دل کا کام ہے مثلاً دنیا کا فانی ہونا اور آخرت باقی رہنا مکشوف ہوا تو انکشاف تو نور سے ہوگا اور ادراک بصیرت باطنہ سے اور دنیا سے اعراض کرنا اور آخرت کی طرف بڑھنا یہ دل کا کام ہے اور جوارح واعضاء دل کے تابع ہیں جس طرف وہ بڑھے گا یہ بھی اسکے ساتھ ہیں۔

ظاہری مخلوقات کو اپنے آثار کے نور سے روشن کیا اور قلوب کے باطن کو اپنے اوصاف کے انوار سے منور فرمایا۔ اسلئے ظواہر کے انوار چھپ گئے۔ اور دل کی پوشیدگیوں کے انوار نہیں چھپے شاعر کہتا ہے ؎ خورِ نہار چھپے رات میں بلا انکار + دلوں کے مہر نہ غائب کبھی ہو لیل ونہار ف تمام مخلوقات چاند سورج ستارے وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدرت وحکمت کے آثار ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ کے آثار کے نور یعنی چاند سورج ستاروں سے ظاہری مخلوقات یعنی زمین وآسمان کو روشن فرمایا کہ چاند سورج ستاروں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو دیکھتے ہیں اور جو چیزیں ہم کو نافع ہیں ان کو اختیار کرتے ہیں اور جو مضر ہیں ان کو چھوڑتے ہیں اور دلوں کے باطن کو اپنے اوصاف جمال وجلال کے انوار سے منور فرمایا تو دلوں کے اندر دبی چھپے علوم ومعارف کے انوار سے عارفین کو کشوف ہوتے ہیں اور جو اوصاف باطنی ہیں ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ان میں جو اوصاف حمیدہ ہیں ان کو اختیار فرماتے ہیں اور جو مذمومہ ہیں ان کو چھوڑتے ہیں چونکہ زمین وآسمان کا دور حادث یعنی چاند سورج سے ہے اسلئے یہ انوار چھپ جاتے ہیں اسلئے کہ حادث کے اندر تغیرات ہوتے ہیں اور دل کے باطن کا نور حق تعالیٰ کی صفات

آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اسلئے یہ نور کبھی نہیں چھپتے ہاں اوصاف بشریہ کا غلبہ جب ہوتا ہے تو ان کا ادراک ضعیف ہو جاتا ہے۔ باقی نور میں کوئی فرق نہیں آتا ہے مقصود یہ ہے کہ عاقل وہ ہے جو باقی رہنے والی شے کو اختیار کرے اور فانی اور متغیر چیز کو چھوڑ دے۔

انوار کے طلوع ہونے کی جگہ عارفین کے قلوب اور اسرار ہیں ف معرفت اور علوم کے انوار کے طلوع ہونے کی جگہ عارفین کے دل اور دلوں کا باطن ہے کہ انکا دل بمنزلہ آسمان کے ہے جیسے سورج اور چاند کے طلوع ہونے کی جگہ آسمان ظاہری ہے اور ان کے قلوب کے انوار چاند سورج کے نور سے کہیں بڑھکر ہیں ماسوا اسلئے حدیث میں آیا ہے کہ اگر ادنیٰ مومن کا نور ایمان ظاہر کر دیا جائے تو مشرق سے مغرب روشن ہو جائے اور چاند سورج کا نور ماند پڑ جائے یا مٹ جائے۔ یہ حال تو ادنیٰ مومن کے نور کا ہے۔ عارفین کے انوار کا تو کیا پوچھنا ہے۔

اس نور یقین کی مدد جو عارفین کے قلوب میں ودیعت ہے اس نور سے ہے جو غیب کے خزانوں سے نازل ہوتا ہے ایک تو وہ نور قلب ہے جس سے موثر حقیقی تعالیٰ کے آثار مکشوف ہوتے ہیں دوسرا وہ ہے جس سے اسکے اوصاف کمال تجھ پر کھلتے ہیں۔ ف جو نور یقین عارفین کے قلوب میں ودیعت ہے اسکی مدد یعنی اسکی ترقی اور زیادتی اس نور سے ہوتی ہے جو غیب کے خزانوں سے نازل ہوتا ہے خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ عارف ہر وقت ترقی میں ہے اور اسکا نور ایمان بڑھتا رہتا ہے یعنی مراتب یقین کے بڑھتے رہتے ہیں اس لئے کہ یقین کے مراتب غیر متناہی ہیں اگر ہزار برس کی یا زیادہ کی عمر ہو تو مراتب یقین کے ختم نہ ہوں گے اور اس نور کو خزانہ غیب سے مدد ملتی ہے یعنی حق تعالیٰ کی صفات ازلیہ سے نور کا فیضان ان کے نور قلب کو ترقی دیتا رہتا ہے جس سے یقین بڑھتا رہتا ہے اور جو نور ان حضرات کے قلوب میں ودیعت ہے اسکی دو قسمیں ہیں ایک وہ نور ہے جس سے موثر حقیقی تعالیٰ شانہ کے آثار اس سے مکشوف ہوتے ہیں۔ یعنی مخلوق کے حالات اس سے معلوم ہوتے ہیں اسکو کشف صوری کہتے ہیں اور دوسرا وہ نور ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کے جلال و جمال کے اوصاف کھلتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا رحیم ہونا۔ قہار ہونا وغیرہ یہ نور تجلی صفات سے ہوگا اور اسکو کشف معنوی کہتے ہیں۔

خزائن غیب کے انوار میں سے ایک تو وہ انوار ہیں جنکو صرف ظاہر قلب تک پہونچنے کا حکم ملا
اور دوسرے وہ ہیں جنکو قلب کے وسط میں داخل ہونے کا حکم ملا **ف** عارفین کے قلوب پر خزائن غیب سے
معارف واسرار الٰہیہ کے انوار وارد ہوتے ہیں جن سے ان کے قلوب روشن ہوجاتے ہیں ان انوار
کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ انوار ہیں جنکو بارگاہ عالی سے صرف قلب کے اوپر کے حصہ تک پہونچنے کا حکم ملا
وہ تو ظاہر قلب ہی تک رہتے ہیں باطن قلب تک نہیں پہونچتے اور دوسرے وہ انوار ہیں جن کو قلب
کے اندر داخل ہونے کا حکم ہوا وہ اندر داخل ہوتے ہیں جو انوار ظاہر قلب تک رہتے ہیں انکا اثر یہ ہوتا ہے
کہ ان کے ذریعہ سے قلب اپنے نفس کا ادراک بھی کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی ہستی کا بھی اور دنیا و آخرت دونوں
قلب کے پیش نظر ہوتی ہیں غرض اغیار کا وجود رہتا ہے اور حالت سالک کی یہ ہوتی ہے کہ کبھی تو وہ
اپنے نفس کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی معیت ہوتی ہے اور کبھی آخرت کو چاہتا ہے کبھی دنیا کو اور جو
انوار قلب کے داخل ہوگئے ہیں اور جذر قلب میں پیوست ہوکر غالب ہوگئے ان کا اثر یہ ہے کہ سوائے
ذات حق کے کوئی شئے قلب کے پیش نظر نہیں ہوتی اس لئے سوائے اسکے کسی کو نہیں چاہتا اور سوائے
اس کے کسی کی بندگی نہیں کرتا اسی واسطے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ جب ایمان ظاہر قلب
میں ہو تو بندہ دنیا و آخرت دونوں کا محب ہوتا ہے اور کبھی اسکو حق تعالیٰ کیساتھ معیت ہوتی ہے
اور کبھی اپنے نفس کے ساتھ اور باطن قلب میں جب ایمان داخل ہوجاوے تو اسوقت دنیا کو چھوڑ دیتا
ہے۔ گاہے تجھ پر انوار وارد ہوتے ہیں اور تیرے دل کو گاؤ خر کے تصور سے بھرا ہوا پاتے ہیں تو پھر جس جگہ سے
آتے ہیں وہیں چلدیتے ہیں اغیار سے دل کو خالی کر اللہ تعالیٰ معارف اور اسرار سے اسکو پر کردے گا۔
ف جاننا چاہئے کہ انسان کا قلب لطیفہ قلبی ہے اور اس میں معارف و اسرار و انوار الٰہیہ کے منعکس
ہونے کی استعداد رکھی گئی ہے لیکن انسان کی توجہ اس دنیائے فانی اور اسکی زیب و زینت اور نیز
عوارض طبعیہ کی طرف ہوتی ہے اور متخیلہ میں ان اشیاء کی صورتیں منقوش ہوتی ہیں وہی صورتیں
دل کے آئینہ پر بھی منعکس ہوتی ہیں اور اس سے اسکی استعداد اصلی بہت کم ہوجاتی ہے اور مثل اُس
آئینہ کے ہوجاتا ہے جس پر گرد وغبار آکر انعکاس کی استعداد نہ رہے جب سالک ذکر و شغل کرتا ہے اور خلوت

وقلت کلام اور مخلوق سے مخالطت میں کمی کرتا ہے اور قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اسکا جلا ہوجاتا ہے اور منور ہوجاتا ہے اور استعداد اس میں انوار الہیہ کی ہوجاتی ہے بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر قلب کے اندر کچھ اشراق پیدا ہوتا ہے اور فی الجملہ استعداد انعکاس انوار کی ہوتی ہے اور انوار غیبیہ سے ایسے قلب کا تقابل ہوتا ہے تو انوار آتے ہیں لیکن چونکہ قلب کے اندر دنی حصہ میں گاؤخر یعنی دنیا کی چیزیں بہری ہوئی ہیں اسلئے وہ قلب ان انوار کو نہیں سما سکتا پس وہ انوار جہاں سے آئے تھے وہاں ہی واپس ہوجاتے ہیں اسلئے تم اپنے دل کو اغیار سے خالی کرلو اور اس آئینہ کا خوب تصفیہ کرلو اللہ تعالیٰ اسکو معارف و اسرار سے پر فرمادیں گے۔

قلوب اور اسرار کے انوار کی قدر سوائے عالم آخرت کے معلوم نہیں ہوسکتی جیسے آسمانی ستاروں کے انوار سوائے دنیا کے ظاہر نہیں ہوتے **ف** جیسے سورج چاند ستاروں کے انوار ظاہر ہونے کی جگہ دنیا ہے اسیطرح قلوب در باطن قلوب کے انوار کے ظہور کا مقام عالم آخرت ہے دنیا میں وہ سب کی نظر سے پوشیدہ ہیں اسی واسطے نہ ان کی قدر کوئی جانتا اور نہ ہر کسی کو علم ہے تو سالک عاقل اس بے قدری سے محزون نہ ہو اور نہ اس کی پرواکرے اسلئے کہ دنیا ان انوار کے ظہور کا محل ہی نہیں ہے تو اگرچہ یہاں ایسے حضرات زاویۂ خمول و گمنامی میں ہیں لیکن آخرت میں ان کے انوار چمکیں گے اور وہاں ان کی قدر ہوگی

پچیسواں باب باعتبار عادت طبعی اور تعلق اللہ تعالیٰ سے بندہ کے قریب ہونے کے بیان میں

اللہ تعالیٰ تک تیرا پہونچنا محض ذوقی اور وجدانی طریق سے نظر بصیرت کے ساتھ اس کے مشاہدہ تک پہونچنا ہے ورنہ ہمارا پروردگار اس بات سے کہ کوئی چیز اس سے متصل یا وہ کسی سے متصل ہو برتر اور بالاتر ہے **ف** خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ سے واصل ہونا اور وصول الی اللہ میسر ہونا۔ اسکے معنے ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہیں کہ بندہ اللہ سے اس طرح ملجاوے جیسے دو محسوس چیزیں آپس میں

ملتی ہیں اسلئے کہ اتصال اور انفصال اس معنے کے اعتبار سے خاصہ اجسام کا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک
اور برتر اور بالا ہے پس صوفیہ جس شے کو وصول کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ بندہ ذوقی اور وجدانی طریق سے نظر
بصیرت سے اپنے رب کا ایسا مشاہدہ کرے کہ جس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہ ہو اور ایسا یقین حاصل
ہو جیسے آنکھ سے دیکھی ہوئی شے کا ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر اسلئے کہ آنکھ بسا اوقات دیکھنے میں غلطی کرتی
ہے اور اس علم کے اندر اسکا بھی احتمال نہیں اور اسی کا نام مشاہدہ اور وصول اور تجلی اور فیض حقانی ہے
اور یہ مشاہدہ دائمی ہمہ وقت صفت لازمہ قلب کی ہو جاوے جیسے دیکھنا آنکھ کی صفت ہے

اگر یہ ہوتا کہ تو اس تک بجز اپنی خرابیوں کے نیست کرنے اور دعووں کے مٹانے کے کسی طرح
نہ پہونچ سکتا تو کبھی اس تک نہ پہونچ سکتا لیکن جب اسنے تجھکو اپنے تک پہونچانا چاہا تیرے وصف
کو اپنے وصف کے آغوش میں چھپایا اور تیری نعت کو اپنی نعت کے پردہ میں ڈھانکا پھر تجھکو ان الطاف کی
وجہ سے جو اس کی طرف سے تیری طرف متوجہ ہوئے نہ ان اعمال کیوجہ سے جو تیری طرف سے اسکی بارگاہ میں
پیش ہوئے اپنے تک پہونچایا **ف** جاننا چاہئے کہ وصول اور مشاہدہ جسکا ذکر پہلے ارشاد میں ہے یہ اسوقت
بندہ کو میسر ہوتا ہے کہ اُسکے نفس کی حالت ایسی ہو جیسے مردہ بیجان اور بے حس وحرکت ہوتا ہے کہ کوئی
غرض اور کوئی ارادہ وخواہش اور کوئی دعوی اور کوئی خلق ذمیم اسمیں نہ رہے بالکل دست حق
میں ایسا ہو جیسے مردہ بدست زندہ اور یہ امر بندہ کے اختیار میں نہیں ہے اور اگر حق تعالیٰ شانہ کے یہاں
یہ مقرر ہوتا کہ جب تک بندہ اپنے اختیار سے اپنی خرابیوں اور دعووں کو ریاضت اور مجاہدہ سے نہ مٹائیگا
تو ہم تک نہ پہونچ سکے گا تو کوئی واصل الی اللہ نہ ہوتا اسلئے کہ یہ خرابیاں نفس کے اندر جبلی ہیں ہاں جب
اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کسی بندہ کو اپنی بارگاہ عالی تک پہونچائیں تو اپنی صفات عالیہ کی تجلی
بندہ پر فرماتے ہیں اور اپنی صفات کو اسپر ظاہر فرماتے ہیں کہ جس سے بندہ کی صفات پوشیدہ
ہو جاتی ہیں اور اسکی ہی صفات کاملہ کا ظہور رہتا ہے تو بندہ کو اپنے الطاف ورحمت سے اپنے تک
پہونچاتے ہیں اور یہ الطاف ورحمت اسکی ہی طرف سے ہیں اور اس بندہ کے اعمال ومجاہدات سے
وصول نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی صفات رذیلہ اور دعوے محو نہیں ہوتے

ہیں بلکہ تجلی صفات الٰہیہ کی وجہ سے مغلوب اور لاشے کی طرح ہو جاتے ہیں لیکن بندہ کو ریاضت و مجاہدہ و اعمال سے چارہ نہیں اسلئے کہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جب بندہ مجاہدہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ کا فضل اسکے حال پر ہوتا ہے باقی اعمال و مجاہدہ و ریاضت علت نہیں ہیں اصل شئی فضل ہے تو اعمال صالحہ اور مجاہدہ میں کمی نہ کرے لیکن اعتماد محض فضل پر کرے اسلئے کہ اگر اپنے عمل پر اعتماد ہوا تو بھی اس سالک کو درگاہ سے روکنے والا ہے مقصود تو یہ تھا کہ اعتماد کسی شئے پر نہ رہے۔

تیرا قرب اس سے یہ ہے کہ اسکے قرب کا مشاہدہ کرے ورنہ تو کجا اور اسکا قرب کجا **ف** تمام صفات کمال کی حقیقتاً حق تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور بندہ کے لئے مجازاً منجملہ ان کے صفت قرب کی بھی ہے کہ اصل قرب اللہ تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ ہے چنانچہ ارشاد ہے اذا سألک عبادی عنی فانی قریب اور بندہ کو جو قرب مولیٰ سے ہوتا ہے اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ بندہ دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کے قرب کا مشاہدہ کرے اور اسکا اثر بندہ پر یہ ہوگا کہ وہ بندہ بارگاہ الٰہی کے اداب کی ہر آن رعایت رکھے گا۔ اور شریعت کے اتباع میں مستقیم ہوگا اور اگر قرب کے یہ معنی نہ ہوں بلکہ قرب کے اصلی معنے لئے جاویں کہ جیسے مخلوق میں باہم قرب ہے تو یہ وہاں نہیں ہو سکتا اسلئے کہ یہ قرب کی قسم خاصہ اجسام کا ہے حق تعالیٰ اس سے پاک ہے اور ایسے ہی قرب حقیقی (کہ جس کی کنہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) بھی بندہ کو حاصل نہیں کہ وہ خاص صفت حق تعالیٰ کی ہے۔

اسکی ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ متعلق ہو اور اپنی عبودیت کے اوصاف کے ساتھ حقیقتاً متصف ہو **ف** ربوبیت یعنی رب ہونے کے اوصاف و خواص حق تعالیٰ کی صفات کمالیہ ہیں جیسے قدرت غلبہ عزت۔ قوت۔ علم حکمت وغیرہا اور عبودیت یعنی بندہ ہونے کے اوصاف فقر عجز ذلت افلاس جہل وغیرہا ہیں اسکے بعد سمجھو کہ مخلوقات مع اپنی ذات و صفات کے حق تعالیٰ کی صفات کے آثار ہیں وجود حقیقی حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور دوسری اشیاء کے لئے وجود مجازی اور عاریتی ہے جیسے روشنی دراصل صفت آفتاب کی ہے اور دیوار کو مجازاً روشن کہا جاتا ہے۔ پس حقیقتاً کسی شئے کے اندر کوئی صفت اصلی نہیں ہے صفات حقیقیہ کے ساتھ صرف تعلق ہے کہ یہ اشیاء ان صفات کے آثار

ہیں لیکن انسان اس سے غافل ہو اور صفات کو اپنے لئے ثابت کرتا ہو چنانچہ سمجھتا ہے کہ میں موجود ہوں میں عالم ہوں میں غنی ہوں میں عزت والا ہوں حالانکہ موجود اور عالم اور غنی اور عزیز صرف ایک ذات ہے پس شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے مومن ربوبیت کے اوصاف کے ساتھ تیرا جس قسم کا تعلق ہو کہ جسکو تو بھول رہا ہو اسکو دیکھ اور جہل کو دور کر یعنی جن صفات کا تو دعویٰ اپنے اندر کر رہا ہو اسکو چھوڑ اور اپنے آپ کو اور اپنی صفات کو ان صفات کا اثر اور محض تابع جان نہ کہ حقیقتاً اور اصالتاً اور عبودیت کے اوصاف کے ساتھ حقیقتاً متصف ہو یعنی عبودیت کے اوصاف فی الحقیقت اپنے اندر دیکھ مثلاً عزت حقیقیہ کے مقابلہ میں اپنی ذلت کا معائنہ کر اور غنا کے مقابلہ میں اپنی فقیری پیش نظر رکھ اور قدرت کے مقابلہ میں اپنا عجز مشاہدہ کر اور علم حقیقی کے سامنے اپنے کو جاہل جان۔

جو چیز تیری نہیں دوسرے کی ہو اس کا دعویٰ تیرے لئے حرام کر دیا تو کیا اپنے وصف کا دعویٰ تیرے لئے مباح کر دیگا۔ حالانکہ وہ تمام عالم کا پروردگار ہے۔ **ف** پہلے ارشاد کے لئے یہ مضمون بمنزلہ دلیل کے ہے مطلب یہ ہے کہ جو شئی تمہاری ملک نہیں ہو بلکہ زید کی ملک ہو اسکا دعویٰ کرنا اور اسکو اپنا بتانا تمہارے لئے حرام فرمایا ہے۔ حالانکہ درحقیقت وہ زید کی ملک بھی نہیں زید کو مجازاً مالک کہا جاتا ہے حقیقی ملک سب اشیاء پر اللہ تعالیٰ کی ہے تو جب غیر کی ملک مجازی کے بھی تم مدعی نہیں ہو سکتے تو اپنے اوصاف ربوبیت جیسے عزت و غنا و قدرت و علم وغیرہ کا دعویٰ کرنا تمہارے لئے کیسے مباح کر دیگا حالانکہ وہی تمام عالم کا رب ہے اور رب ہونیکے اوصاف اسی ایک ذات کے ساتھ خاص ہیں پس مومن کو چاہئے کہ اپنی حد تک رہے اور تمام صفات کمالیہ کا موصوف ذات واحد کو مشاہدہ کرے اور اپنے آپ کو سب کمالات سے خالی دیکھے اور بھولکر بھی کسی صفت کا حتیٰ کہ وجود کا بھی اپنے لئے اثبات نہ کرے تاکہ شرک جلی و خفی سے رہائی ہو کر ایمان خالص نصیب ہو۔

تو اپنی عبودیت کے اوصاف میں پختہ ہو وہ اپنے اوصاف کیساتھ تیری امداد فرمائیگا تو اپنی ذلت میں پختہ ہو وہ اپنی عزت سے تیری اعانت کریگا۔ تو اپنے عجز میں پختہ ہو وہ اپنی قدرت سے تیری مدد کرے گا۔ تو اپنی ناتوانی میں پختہ ہو وہ اپنی طاقت قوت کیساتھ دستگیری فرمائیگا **ف** ارشاد سابق میں اپنے جملہ اوصاف

سے خالی ہونے کی ہدایت فرمائی تھی چونکہ نفس کو اپنے خیالی اوصاف سے بہت تعلق ہے۔ اپنی عزت اپنی
قدرت اپنی طاقت پر اسکو ناز ہے اور ان ہی اوصاف کے خیالات اور اوہام میں شب و روز مبتلا اور ان
باطل آرزوؤں سے متلذذ رہتا ہے اور ان سے خالی ہوجانے اور مثل مردہ کے ہوجانے کے نام سے بھی گھبراتا ہے
اور خیال ہوتا ہے کہ جب یہ اوصاف اور اسکے عملی مقتضیات چھوٹ جائیں گے تو کام کیسے چلیگا اور یہ کہنا
ہے کہ بس جی اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ خودکشی کرلو اور تمام دنیا کے سارے مزے چھوڑ دو اسلئے ارشاد ہے کہ
تم اپنی عبودیت کے اوصاف میں اگر پختہ ہوجاؤگے تو یہ نہیں ہوگا کہ حق تعالیٰ تمکو اسی حالت میں چھوڑ دے
اور تمہاری مدد نہ فرمائیں بلکہ پہلے تو تم اپنے وہمی اوصاف کی مدد سے کام لیتے تھے اور بسا اوقات ناکام
رہتے تھے اور جب تم ان اوصاف وہمیہ سے خالی ہوجاؤگے تو اللہ تعالیٰ اپنے اوصاف حقیقیہ سے تمہاری
مدد فرمائیگا آگے اس مضمون کی چند مثالیں بیان فرماتے ہیں تم اپنی ذلت اصلیہ میں پختہ ہوجاؤ یعنے
اپنی جاہ اور عزت جو تمہارے دماغ اور قوت وہمیہ میں سمائی ہے اسکو بالکل ملیامیٹ کردو اور ذلت
(جوکہ تمہارا اصلی امر ہے) اُس سے سر سے پا تک رنگین بنجاؤ اللہ تعالیٰ اپنی صفت عزت و غلبہ سے تمہاری
مدد فرمائیگا اور اسوقت تم کو عزت و غلبہ اُسکی صفت حقیقیہ سے حاصل ہوگی اور وہ ہی سچی عزت ہے
کہ جسکو فنا نہیں ہے اسلئے کہ اس کا مبدا حق تعالیٰ کی صفت ہے اور تم نے جسکو عزت خیال کر رکھا تھا وہ
فی الواقع عزت ہی نہ تھی بلکہ تمہارا وہم تھا اسی طرح اپنی صفت عجز کے اندر پختہ ہوجاؤ کہ سراپا عجز بنجاؤ۔
اپنے اندر قدرت ہونیکا وہم بھی نہ کرو اور یہ جو تمہارے دماغ میں اپنا قادر ہونا اور طاقت ور ہونا آرہا ہے
اسکو نکالدو ادنیٰ سے ادنیٰ کام کی بھی اپنے اندر بغیر مدد الٰہی کے طاقت نہ جانو جب اس میں تم
پختہ ہوجاؤگے تو وہ اپنی قوت سے کہ در اصل قوت وہی ہے اس سے تمہاری مدد فرمائیگا پھر
تمہاری قوت کی کوئی انتہا نہ ہوگی اور دنیا کا کوئی قوی سے قوی بھی تمہارا مقابلہ نہ کرسکے گا اسی طرح تم اپنے
ضعف و ناتوانی میں پختہ ہوجاؤ کہ بغیر امداد الٰہی کے اٹھنے اور بیٹھنے کی توانائی اپنے اندر نہ دیکھو تو وہ
اپنی طاقت کاملہ سے تمہاری اعانت فرمائیگا پس تم اپنے ان اوصاف سے خالی ہوجانے کے تصور سے
پریشان نہو اور یہ نہ سمجھو کہ ہمارا کام کس طرح بنے گا بلکہ پہلے سے بہت اچھا بنے گا ؎ نیم جاں بستاند و صد جاں

جاں دہد۔ انچہ در دہمت نیاید آں دہد ۔

تجھکو اپنے نفسانی صفات سے بجز مشاہدہ صفات کاملہ مولیٰ حقیقی تعالیٰ کے کوئی چیز نہیں نکال سکتی **ف** نفسانی صفات وہ ہیں کہ نفس جن صفات کے ہونے کا اپنے اندر وہم کر رہا ہے جیسے اپنے آپ کو کسی سے کسی صفت میں بڑا سمجھنا اور دوسرے کو کم جاننا یا اپنے کو غنی یا قدرت والا یا علم والا جاننا حتیٰ کہ اپنے آپ کو موجود مستقل جاننا یہ سب صفات نفس کی ہیں اور یہ سب صفات موہوم ہیں۔ ان کا وجود واقعی نہیں ہے اور جب تک یہ رہتی ہیں بندہ حضرت قدس میں باریابی نہیں پاسکتا اور یہ صفات عبادت و ریاضت سے نہیں نکل سکتیں بلکہ مولیٰ حقیقی اپنے فضل سے اپنی صفات کی تجلی بندہ پر فرما دیں اور نفس کو حقیقی صفات کا مشاہدہ ہو اسوقت اپنی ان صفات موہومہ سے اسکی نظر علیحدہ ہو جاتی ہے مثلاً حق تعالیٰ کی عظمت کبریائی کی صفت کا نفس کو اعتقاد تو ہے مگر یہ اعتقاد اسکے کبر کو نہیں نکال سکتا جبتک کہ صفت کبریائی کا عکس اسکے اوپر نہ پڑے جب اس صفت کی تجلی ہو اور حال کا درجہ میسر ہو اسوقت کبر نکلجاتا ہے۔ اسی طرح جب حق تعالیٰ کی صفت قدرت کا مشاہدہ ہوگا تو اپنا عجز پیش نظر ہوگا اور علم کی صفت کا جب مشاہدہ کریگا تو اپنا جاہل ہونا اسکو ثابت ہوگا اور ہستی حق جب مشاہدہ ہوگی تو اپنی ہستی و وجود موہوم کو بھولیگا۔ غرض صفات کاملہ کے مشاہدہ کے بعد نفس مضمحل ہو جاتا ہے اور بندہ کو معیت اپنے رب کی نصیب ہوتی ہے۔

عالم سفلی تجھکو باعتبار تیری جسمانیت کی سما سکتا ہے اور تیری روحانیت کے اعتبار سے تجھکو نہیں سما سکتا۔ **ف** حاصل ارشاد کا یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے جسم اور روح جسم تو اس عالم کی شے ہے اور روح لطیفۂ غیبی ہے اور عالم غیب کی شے ہے لیکن روح کو اس جسم کے ساتھ تعلق ہے تو جسم چونکہ اس عالم کی شے ہے اسلئے اس عالم کی چیزوں سے اس کا بقا ہے مثلاً کھانا پینا وغیرہ اور روح اُس عالم کی شے ہے اسلئے اسکی قوت اور بقا اس عالم کی چیز سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ذکر و طاعت سے ہوگی۔ پس انسان کو جسمانیت کے اعتبار سے یہ عالم سما سکتا ہے اور روحانیت کے اعتبار سے نہیں سما سکتا اسلئے کہ روح میں اور اس عالم میں کوئی مناسبت ہی نہیں اور یہ عالم اسی شے کو سما سکتا ہے جس کو اس سے مناسبت ہو روح کے لئے یہ عالم بمنزلہ قیدخانہ کے ہے پس اگر انسان بالکلیہ اس عالم

فانی مشغول ہو گیا تو روح اول اول تو گھبرائے گی اور بتدریج اس کی قوت کم ہوتے ہوتے بہت
ضعیف ہو جائے گی اسکو تو محض جسم کے ساتھ تعلق ہی سوہان کا کام دے رہا تھا اب جبکہ تمام تر توجہ اس
ہی کے موٹا کرنے میں انسان کی ہو گئی اور روح کو قوت نہ دی تو اور بھی ضعیف ہو جائے گی پس مومن کو
لازم ہے کہ اس عالم سے صرف اسقدر حصہ لے کہ اسکے جسم کو قائم رکھ سکے اور جسم کے لئے تدبیر اور فکر خود
کچھ نہ کرے اسلئے کہ مولیٰ تعالیٰ نے خود اسکے قائم رکھنے کی کفالت فرمائی ہے پس اس سے بے فکر ہو کر
تمام تر توجہ روح کی تقویت کی طرف کرے اور جسم کے تعلق کی وجہ سے جو کدورات اسکو لاحق ہو گئی ہیں اُن
کو ذکر و طاعت و مجاہدہ سے دور کر کے اسکو اس جسم سے خلاصی تام دے تاکہ ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو

خصوصیت کے ثبوت سے بشری اوصاف کا معدوم ہونا لازم نہیں خصوصیت کی مثال
دن کی دھوپ ہے کہ افق میں ظاہر ہوتی ہے اور اسکی خانہ زاد نہیں ہے اسی طرح اسکے اوصاف کی شعاعیں کبھی
تیرے وجود کی شب تاریک پر چمک جاتی ہیں اور کبھی تجھ سے روک دی جاتی ہیں۔ پھر تجھکو تیرے اصلی
اوصاف کی طرف لوٹا دیتا ہے تو روشنی تیری ذاتی نہیں لیکن حضرت سبحانہ تعالیٰ سے تجھ پر وارد ہے
ف جاننا چاہئے کہ حضرات اولیاء اللہ کے اوصاف عالیہ دو قسم کے ہیں بعض اوصاف تو ان کی ذات
کو لازم ہیں مثلاً اخلاق مذمومہ کبر عجب حقد وغیرہ سے خالی ہونا اور افتقار الی اللہ و تواضع و خشوع و
دوام ذکر وغیرہ سے آراستہ ہونا یہ تو ہر آن اور ہمہ وقت اُن کو لازم ہیں اور اوصاف بشری جیسے عجز
ضعف کسی صدمہ یا واقعہ سے متاثر ہونا وغیرہ۔ ان اوصاف کی یہ صورت ہے کہ جسوقت اُن پر اوصاف
الٰہیہ کی تجلی کا غلبہ ہوتا ہے تو ان اوصاف بشریہ کا ظہور مغلوب ہو جاتا ہے اور اُن سے ایسے امور عظیمہ کا ظہور
ہوتا ہے کہ دوسروں سے نہیں ہو سکتا مثلاً صفت علم کی تجلی ہو گی تو ایسے ایسے علوم کا ظہور اُن کی ذات سے ہو گا
کہ دوسرے علماء حیران ہونگے کہ یہ علوم کہاں سے ان کے پاس آئے۔ یا مثلاً صفت قدرت کی تجلی
ہو گی تو اسکے مناسب آثار ظاہر ہوں گے اور جسوقت تجلی اوصاف کا غلبہ نہ ہو گا تو وہ اوصاف بشریہ
موجود ہیں چنانچہ ان حضرات کے قصے اسی طرح کے ہیں کہ بعض وقت تو بہت دور دراز کی بات جو نظر دل
کے سامنے نہیں ہے بیان فرما دیتے ہیں اور کبھی پاس کی بھی خبر نہیں ہوتی سعدی گفتہ بر طارم اعلیٰ نشینم

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم + پس شیخ کے کلام میں لفظ خصوصیت سے مراد یہ آثار عظیمہ ہیں کہ کبھی
کبھی ان کا ظہور ہوتا ہے خلاصہ ارشاد کا یہ ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کے اوصاف خاصہ خاصہ
اسلئے کہ بشری اوصاف میں وہ اور دوسرے برابر ہیں) کے ثبوت سے بشری اوصاف کا معدوم
ہوجانا ضروری اور لازم نہیں ہے یعنی تجلی کے غلبہ کے وقت جو انپر حالت ہوتی ہے اس سے یہ لازم
نہیں کہ اوصاف بشری بالکل زائل ہوجائیں۔ ہاں ان کا ظہور اسوقت تک نہیں ہوتا اُن کی اس
حالت کی مثال دہوپ کی سی ہے کہ جو آفاق میں ظاہر ہوتی ہے جس سے تمام اُفق روشن ہوجاتا ہے۔
اور ظاہر نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ روشنی اسکا ذاتی امر ہے حالانکہ وہ روشنی اُس کی خانہ زاد اور ذاتی
نہیں اسی طرح کبھی کبھی حق تعالیٰ کی صفات علیہ کی شعاعیں ان حضرات کے وجود خاکی کی رات
پر چمک جاتی ہیں تو اسوقت آثار خاصہ کا ظہور ہوتا ہے کہ اُن کی قوت علم۔ قدرت۔ سمع بصر سے
ایسے آثار ظاہر ہوتے ہیں کہ دوسروں سے نہیں ہوسکتے اور جب وہ تجلی کی شعاعیں روک دیجاتی
ہیں تو پہر ان حضرات کو بشری اوصاف کی طرف واپس کر دیا جاتا ہے جیسے اور ہیں ویسے
ہی وہ بہی نادان عاجز ضعیف مرض میں گھبرانے والے صدمات سے متاثر ہونیوالے بھوک پیاس
سے مضطر ہوجانے والے نظر آتے ہیں پس یہ تجلی کا نور اُن کا ذاتی اور لازمی اور اختیاری امر نہیں
حضرت حق سے کبھی کبھی ان پر وارد ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ بہی معلوم ہوگیا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال
ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور وصول اسوقت میسر ہوتا ہے کہ اوصاف بشریہ بالکل زائل ہوجاویں۔
ربوبیت کے اوصاف بندہ کے اندر ثابت ہوجاویں یہ بالکل غلط اور گمراہی ہے بہت لوگ اس خیال
سے شرک کے اندر مبتلا ہیں اور اولیاء کو صفات خاصہ باری تعالیٰ میں شریک ٹہراتے ہیں نعوذ
باللہ منہ۔ دیکھو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض وقت بعض واقعات کا علم نہ ہوا جیسے قصہ افک
میں اور بھوک کی شدت سے شکم مبارک پر پتھر باندہا اور کسی وقت ہزاروں کو خود کہانا کہلاتے
تھے اور دور کے واقعات بیان فرما دیتے تھے اور اولین و آخرین کے علوم ظاہر
فرما دیتے تھے۔

چھبیسواں باب مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے اور اشیائے تعریف اور دلالت کے طور پر اسکے ظہور کے بیان میں

تمام مخلوقات تاریکی ہے اور اسمیں حق کے ظہور نے اسکو منور کر رکھا ہے تو جس نے مخلوقات کو دیکھا اور اسمیں یا اسکے قریب یا اُس سے پہلے یا اس سے پیچھے حق سبحانہ کا مشاہدہ نہ کیا تو اُس کی نظر بصیرت سے انوار کا وجود فوت ہو گیا اور معارف کے آفتاب آثار کے بادلوں میں اُس سے چھپ گئے۔

ف جاننا چاہیے کہ وجود یعنی ہستی نور اور عدم یعنی نیستی ظلمت اور تاریکی ہے اور تمام مخلوقات اپنی ذات کے اعتبار سے عدم محض ہیں یعنی مخلوقات کو صرف ان کی ذات کے اعتبار سے اگر دیکھا جاوے تو کوئی شئی نہیں۔ حق تعالیٰ کے صفات کے ظہور نے ان کو وجود بخشا ہے اور منور فرمایا ہے اسی وجہ سے یہ چیزیں وجود کے نور سے روشن و موجود نظر آتی ہیں پس فی الواقع موجود حقیقی ذات واحد ہے۔ اور دیگر مخلوقات کا وجود اُسی کا فیض ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مخلوقات کے اندر وجود کی صفت ان کی خانہ زاد اور ذاتی نہیں ہے اسکے بعد سمجھنا چاہیے کہ جن حضرات کی نظر بصیرت حقیقت بیں ہو گئی ہے اُن کے مشاہدہ کی صورتیں مختلف ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی نظر جب مخلوقات پر پڑتی ہے تو اس سے پہلے خالق کا مشاہدہ کرتے ہیں یعنی تجلی حق کے غلبہ سے مخلوق ان کی نظر سے غائب ہے اول اُن کی نظر خالق پر ہوتی ہے اور اس سے استدلال کر کے مخلوق پر نظر ہوتی ہے اور بعض کی نظر اول مخلوق پر ہوتی ہے اور اس سے استدلال کر کے خالق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بعض کے لئے مخلوق اسکے جمال وجلال کا آئینہ بنا دیا گیا ہے وہ مخلوق کے اندر یا مخلوق کے ساتھ خالق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جسکو مخلوق کے دیکھنے سے خالق کے مشاہدہ کی کوئی قسم میسر نہ ہو اور نظر صرف مخلوق ہی تک رہی ہے اور آگے نہ بڑھی ہو اسکو نور معرفت کا کوئی حصہ نہیں ملا اور معرفت کے اسرار جن کی روشنی مثل آفتاب کے ہے مخلوقات ظاہری کے بادلوں سے اُسکے لئے چھپ گئے باقی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مشاہدہ کی قسمیں اور انکی

پوری حقیقت و تفصیل. ذوقی و وجدانی امر ہے

حق سبحانہ کا تجھکو اپنے مشاہدہ سے ایسی چیز کیساتھ محجوب کرنا جو اسکے ساتھ موجود نہیں ہے اسکے قہر و غلبہ کی بڑی دلیل ہے۔ ف پہلے گذر چکا ہے کہ وجود حقیقی صرف ذات وحدہ لا شریک لہ کا ہے۔ اور ما سوا اسکے سب حقیقتاً معدوم ہیں اسلئے کہ اگر وجود میں کوئی اور شریک ہو تو یہ توحید کے خلاف ہے اسکے بعد سمجھنا چاہیئے کہ کوئی شے دوسری شے سے پردہ اور حجاب میں اسوقت ہوا کرتی ہے جبکہ ان دونوں چیزوں میں کوئی تیسری شے حائل ہو مثلاً آفتاب ہماری نظروں سے اسوقت غائب ہوگا کہ ابر یا افق اسکے اور ہمارے درمیان میں حائل ہو اور اگر کوئی شئی درمیان میں نہ ہو تو آفتاب ہمکو ضرور نظر آوے گا پس شیخ رح کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ دیکھو خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت اور اسکے قہر و غلبہ کی یہ بڑی دلیل ہے کہ مخلوق کو اپنے دیکھنے سے ایسی چیز کے ساتھ محجوب کر دیا اور روکدیا کہ جسکا حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہے بلکہ معدوم محض ہے اور وہ شے یہی مخلوقات ظاہرہ ہیں کہ لوگوں کی نظر بس انہیں پر ہی ٹھہر جاتی ہے حالانکہ یہ معدوم محض ہیں اور جو موجود حقیقی ہے اس تک نظر نہیں جاتی حالانکہ جب کوئی شے درمیان میں حائل نہیں ہے تو عقلاً مشاہدہ موجود حقیقی کا ہونا چاہیئے لیکن حق تعالیٰ کی قدرت اور قہر و غلبہ کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ کوئی چیز درمیان میں نہیں ہے اور پھر اپنے مشاہدہ سے لوگوں کو حجاب میں کر دیا۔ آگے شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون پر دلائل متعددہ ذکر فرماتے ہیں کہ مخلوقات حق تعالےٰ کی ذات پاک کا پردہ اور حجاب عقلاً کسی طرح نہیں ہو سکتی۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اسکے مشاہدہ کی آڑ ہو جاتے حالانکہ ہر ایک چیز کو عدم کی تاریکی سے اسی نے ظاہر فرمایا ہے۔ ف یہ بات کیسے ہو سکتی ہے اور کیسے خیال میں آسکتی ہے کہ کوئی شئی مخلوقات میں سے حق تعالیٰ کے مشاہدہ کو روکدے اور اس کی آڑ بنجاوے حالانکہ اسی نے تو ہر شئی کو عدم کی تاریکی سے نکالکر وجود کا نور بخشا ہے پھر وہ ہی شئی اسکی چھپانیوالی کیسے بن سکتی ہے۔ دیکھو آفتاب سے دنیا کی ہر شئی روشن اور منور ہے پھر وہی منور سے بحیثیت نورانی ہونے کے آفتاب کا حجاب اور اسکا ساتر کیسے بنسکتی ہے یہ کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شئی اسکے مشاہدہ کا پردہ ہو جائے حالانکہ وہ ہر ایک چیز کے

ساتھ ظاہر ہے ف کوئی شے اسکے مشاہدہ کو کیسے روک سکتی ہے حالانکہ وہ ہی ہر شی سے ظاہر ہے یعنی
ہر شے اسکے وجود پر دال ہے پھر جو شے کسی چیز کی دلیل ہوتی ہے وہ اس کی ساتر اور حاجب کیسے بن سکتی
ہے وہ تو اسپر دلالت کرنیوالی ہے نہ کہ مخفی کر دینے والی۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شی اسکے مشاہدہ کو روکدے حالانکہ ہر ایک چیز میں اُس کا
جلوہ ظاہر ہے ف جاننا چاہیئے کہ تمام مخلوقات حق تعالی کے اسماء وصفات کے آثار ہیں اور ہر شے
کے اندر اُس کی صفات چمک رہی ہیں ذی حیات شی اسکے اسم محیی کا جلوہ ہے اور میت اُسکے اسم
ممیت کا مظہر ہے اور عالم کے اندر اسکی صفت علم ہویدا ہے اہل عزت کے اندر اُسکے نام معز
کا اثر ہے۔ غرض جس شے پر نظر پڑیگی اور جس شی کی طرف جاوےگا وہ اسی کی صفات کا
مظہر نظر آوے گی۔ پس وہ کونسی شے ہوئی جو اس کی آڑ بن جاوے اور اسکے مشاہدہ کو روکدے

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شی اُسکے مشاہدہ کو حاجب ہوجاوے حالانکہ ہر ایک چیز
کے لئے اسکی تجلی ظاہر ہے ف جاننا چاہیئے کہ تجلی حق ہر شی پر ہے اور ہر شے کو بقدر اسکی تجلی کے اُس
کی معرفت ہے اسی وجہ سے ہر شے اُسکی پاکی بیان کرنیوالی ہے اور اسکے حکم کے سامنے سر جھکانیوالی
ہے۔ گو اس کی تسبیح اور طاعت کو ہم نہ سمجھیں پس جب وہ ہر شے کے لئے متجلی ہے تو کوئی شے
اسکے مشاہدہ کو کیسے روک سکتی ہے۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شی اُسکی آڑ بن جائے حالانکہ تمام موجودات کے وجود سے
بیشتر وہ ظاہر ہا ہر ہے ف کوئی شے اسکی آڑ اور حجاب کیونکر بن سکتی ہے حالانکہ تمام موجودات کے
وجود سے پہلے وہ ظاہر ہے یعنی ظہور اسکی صفت ازلی ابدی ہے مخلوق کے وجود سے پہلے بھی ظہور
کی صفت تھی۔ اور بعد میں بھی ہے اور مخلوق کا ظہور خود اُسکے اسم ظاہر کا پرتو ہے پھر کوئی شی کیسے
اُس کی حاجب ہوسکتی ہے۔

کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اُسکے مشاہدہ کو مانع ہو حالانکہ وہ سب سے زیادہ ظاہر ہے
ف پہلے آچکا ہے کہ مخلوقات درحقیقت معدوم ہیں اور وجود حقیقی باری تعالی ہی کے لئے ہے اور

یہ ظاہر ہے کہ وجود عدم سے زیادہ ظاہر ہے پس حق تعالیٰ کا ظہور مخلوقات سے زیادہ ہے اور ظہور اسکے لئے حقیقتاً ثابت ہے اور مخلوق کے لئے مجازاً و تبعاً اور ظہور ذاتی ظہور عرضی سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور شدۃ ظہور ہی کے سبب سے عقول اُسکا ادراک نہیں کر سکتیں جیسے موش کور اپنی ضعف بصارت کی وجہ سے آفتاب کی روشنی کا ادراک نہیں کر سکتی تو اس سے دن کی روشنی کا ظہور کم نہ کہا جاویگا۔

کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز اسکے لئے حجاب ہو سکے حالانکہ وہی اکیلا ہے اسکے ساتھ کوئی موجود نہیں۔ ف کوئی شئی اُسکا حجاب کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ وجود اسی ایک پاک ذات کا ہے اور ماسوا اسکے سب حقیقتاً معدوم ہیں پس جب کوئی شئی سوائے اس کی ذات کے موجود نہیں ہے تو کوئی شئے کیسے اسکا حجاب بن سکتی ہے۔

کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز اُسکے لئے حجاب ہو سکے حالانکہ ہر چیز کی نسبت تجھسے زیادہ قریب ہے ف حق تعالیٰ کا ارشاد ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنی ہم انسان کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں پس جب وہ ہم سے ہماری جان جو سب سے زیادہ ہمارے قریب ہے اس سے بھی زیادہ قریب ہے تو کوئی دوسری شے اُس کی آڑ کیسے بن سکتی ہے اگر آڑ ہے تو ہمارا وجود ہے۔ ؎ میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست ✦ تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز ✦

کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ کوئی شئی اسکے لئے حجاب ہو سکے۔ حالانکہ اگر وہ نہ ہوتا تو کسی چیز کا وجود نہ ہوتا۔ ف جبکہ ہر شے کا وجود اسی کی ذات پاک سے ہے اور اگر وہ نہ ہوتا تو کسی چیز کا وجود نہ ہوتا تو کوئی شئی کیسے اُسکا حجاب بن سکتی ہے۔

اے لوگو تعجب ہے عدم میں وجود کیونکر ظاہر ہوا اور قدیم کے ساتھ حادث کس طرح ثابت رہ سکے ف تعجب کی بات ہے کہ سوائے اسکی ذات پاک کے جب سب باطل اور عدم محض ہیں اور وجود اسی کا ہے تو عدم میں وجود کا ظہور کیونکر ہو اسلئے کہ وجود اور عدم تو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں پھر انکا اجتماع کیسے ہو سکتا ہے اور تعجب ہے کہ قدیم کے ساتھ حادث کیسے ٹھہر سکتا ہے اسلئے کہ قدیم حق ہے اور حادث باطل ہے اور حق کے وجود کے ساتھ باطل کہاں رہ سکتا ہے چنانچہ ارشاد ہے قل جاء الحق وزھق

الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ اور ارشاد ہے کل شئی ھالک الا وجھہ۔ اور لبید شاعر کا قول ہے جسکی تصدیق حضرت نبویہ سے ہو چکی ہے ع الا کل شئ ما خلا اللہ باطل + حکم کے شارح لکھتے ہیں کہ اگر اس کتاب میں کوئی مضمون سوائے اس مضمون کے نہ ہوتا تو یہی کافی شافی تہا

حق جل و علا حجاب میں نہیں ہے صرف تو اپنی نفسانی صفات کیوجہ سے اسکے مشاہدے سے روکا گیا ہے کیونکہ اگر کوئی شی اسکے حجاب کے لئے ہوتی تو اسکو ڈہانپتی اور اگر اسکے لئے کوئی ڈہانپنے والی

چیز ہوتی تو اُسکے وجود کو احاطہ کرتی اور ہر ایک احاطہ کرنیوالی شے غالب ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالے سب پر غالب ہے ف حق تعالیٰ شانہ اپنی ذات وصفات سے ظاہر ہے اور اُسکا جلال و جمال ہر شے اور ہر جگہ روشن ہے کسی نوع سے وہ پردہ میں نہیں ہے پس روک اور پردہ اُدہر سے نہیں یہ غفلت اور حجاب مخلوق کی جانب سے ہے کہ بصیرت باطنیہ کے سامنے نفسانی صفات حائل ہو رہی ہیں تو اگر اُسکا جلال و جمال مشاہدہ کرنا چاہو تو مجاہدہ و ریاضت و اعمالِ صالحہ ذکر و شغل و اتباع شیخ کامل سے ان صفات نفسانی کے پردہ کو اٹہا دو دیکھو پہر تمکو سوا سے حق کے کچھ بہی نظر نہ آئے اور اُدہر سے حجاب کیسے ہو سکتا ہے اسلئے کہ اگر کوئی شی اسکے لئے پردہ اور حجاب ہو تو وہ شے اسکو ڈہانپے گی۔ اور جو چیز ڈہانپنے والی ہے وہ جس چیز کو ڈہانپتی ہے اسکے لئے محیط ہوتی ہے جیسے چادر زید کو اپنی احاطہ میں لیتی ہے اور احاطہ کرنیوالی شے غالب ہوتی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو شے خدا تعالےٰ کی حجاب اور پردہ ہو وہ اُسکو محیط ہو اور اُسپر غالب ہو اور وہ اسمیں سما جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب اور ہر شے کے لئے محیط ہے۔

نور عقل اور علم الیقین تجہ کو اُسکے قرب کا مشاہدہ کراتا ہے اور نور علم اور عین الیقین اُسکے وجود کے سامنے تجہ کو تیرا عدم مشاہدہ کراتا ہے اور نور حق اور حق الیقین صرف اسکے وجود کا مشاہدہ کراتا ہے نہ تیرے وجود کا نہ تیرے عدم کا ف سالک جب طلب مولیٰ میں مشغول ہوتا ہے اور تمام طاعات بجالاتا ہے اور ذکر لسانی و قلبی حسب ہدایت شیخ کامل کے کرتا ہے تو اُسکے کشود کار اور قلب کی کشادگی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسکو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ایک نور قلب میں القا فرماتا ہے کہ جس کو نور عقل اور

علم الیقین کہتے ہیں کہ اس نور سے سالک اپنے رب کا قرب مشاہدہ کرتا ہے یعنی اُسکے قلب کو ذوقی و وجدانی
طریقہ سے یہ امر ہر وقت پیش نظر ہوتا ہے کہ میں اپنے مولے حقیقی کے سامنے حاضر ہوں اور اسکا اثر یہ ہوگا
کہ نفس کی طاعت سے سرکشی جاتی رہے گی اور اُسکی کدورات و اخلاق ذمیمہ کا غلبہ مٹ جائیگا اور
حیا کا غلبہ ہوگا اور منہیات سے پرہیز اور اوامر کی بجا آوری میں مستعد ہو جائیگا جب اس حالت کا
رسوخ ہو جاتا ہے تو اسکے بعد دوسرا نور قلب میں حق تعالیٰ عطا فرماتا ہے کہ اسکو نور علم اور عین الیقین بھی
کہتے ہیں اس نور سے سالک سوائے حق تعالیٰ کے سب کو اور اپنے نفس کو معدوم اور لاشی دیکھتا ہے یعنی
پہلے نور کے بعد تو حالت یہ تھی کہ سالک اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سامنے حاضر دیکھتا تھا جس سے یہ نکلا
کہ اپنا وجود سالک کی نظر کے سامنے تھا اور اس نور کے بعد یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اپنا اور ہر شی کا عدم
اور ذات واحد کا وجود نظر کے سامنے ہوگا اس مشاہدہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے کسی شی پر سہارا
اور اعتماد اسکو نہیں ہوتا اور نہ مخلوق کی طرف التفات ہوتا ہے اس مقام پر پہونچکر تفویض اور توکل
اور رضا بر قضا اور تسلیم کا درجہ بندہ کو نصیب ہوتا ہے اسکے بعد تیسرا نور قلب میں آتا ہے اسکو نور حق اور
حق الیقین کہتے ہیں اس نور سے سالک صرف ذات مقدسہ کا مشاہدہ کرتا ہے اپنا اور کائنات عالم کا
نہ موجود نظر میں ہوتا ہے اور نہ عدم یعنی اس نور سے پہلے اپنا اور ہر شے کا معدوم ہونا پیش نظر تھا جس سے
یہ نکلتا ہے کہ اپنا علم ابھی تک نفس کو ہے گو اس اعتبار سے ہے کہ میں معدوم ہوں اور ابھی تک فنا تام
میسر نہیں تھا فنا ناقص تھا اسلئے کہ اپنے فانی اور معدوم ہونے کا علم بھی پردہ ہے فنا کامل یہ ہے کہ
فنا ہو اور اس فنا ہونے کا علم بھی نہ ہو یہ اس تیسرے نور کے بعد میسر ہوگا کہ اسوقت سالک نہ اپنے
نفس کو موجود دیکھتا ہے نہ معدوم محض حق کے مشاہدہ میں محو ہوتا ہے اور کائنات عالم کا نہ اثباتاً نظر
میں رہتی ہے نہ نفیاً۔ یہ فنا کامل ہے اسکے بعد پھر بقا کا مرتبہ ہے یعنی اس مقام سے اسکو التفات الی الخلق
کی طرف واپس کیا جاتا ہے جسکا کچھ بیان پہلے گذر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تہا اور کوئی چیز اُسکے ساتھ نہ تھی اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تہا

ف اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اسلئے کہ قدیم ہے۔ مخلوقات کے ظہور سے پہلے جیسا واحد و یکتا تہا اور کوئی شی

وجود میں اسکی شریک نہ تھی وہ اسوقت بعد ظہور مخلوقات کے بھی اسی صفت پر ہے یعنی وحدہٗ لاشریک لہٗ
ہے کوئی وجود میں اسکا شریک نہ پہلے تھا نہ اب ہے مقصود یہ ہے کہ فنا کامل جس صاحب دولت
کو میسر ہو اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ سوائے مولے کے کسی شی کو اسکے ساتھ نہیں دیکھتا نہ اپنے نفس
کو اور نہ کسی اور کو تو اس فنائے کامل کے بعد جو اسکی یہ حالت ہوئی ہے کہ سوائے مولے کے کسی
کو نہیں دیکھتا تو یہ بات نہیں کہ اللہ تعالی کے لئے یہ صفت اب ثابت ہوئی ہے وہ ہمیشہ سے ایسا
ہی ہے لیکن یہ سالک حجاب میں تھا اسلئے اسکے ساتھ دوسری شے دیکھتا تھا اب وہ حجاب دور
ہو گیا اسلئے ادراک اسکا صحیح ہو گیا۔

بڑا سخت تعجب ہے کہ جس ہی کسی طرح جدا نہیں ہو سکتا اس سے بھاگتا ہے اور جسکے ساتھ کسی طرح
نہیں رہ سکتا اسکو طلب کرتا ہے فی الحقیقت آنکھیں اندھی ہوتیں۔ بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں۔ جو
سینوں میں ہیں ف بڑے تعجب کی بات ہے کہ انسان اپنے مولی حقیقی سے کسی وقت اور کسی
طرح جدا نہیں ہو سکتا جدائی محال ہے تو یہ ایسی ذات سے بھاگتا ہے یعنی اپنے نفس کا اتباع کرتا ہے
اور جو اعمال مولی سے اسکو قریب کریں اُن کو چھوڑتا ہے اور جس شی کے ساتھ کسی طرح باقی نہیں
رہ سکتا یعنی دنیا اور نفس اسکو طلب کرتا ہے اور یہ سخت حماقت ہے حقیقت میں ان لوگوں کی
آنکھیں تو اندھی نہیں۔ خوب دیکھتے ہیں۔ ہاں دل کی آنکھ پھوٹ گئی۔ دل اندھے ہو گئے ورنہ یہ
برعکس معاملہ نہ کرتے۔

عباد اور زہاد بایں وجہ کہ ہر ایک چیز میں اللہ تعالی سے محجوب ہیں ہر ایک چیز سے متنفر اور متوحش
ہیں اگر وہ ہر چیز میں اسی کا جلوہ دیکھتے تو کسی چیز سے متنفر نہ ہوتے ف عباد وہ لوگ ہیں جو اعمال صالحہ
اور عبادت میں مشغول ہیں اور اسی کو ذریعہ قرب جانتے ہیں اور طریق محبت و معرفت سے آشنا
نہیں ہیں۔ اور زہاد وہ لوگ ہیں کہ جو دنیا اور دنیا کی تمام لذتوں کے تارک ہیں اور اسی کو حقتعالی
کے قرب کا واسطہ سمجھتے ہیں اور اہل محبت و معرفت کا نہ ان اعمال پر بھروسہ ہے اور نہ کسی مباح
لذت کے ترک کو ذریعہ حصول مقصد کا سمجھتے ہیں۔ عابدین زاہدین مخلوق کے ملنے جلنے اور دنیا کی مباح

لذتوں سے نفرت کرتے ہیں اسلئے کہ وہ اُن کو اپنے مقصد کے اندر مخل جانتے ہیں اور عارف کی
نظر میں سوائے ہستی حق کے کوئی شئی نہیں رہتی ماسوا حق کے سب فانی ہو جاتے ہیں ان کی نظر میں
کوئی شئی موجود ہی نہ معدوم ذات واحد کے سوا کسی شئے کا مشاہدہ نہیں کرتے جو شئی ان کے سامنے
ہوگی اُس میں وہ حق اور صفات حق کا جلوہ دیکھیں گے اسلئے ان کو اس اعتبار سے نہ کسی شئی سے
نفرت اور وحشت ہوتی ہے اور نہ کسی چیز سے اُنس اور تعلق ہوتا ہے مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے نفس
میں اُنس ومحبت اور نفرت وکراہت کی صفت ہی نہیں رہتی یہ تو محال ہے اسلئے کہ یہ خلقی امر ہیں بلکہ انکا اُنس
ومحبت اور نفرت وکراہت اور جملہ صفات للہ اور فی اللہ اور من اللہ ہو جاتی ہیں اپنے نفس کا کوئی حصہ
ان کے اندر نہیں رہتا بخلاف عباد اور زہاد کے کہ اُن کو محبت وانس کسی نیک بندہ یا نیک عمل سے اسلئے
ہوگا کہ وہ اسکو اپنے نفس کے لئے نافع اور سبب قرب الٰہی جانتے ہیں اور تنفر ووحشت اسلئے ہوگا
کہ اُسکو اپنے لئے ضرر رساں اور بُعد کا سبب گمان کرتے ہیں اور عارف کے اندر اپنے نفس کی
کوئی مصلحت نہیں ہوتی نفس کے تمام اغراض اور حظوظ اور تعلقات ملیامیٹ ہو جاتے ہیں اور
نہ کسی شئی کا وجود اسکی نظر میں ہے اس لئے اسکے نفس میں اپنے واسطے نہ کسی چیز سے تعلق ہے اور نہ کسی
شئے سے وحشت بس ان حضرات کی تو وہ حالت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے من احب
للہ وابغض للہ واعطے للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان یعنی جو محبت کرے اللہ کیواسطے اور
بغض رکھے اللہ کیواسطے اور دے اللہ کیواسطے اور روکے اللہ کیواسطے اسنے اپنے ایمان کامل
کرلیا پس عابد زاہد بلا معرفت ومحبت کے اپنے نفس میں گرفتار رہتا ہے اور ہر شئے اسکے لئے حجاب
ہوتی ہے اس لئے اُس سے تنفر ومتوحش ہوتا ہے اور عارف کے سامنے کوئی چیز ہی نہیں جو کچھ
ہے حق ہی حق ہے اسلئے وہ متنفر نہیں ہوتا۔

کسی ایسے موجود کے وجود نے جو واقعی اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود ہو اُس سے محجوب نہیں

کیا لیکن ہاں وہمی وخیالی موجود کے وجود نے تجھکو اس سے محجوب کر دیا۔ ف ذات مقدسہ باری
تعالیٰ سے جو لوگ محجوب اور پردۂ غفلت میں ہیں اور مخلوقات ومصنوعات سے ان کی نظر آگے

نہیں پڑہتی اور مشاہدۂ حق سے محروم ہیں تو یہ پردہ اور حجاب کسی موجود واقعی کا نہیں اسلئے کہ موجود حقیقی تو سوائے اسکے کوئی بھی نہیں ہے ہاں وہمی وخیالی موجودات کے وجود نے اُن کو غفلت میں ڈال رکہا ہے کہ لاشی و عدم محض کو موجود جانکر موجود حقیقی کے مشاہدہ سے غافل ہوگئے اور عارف کی نظر میں سوائے ہستی حق اور صفات کے آثار کے کوئی شئی نہیں تمام عالم کو وہ صفات حق کا سایہ اور اور اثر جانتا ہے اسلئے یہ عالم اس کی نظر بصیرت کے لئے پردہ نہیں ہے جیسے درختوں کا سایہ دریا میں پڑتا ہو تو کشتی کے چلنے سے وہ مانع نہیں ہوگا۔ ہاں جو کشتی بان ہی وہمی ہو اور درخت کے سایہ کو ہی درخت جانے وہ رُک جائیگا۔ آگے نہ بڑہے گا اور سمجھے گا کہ درمیان میں درخت حائل ہے کیسے آگے چلوں یا جیسے کسی نے ہوا کا سناٹا سنا اور اسکو سمجھا کہ شیر دھاڑ رہا ہے اور اس خوف کی وجہ سے گہر سے باہر نہ نکلا تو اسکو روکنے والی کوئی موجود شے نہیں ہے بلکہ موجود شے کے خیال نے روکا۔

مخلوقات میں اگر اسکے جلوہ کی روشنی نہ ہوتی تو دکہائی نہ دیتے۔ اگر اسکی صفات کمال کا ظہور

ہوتا تو تمام مخلوقات نیست ونابود ہوجاتی **ف** کئی مرتبہ یہ مضمون گذر چکا ہے کہ تمام کائنات عالم فی حدذاتہ معدوم ہیں اور موجود حقیقی ذات واحد ہے یہاں بہی اسی مضمون کو دوسری طرز سے بیان فرماتے ہیں کہ مخلوقات جو تم کو دکہائی دے رہے ہیں تو یہ وجود حقیقی کا پرتو ہے ورنہ اگر اسطرف سے ان پر وجود کی تجلی اور انعکاس نہ ہوتا تو دکہائی نہ دیتے یعنی موجود ہی نہ ہوتے اور اگر صفات کمال کا عالم میں بلا حجاب ان مخلوقات کے جو فی حدذاتہ عدم ہیں ظہور تام ہوتا تو مخلوقات تجلی بلا حجاب کی تاب نہ لاسکتے اور بالکل نیست ونابود ہوجاتے چنانچہ کوہ طور پر تجلی ہوئی تہی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگیا تھا اور موسےٰ علیہ السلام بیہوش ہوگئے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک تجلی تو ہے اضافہ وعطاء وجود کی وہ اگر نہ ہوتی تو مخلوقات کا وجود نہ ہوتا اور نہ انپر نگاہ پڑسکتی اسلئے کہ عدم محض نظر نہیں آیا کرتا تو یہ اسی کی تجلی ہے جو عدم محض نظر آتا ہے اور ان کو موجود کہا جاتا ہے اور اگر بلا حجاب ان عدمیات کی تجلی ہوتی تو پہر ان مخلوقات یعنی عدمیات کا پتہ بہی نہ چلتا اسلئے حق کے آنے سے باطل اور ہالک کو تاب ٹھہرنے کی نہیں ہے۔

اسوجہ سے کہ وہ باطن ہی ہر چیز کو ظاہر کر دیا اور اسوجہ سے کہ وہ ظاہر ہی ہر چیز کے وجود کو لپیٹ دیا۔ ف حق تعالیٰ کے اسما میں ظاہر اور باطن بھی ہی اور جیسے حق تعالیٰ کی ذات میں کوئی شریک نہیں ہی اسی طرح صفات میں بھی کوئی شریک نہیں پس اسم باطن اس بات کو چاہتا ہی کہ بطون یعنے پوشیدہ ہونے اور چھپنے کی صفت میں کوئی اسکا شریک نہ ہو پس وہ باطن ہی اسلئے ہر چیز کو ظاہر کر دیا تاکہ چھپنے اور پوشیدہ ہونے میں کوئی اسکا ساجھی نہ ہو اور ظاہر بھی اسکی صفت ہی یہ صفت اس بات کو چاہتی ہے کہ ظہور کی صفت میں بھی کوئی اسکا ساجھی نہ ہو اسی واسطے اپنے سوا ہر چیز کو چھپا دیا اور ہر شے کے وجود کو لپیٹ دیا یعنی وجود حقیقی میں شریک نہیں پس ظاہر حقیقی اور باطن حقیقی وہ ہی ایک ذات ہی اور دیگر اشیار کا ظہور اور بطون مجازی اور ظلی ہے۔

اور اس دار دنیا میں تجھکو اپنی مخلوقات میں تامل کرنے کا حکم فرمایا اور عنقریب ذات کاملہ دار آخرت میں تجھپر عیاں ہوگی ف اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں نظر اور تامل کرنیکا بندوں کو حکم فرمایا ہی تاکہ اس سے استدلال کرکے اسکی ہستی کا اقرار کریں اور اسکی صفات علم وقدرت وحکمت کو جانیں۔ اور اعتقاد کریں اور اس اعتقاد کے راسخ ہونیکے بعد نظر بصیرت سے ان مخلوقات میں اس کی صفات کے ظہور کا مشاہدہ کریں اور صفات میں فکر اور نظر کے بعد بصیرت سے ذات کا مشاہدہ کریں تو اس دار دنیا میں فقط اسی قدر حصہ تجلی کا بندوں کو مل سکتا ہے کہ قلب کی آنکھ سے مشاہدہ ذات مقدسہ کا ہو اور آخرت میں عنقریب ذات کاملہ کھلم کھلا کا انشاء اللہ تعالیٰ معائنہ نصیب ہوگا لیکن یہ رویت عیانی بھی دنیا کی تجلی کے بقدر نصیب ہوگی یعنی دنیا میں جسقدر تجلی جسکے حصہ میں ہی اسی مقدار سے آخرت میں رویت عیانی ہوگی۔

حق جل وعلا نے جانا کہ تو بدون اسکے مشاہدہ کے صبر نہیں کر سکتا تو اپنی مخلوقات کا تجھکو مشاہدہ کرایا ف مومنین کو حق تعالیٰ کے ساتھہ بیحد محبت ہی کما قال تعالیٰ۔ والذین آمنوا اشد حبا للہ اور محبوب حقیقی سب کا اللہ تعالیٰ ہے اور سب اسکے محب ہیں اور محب کو بدون محبوب کے دیکھے قرار نہیں آتا۔ اور اس دنیا میں بلا حجاب حق تعالیٰ کے رویت دشوار ہے اسلئے کہ ہمارا وجود خاکی وعنصری اسکا

متحمل نہیں ہے اور حق تعالیٰ کو علم تھا کہ میرے محب بندے بغیر میرے مشاہدہ کے صبر نہ کر سکیں گے
اسلئے اپنی ذات وصفات کا جلوہ اپنی مخلوقات کے پردوں میں دکھایا کہ نظر بصیرت سے بقدر حصہ کے ہر
مومن کو یہ مشاہدہ حاصل ہے چنانچہ اعتقاد ہستی خالق میں تو سب ہی شریک ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کا مشاہدہ
ہے اور بعض پر زیادہ فضل ہوا ہے کہ ان کو حالی اور وجدانی طریقہ سے نظر بصیرت سے ایسا
یقین عطا فرمایا کہ جو مثل مشاہدہ عیانی کے ہے کہ جس پر دلیل قائم کرنے کی اصلا ضرورت نہیں ہے
اس سے محبین کو تسلی ہوگئی اور اگر یہ نہ ہوتا تو فنا و ہلاک ہو جاتے اور آخرت میں بلا حجاب مشاہدہ ہوگا

جبتک تو مخلوقات میں خالق کا مشاہدہ نہ کرے اُن کا تابع ہے اور جب تو اسکا مشاہدہ کرے
تو مخلوقات تیرے تابع ہیں ف جبتک مخلوقات میں حق تعالیٰ کی صفات وذات کا مشاہدہ نہ کرے
اور قلب کی نظر مخلوقات تک ہی رہے اسوقت تک بندہ مخلوقات کا تابع ہے جو مال اولاد زمین میں
مشغول ہیں وہ ان کے تابع ہیں اور ان کے ہی بندے بنے ہوئے ہیں اور جو جاہ میں مشغول ہیں
وہ اُسکے مطیع ہیں اور جو وار دات وحالات باطنہ وکرامات وجنت ودوزخ کے اندر مشغول ہیں اور
وہ ان کے اندر منہمک ہیں اور ان کے ہی خادم بنے ہوئے ہیں اور جب مخلوقات بندہ کے لئے جلوہ گاہ
حق بن جاوے اور غیر اللہ کا وجود اُسکے تخیل میں نہ رہے تو مخلوقات اُس بندہ کے تابع ہو جاتے ہیں
اور وہ اس سے مستغنی ہو جاتا ہے مخلوق کے تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کے دل میں اسکی محبت ہو
جاتی ہے اور ہر شے اس بندہ سے محبت کرتی ہے اور وہ کسی شے کو اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا اور
سب سے علیحدہ ہو کر اللہ کا ہو رہتا ہے۔

مخلوقات میں مشاہدہ جمال حق کو تیرے لئے مباح فرمایا اور مخلوقات کے ذوات کے مشاہدہ
پر توقف کی اجازت نہیں دی چنانچہ اس ارشاد میں کہ کہہ تو اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھو جو آسمانوں
میں ہے تیرے فہم کا دروازہ کھولدیا اور یہ نہیں فرمایا کہ آسمانوں کو دیکھو کیونکہ اجسام کے وجود پر رہنمائی
ہو جاتی۔ ف اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس بات کا حکم فرمایا ہے کہ مخلوقات میں ہمارے جلال وجمال
کی صفات کا مشاہدہ کرو کہ تمام عالم کیا کلیات اور کیا جزئیات حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ وجمالیہ

کا پرتو ہے اور مخلوقات کی ذات ہی پر اپنی نظر کے موقوف کر دینے اور آگے نہ بڑھانے کا حکم نہیں دیا
اسلئے کہ ان کی ذات کا نظارہ اسکے مشاہدہ کا حجاب ہے چنانچہ لوگ ان چیزون کے نظارہ سے غفلت
میں پڑے ہوئے ہیں اور حق کے مشاہدہ سے محروم ہیں اور دلیل اس مضمون کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد
ہے قل انظروا ماذا فی السموات یعنے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہئے کہ دیکھو وہ جو آسمانوں میں ہے
کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو آسمانوں میں صفات حق ہیں وہ دیکھو اور یہ نہیں
فرمایا کہ خود آسمانوں کو دیکھو اس فرمانے سے تیرے لئے فہم کا ایک بڑا دروازہ کھولدیا اور تجھکو
متنبہ اور خبردار کردیا کہ مقصود نظر کا حکم فرمانے سے خود ان چیزوں کا مشاہدہ نہیں ہے —
بلکہ خالق کا مشاہدہ ہے اسلئے کہ اگر ان چیزوں کا مشاہدہ کرانا مطلوب ہوتا تو یہ اجسام کے وجود کی
طرف رہنمائی ہوتی اور خالق اجسام کی طرف رہبری نہ ہوتی اور یہ اجسام اپنی ذات سے معدوم
ہیں اور ذاتِ حق کے حجاب ہیں انکی طرف نظر کرنے سے مقصود خالق تعالیٰ شانہ کی طرف رستہ دکھانا
ہے نہ کہ خود ان کے وجود کی جانب کہ وہ وجود درنظر حقیقت میں کوئی شئی نہیں ہے

مخلوقات اسکے قول کن کیساتھ ثابت اور اسکی احدیت ذات کے سامنے نیست و نابود
ہیں ف مخلوقات اپنی ذات سے کوئی وجود نہیں رکھتے ان کا وجود ظلی مجازی ہے کہ حق تعالےٰ
کے کُن (ہوجا) فرمانے سے اسکا ثبوت ہے۔ اور اگر اسکی ذات کی احدیت و یکتائی کی طرف نظر
کیجائے اور مخلوقات کے مظاہر میں اُسکے ظہور کی طرف نہ دیکھا جاوے تو مخلوقات بالکل نیست
و نابود ہیں۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ مخلوق عین خدا ہوں یا خدا مخلوق میں حلول کرے نعوذ باللہ
مخلوق مخلوق ہے اور خالق خالق ہے حقیقت یہ ہے کہ جب حال اور ذوق نصیب نہو رسمی علوم اور نری
عقل سے حق الامر کا واضح ہونا محال ہے اور جب ذوق کا کوئی حصہ اللہ تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائے
اُسوقت سب صاف ہے۔

جسنے حق جل و علا کی معرفت حاصل کی اس نے ہر چیز میں اُسکا مشاہدہ کیا اور جس نے فنا کا مرتبہ حاصل
کیا وہ ہر چیز سے غائب ہوگیا اور جسنے اس کو محبوب بنایا اس نے کسی کو اسپر اختیار نہو کیا

ف اس کلام میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ معرفت فنا محبت کو بیان فرماتے ہیں کہ جسکو تین مقام حاصل ہوں
اسکی علامت کیا ہے اور یہ تینوں مقام علی سبیل الترتیب ہیں یعنی اعلی مقام معرفت کا ہے اور اس سے
کم فنا کا اور اس سے کم محبت کا ہے فرماتے ہیں کہ جس نے حق جل وعلا شانہ کی معرفت حاصل کی یعنی
حق تعالی نے اپنے فضل سے اسکو عارف کامل بنایا تو اسکی شان یہ ہوتی ہے کہ کوئی شے مخلوق میں سے
اسکو مشاہدہ حق سے نہیں روکتی جیسے کہ عوام کو روکتی ہیں اور نہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر شے کو معدوم
دیکھے کہ یہ شان اس شخص کی ہے جو مقام فنا میں ہو اور بقا کا مقام اسکو نہ ملا ہو اور عارف چونکہ ہر شے
سے فانی اور حق وصفات حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے اور مخلوقات سب صفات کے آثار ہیں اسلئے
سب کو دیکھتا ہے لیکن اسکی نظر عوام کیطرح ان اشیاء پر ٹھیری ہوئی نہیں ہوتی بلکہ وہ عالم کے ہر
ذرہ میں اسکی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے اور جو فنا کے مقام میں ہے اسکی نظروں میں کوئی شے
نہیں ہوتی سب غائب ہوتا ہے حتی کہ اپنے وجود سے ہی غائب ہو جاتا ہے دیکھو دنیا میں اگر کسی شے
کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اسکی نظروں میں ہر وقت وہی سمائی رہتی ہے دوسری شی باوجود سامنے
ہونے کے نظر نہیں آتی اور جس شخص نے اللہ تعالی کو محبوب بنایا اور ابھی تک فنا تک نہیں پہونچا
تو اس کی نظر میں وجود دوسری اشیاء کا تو ہوگا لیکن حق تعالے پر کسی شے کو اختیار نہ کرے گا اور
اللہ تعالی کی مرضی کو سب چیزوں پر مقدم رکھیگا اور اپنے ارادہ وشہوت کو پس پشت ڈالدیگا پس یہ
علامتیں اور حقیقت ان تینوں مقام کی ہے۔

حق جل وعلا شانہ کو تجھ سے صرف نہایت قرب نے محجوب کر دیا حق جل وعلا صرف اپنے نہایت
ظہور کے سبب محجوب ہو گیا اور اپنے نور کی عظمت کے سبب آنکھوں سے مخفی ہو گیا ف اس مقام پر
شیخ علیہ الرحمۃ نے تین وجہ حق تعالی کی ذات پاک کے مدرک نہونیکی بیان فرمائی ہیں اول تو قرب کی
شدت چنانچہ پہلے یہ مضمون گذر چکا ہے کہ قرب حقیقی مخلوق کے ساتھ صرف اللہ تعالی کے لئے
ثابت ہے اور وہ قرب اسدرجہ کا ہے کہ اللہ تعالے ہر شے کے ساتھ اسکی ذات سے بھی زیادہ
قریب ہے اور ادراک کسی شی کا اسوقت ہوتا ہے کہ جب وہ شی من وجہ قریب اور من وجہ بعید ہو دیکھو اگر کوئی شے

تم سے کئی میل کے فاصلہ پر ہے نہ تو اسکو دیکھ سکو گے اور جو آنکھوں کے بالکل قریب کرلو گے اسوقت بھی نہ دیکھ سکو گے اسی طرح ادراک باطنی کا حال ہے پس جب حق تعالیٰ کو بندہ کے ساتھ اسکی ذات سے بھی زیادہ قرب ہے تو قوۃ مدرکہ خواہ چشم ظاہری لی جاوے یا ادراک باطنی ذات کے اندر آگئی پس ادراک کی کیا صورت ہی اسلئے حق تعالیٰ کی ذات پاک کو کوئی شخص بھی ادراک نہیں کرسکتا اور جو ادراک بندگان خاص کو حاصل ہوتا ہے تو جو کچھ ان کے ادراک کے ماتحت میں آوے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے بھی زیادہ قریب ہے اُن کا ادراک ابھی بہت دور ہے پس شدت قرب سبب حجاب بن گئی ایک وجہ تو حق تعالیٰ کے مدرک نہ ہونے کی یہ ہوئی۔ دوسری اور تیسری وجہ یہ کہ حق تعالیٰ کی ذات پاک کا ظہور ہر شے سے زائد ہے اور اُسکا نور ہر شی کے نور سے بڑھکر ہے شدت ظہور کے سبب سے ابصار اور بصائر دونوں اُسکی ذات پاک کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ دیکھو آفتاب پر نظر بسبب کثرت نور کے نہیں ٹھہر سکتی حالانکہ اُسکی ایک بہت ادنیٰ مخلوق ہے تو خالق کے نور اور ظہور کی تو کیا انتہا ہے اور صوفیہ جسکو مشاہدہ اور قرب و ادراک و وصول کہتے ہیں اس کی حقیقت پہلے آچکی ہے کہ اسکا حاصل صرف یقین اسکی ہستی کا اور مشاہدہ حالی اسکے قرب کا ہے نہ کہ ادراک تمام ذات کا کہ وہ محال ہے۔

حق جل وعلا کسی چیز سے کیونکر محجوب ہوسکتا ہے جو چیز حجاب ہوگی اُس میں بھی اسکا جلوہ ظاہر اور موجود اور حاضر ہوگا۔ ف کسی شی کے مدرک نہ ہونے کی دو وجہ ہوتی ہیں یا تو شدت قرب و ظہور وہ تو حق تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے ثابت ہے جیسے پہلے ارشاد میں بیان ہوچکا دوسری وجہ بعد اور دوری وہ حق تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں ہے اسکو یہاں بیان فرماتے ہیں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کسی چیز سے پردہ میں اور دور کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ جس شی کو تم اسکا حجاب سمجھتے ہو اس میں بھی اسی کا جلوہ ظاہر اور موجود اور حاضر ہے پھر وہ شے حجاب کیسے ہوئی وہ تو بلکہ آئینہ اسکے جمال وجلال کا بن گئی اس سے معلوم ہوا کہ سالک جو خطرات و وساوس کو حجاب جانتا ہے یہ بوجہ قلت بصیرت کے ہے ورنہ اگر بصیرۃ صحیح ہو تو خطرات سے پریشان نہ کریں اور حجاب نہ معلوم ہوں۔ کہ یہ خطرات ہی اسکی قدرت کا کرشمہ نظر آویں

غیر کے فنا کیطرف تیرا نظر اٹھانا اور ماسوا کے فقدان سے تیرا وحشت ناک ہونا تیرے اس تک
نہ پہنچنے کی دلیل ہے ف اللہ کے سوا کوئی چیز ہو خواہ دنیا کا مال متاع و جاہ ہو یا باطنی حالات
و واردات و کرامات و کشف ہو ان میں سے کسی شے کی نسبت یہ چاہنا کہ یہ شے میرے پاس
باقی رہے ضائع نہ ہو اور دل کا اسطرف متوجہ ہونا یہ اسباب کی دلیل ہے کہ اس شخص کو دولت
وصول الی اللہ نہیں ملی. اگر واصل ہو جاتا تو کسی شے کی تمنا اور کسی شئی کے ساتھ انس اسدرجہ نہ ہوتا
نہ دنیا کی چیز کو چاہتا اور نہ واردات و حالات کے ورود یا ان کے باقی رہنے کی تمنا کرتا اسیطرح
ان چیزوں کے گم ہونے وحشت ناک اور مغموم و مضطر ہونا بھی واصل نہ ہونے کی دلیل ہے اسلئے
کہ اگر حقیقی دولت اسکو مل جاتی تو ان چیزوں کے جانے کی اسکو کچھ پرواہ نہ ہوتی جیسے کسی کے
پاس اشرفی بھی ہو اور کوڑی بھی اور کوڑی ضائع ہو جاوے اور اشرفی باقی ہو تو اسکو کچھ بھی غم نہ ہوگا
اور اگر کوڑی جانے کا غم ہو تو عقلی طریقہ سے یہ اسکی دلیل ہوگی کہ اسکو اشرفی نہیں ملی بس جو
سالک وصول کا دعویٰ کرے وہ اس کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھے اگر اسکے قلب کی یہ شان ہو کہ
اسکو کسی شے کے باقی رہنے کی طلب اور کسی شئی کے گم ہو جانے سے وحشت نہ ہو تو وہ درحقیقت
واصل ہے ورنہ نہیں۔

راحت و سرور کے اگرچہ مظاہر مختلف ہیں پر حقیقی نعیم اسکے مشاہدہ اور قرب کا ہے اور مظاہر
عذاب کے اگرچہ مختلف ہیں لیکن حقیقی عذاب اسکے حجاب ہونے کا ہے تو حقیقی عذاب اس سے حجاب
ہونا ہے اور حقیقی نعیم اس کریم ذات کی طرف نظر کرنا ہے ف جن چیزوں سے دل کو راحت و چین و خوشی
ہو وہ چیزیں سرور راحت کے مظاہر ہیں اسلئے کہ وہ راحت و سرور کے ظہور کی جگہ ہیں اور جن چیزوں
سے تکلیف و الم ہو وہ عذاب کے مظاہر ہیں مطلب شیخ رحمۃ اللہ کا یہ ہے کہ چین اور راحت
اور سرور کی چیزیں دنیا اور آخرت کی بہت سی ہیں مثلاً دنیا میں بیوی اولاد مال و دولت جاہ وغیرہ
اور آخرت میں جنت کی نعمتیں حور غلمان وغیرہا لیکن ان چیزوں کے برتنے اور ان میں مشغول
ہونے کے وقت حقیقی سرور اور چین اس وقت ہے کہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ بھی اسکے ساتھ ہو

اور اگر مشاہدہ نہ ہو اور ان ہی چیزوں سے لذت و مزہ اٹھایا تو بظاہر یہ چین ہے لیکن درحقیقت عذاب ہے گو اس شخص کو اسکا عذاب ہونا اُسوقت معلوم نہ ہو لیکن عنقریب معلوم ہو جائے گا بعض مرتبہ تو دنیا ہی میں جب یہ چیزیں پاس سے جاتی رہتی ہیں یا خود ان چیزوں کے کام کا نہیں رہتا معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ چیزیں عذاب جان تھیں کہ یاد آ کر قلب کو اُسوقت ایذا رساں ہیں۔ اور کوئی تدبیر اب ان کے حصول کی نہیں ہے۔ اور اگر فرضاً دنیا میں اسکے ساتھ بھی رہیں لیکن دنیا سے چلنے کے وقت تو ضرور ہی چھوٹ جائیں گی اور اسوقت پوری حسرت اور عذاب ہجا ونگی بخلاف اس صورت کے کہ جب ان چیزوں کیساتھ مشاہدہ اور وصول الی اللہ کی دولت بھی ہو کہ گو یہ چیزیں چھوٹ جاویں لیکن اصلی اور سچی دولت و سرمایہ راحت ہر وقت ساتھ ہے اور تکلیف والم کی چیزیں دنیا و آخرت کی بہت سی ہیں مثلاً دنیا میں مرض فقر و افلاس تنگدستی وغیرہ اور آخرت میں دوزخ سانپ بچھو آگ پیپ وغیرہ تو ان مصائب و تکالیف میں مبتلا ہونے کے وقت حقیقی تکلیف اور پوری مصیبت اُسوقت ہے کہ ان مصائب و تکالیف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی بندہ دور اور حجاب میں ہو اور اگر ان تکالیف میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ و وصول کی دولت حاصل ہو تو یہ مصائب حقیقت میں مصائب نہیں گو بظاہر مصیبت ہی لئے کہ مدار تکلیف اور راحت کا قلب پر ہے قلب میں اسکے وہ دولت ہے کہ اگر اس شخص کو یہ کہا جاوے کہ دنیا بھر کی راحت تجھکو دیتے ہیں اور تیری مصائب کو دور کیا جاتا ہے لیکن یہ دولت باطنی ہمکو دیدو اس مبادلہ پر وہ ہرگز راضی نہ ہوگا پس اصل عذاب اور تکلیف حق تعالیٰ سے بعد ہے اور اصل چین و سرور اس کی ذات کریم کے مشاہدہ کی دولت ہے۔

با تو جنت دوزخ ست اے دلربا + بے تو جنت دوزخ ست اے دلفزا

قلوب جو کچھ رنج والم پاتے ہیں یہ اسوجہ سے ہے کہ مشاہدہ سے محروم ہیں۔ ف دنیا میں جو رنج والم و فکر قلب کو ہوتا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ قلب اپنے رب کے مشاہدہ سے محروم ہے۔ اور اگر مشاہدہ کی دولت اسکو حاصل ہو تو کبھی غم نہ ہو

اسلئے کہ غم و الم نفس کے مقصود اور مزہ فوت ہونے کے سبب سے ہوتا ہے تو جو شخص اپنے مولی کے معائنہ میں ایسا محو ہو کہ اپنے نفس اور اسکے مقاصد و مزوں کو بھول جائے تو وہ ہر وقت خوش رہے پس عارف کا دل نور معرفت سے روشن ہوتا ہے اور کسی حال میں دنیا اور دنیا کے مزوں کی قدر و قیمت اسکے قلب میں نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ ہر وقت مسرور رہے خواہ دنیا رہے یا نہ رہے اور مسرور و خوش کا مطلب یہ ہے کہ دل اسکا پریشان نہ ہوگا۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ اولاد کے مرنے سے یا خود بیمار ہونے سے الم طبعی ہوگا۔ یہ دوسری بات دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس عارف کی مسرت دائمی اور غیر عارف کی مسرت فانی ہے۔ اور حقیقتاً وہ مسرت غم و الم ہے اگرچہ اسکو اسکا ادراک نہ ہو۔ ــــہ

فسوف تری اذا انکشف الغبار ✦ افرس تحت رجلک ام حمار

اگر لوگوں کی بے توجہی یا بدگوئی کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہونا تجھکو تکلیف دے تو اپنے معاملہ میں اللہ تعالی کے علم پر اکتفا کر۔ اور اگر تجھکو اسکے علم پر قناعت نہ ہو تو اس اذیت پانے کی مصیبت سے اسکے علم پر قناعت نہ کرنے کی مصیبت تجھ پر سخت تر ہے۔ ف مخلوق کی بدگوئی یا بے توجہی یا مدح اور توجہ کسی کی طرف مضر اور نافع نہیں ہے تو اگر کسی طالب مولی کی لوگ مذمت کریں اور اس کی طرف متوجہ نہ ہوں اور یہ امر اس طالب کو تکلیف اور رنج پہونچاوے۔ تو اسکو چاہیئے کہ اپنے معاملہ میں حق تعالی کے علم پر اکتفا کرے یعنی یہ سمجھے کہ اگر اللہ کے علم میں میں اپنے عمل کے اندر مخلص اور مقبول ہوں تو مجھے ان کی مذمت اور برائی کا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اور اگر میں اللہ کے نزدیک حقیر اور مردود ہوں تو ان کی مدح اور توجہ سے کس کام کی ہے اس علم کو اپنے قلب کے اندر خوب جاگزیں کرلے پھر کچھ بھی تکلیف نہیں۔ اور اگر حق تعالی کے علم پر تجھکو قناعت نہ ہو اور مخلوق ہی کی توجہ کو بڑا مقصود جانتا ہو۔ اور ان کی بے توجہی کو بڑی ناکامی سمجھتا ہو اور اسی سے ہر وقت تکلیف میں ہو تو اس تکلیف اور الم کی مصیبت کوئی مصیبت نہیں بڑی مصیبت تو قلب کی یہ حالت ہونا ہے کہ اللہ تعالی کے علم پر اسکو اطمینان اور قناعت نہیں یعنی اس صورت میں یہی

ان کی بے توجہی اور مذمت کی تکلیف کی طرف توجہ نہ کرے اور اسکو مصیبت نہ جانے بلکہ بڑی مصیبت اسکو جانے کہ میرے قلب کی ایسی حالت کیوں ہے کہ اسکو لوگوں کی مدح و مذمت کی پرا ہوتی ہے۔ پس سالک کو چاہیئے کہ مخلوق کی مدح و مذمت کی کچھہ پروا نہ کرے اسلئے کہ وہ اللہ کے یہاں کوئی کام آنے والی یا ضرر کرنے والی شئی نہیں ہے۔

جو دنیا میں موجود ہوا اور اسکے لئے علوم و معارف غیبیہ کے دروازے مفتوح نہیں ہوئے اور اپنی شہوات و لذات کے احاطوں میں مقید اور اپنی ذات کے چکر میں گھرا ہوا ہے ف جو شخص دنیا میں موجود اور پیدا ہوا اور اسنے اپنے مولی کی طرف توجہ نہ کی اور غفلت میں پھنسا رہا اور علوم و معارف کے دروازے اسکے دل پر کشادہ نہ ہوئے تو ایسا شخص اپنی شہوات و لذات کے احاطوں میں مقید ہے اور اپنی ذات کے چکر میں گھرا ہوا ہے توحید کے وسیع میدان کی اسکو خبر نہیں اس کی گردش اور سعی و توجہ اپنے وجود کے اندر ہے تیلی کے بیل کی طرح ہے کہ صبح سے شام تک چلتا ہے اور جس نقطہ سے چلا تہا وہاں ہی رہتا ہے ایسے ہی اسکی تمام تر سعی اپنے نفس کے لئے ہے بخلاف اس شخص کے جو اس چکر دگھیرے سے نجات پا چکا ہے کہ فضائے توحید میں وہ بڑہتا چلا جاتا ہے اور خیالات واوہام اور اپنے نفسانی مزوں اور اپنے وجود کے تنگ اور تکلیف دہ کوچہ سے رہائی اسکو ہوگئی ہے اور پاکیزہ اور مزہ دار زندگی اور سچی آزادی و حریت اسکو مل گئی ہے اسکے لئے کوئی دنیوی مصیبت وحادثہ پریشان کن نہیں ہے وہ احوال وحوادث سے مغلوب نہیں۔ بلکہ خود انپر غالب رہتا ہے وہ یک مضبوط قلعہ کے مانند ہے کہ جسپر تند ہوائیں اور بارش وغیرہ کا کچھہ اثر نہیں اسلئے کہ وہ صفات حق کیساتھہ باقی ہے۔ اسکا بقا دنیا کی چیز پر منحصر نہیں بلکہ اور صفات حق باقی رہنے والی ہیں گو اسکا وجود ظاہری صرصر حوادث سے پریشان ہو۔ مگر اسکا قلب (کہ آدمی قلب ہی سے ہے) کوہ استقامت ہے۔

ستائیسواں باب عارفین کے بعض حالات کے بیان میں

عارف وہ نہیں ہے کہ جب اسرار کی طرف اشارہ کرے تو حق تعالیٰ جل وعلا کو اپنی طرف اپنے
اشارہ کی نسبت قریب تر پاوے۔ بلکہ عارف حقیقی وہ ہے کہ جو حق تعالیٰ کے وجود میں فنا اور اسکے
مشاہدہ میں محو ہو کر اپنے اشارہ سے بے خبر ہو جائے **ف** اس مقام کی شرح سے پہلے چند امور
سمجھنا چاہئے اول یہ کہ جس بندہ کو فنا کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے اسکے نفس کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے
مردہ بدست زندہ جیسے مردہ میں کوئی حرکت وسکون اور کوئی صفت نہیں ہوتی۔ اور اگر دوسرا
کوئی حرکت دیوے تو متحرک ہوتا ہے ایسے ہی اسکا نفس بدست حق ہو جاتا ہے کہ کسی صفت
کو اپنے اندر نہیں دیکھتا حتیٰ کہ اپنا وجود ہی نظر نہیں آتا تمام افعال اور تمام صفات کا فاعل اور
موصوف ذات واحد کو دیکھتا ہے۔ اور اس کی شان وہ ہوتی ہے جیسا حدیث میں آیا ہے بی
یسمع وبی یبصر کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بندہ میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ
دیکھتا ہے دوسرے یہ سمجھو کہ جب کوئی شخص کسی بات کو ذکر کرتا ہے تو قوت مدرکہ میں تین چیزیں
ہوتی ہیں اور ادراک کا تعلق تینوں سے ہوتا ہے اول وہ ذکر کرنیوالا دوسرے خود ذکر تیسرے جس شئے
کا ذکر کیا ہے ان تینوں چیزوں کی طرف لحاظ ہوتا ہے تیسرے یہ بات سمجھنا چاہئے کہ اول
گذر چکا ہے کہ حق تعالیٰ کو بندہ کیساتھ اسکی ذات سے بھی زیادہ قرب ہے۔ اور کسی شئی کو ذکر کرنا اس بات
کو چاہتا ہے کہ ذاکر اور مذکور میں من وجہ مغایرت اور بعد ہو۔ ورنہ ذکر ہی محال ہوگا مثلاً زید اپنے
کسی حال کا ذکر کرے تو اس حال کو زید سے کچھ تو مغائرت وبعد ہے کہ اسکے ذکر کی نوبت آئی
پس اس اعتبار سے سر توحید ذکر کرنا اس بات کو چاہتا ہے کہ اس شخص کا نفس فنا نہیں ہوا چوتھے یہ
صوفیہ رحمہم اللہ کی اصطلاح میں اشارہ سے مراد اسرار توحید کو ذکر کرنا ہے۔ حاصل مقام کا یہ
ہے کہ اگر عارف کی حالت یہ ہو کہ جب وہ اسرار توحید کی طرف اشارہ کرے یعنی توحید کے اسرار
جو اسکے قلب پر وارد ہوتے ہیں ان کو بیان کرے تو حق تعالیٰ کو اپنے اشارہ اور بیان سے قریب

تر پاوے یعنی جیسے کسی چیز کا بیان اور ذکر کرنیوالے کی قوت مدرکہ میں تین چیزیں ہوتی ہیں اول ذکر کرنیوالا دوسرے وہ شی جسکا ذکر کیا تیسرے ذکر اور تینوں چیزوں کے اندر ادراک میں بعد اور فرق ہوتا ہے کہ ذکر کرنیوالا اور ہے اور وہ شی ذکر کی ہوئی دوسری شے توحید کے اسرار بیان کرنے میں اسکی حالت یہ نہ ہو اسلئے کہ یہاں ذکر کی ہوئی شی حق تعالیٰ شانہ کی ذات پاک ہے اور اسکو بندہ کے ساتھ اس کی ذات سے بھی زیادہ قرب ہے اور یہ ذکر کرنا من وجہ مغائرت اور بعد کو مقتضی ہے۔ اگر اور چیزوں کے ذکر کی طرح اس کا ذکر بھی ہو تو معلوم ہوا کہ اس شخص کو فنا کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہے بلکہ حالت اس کی یہ ہو کہ حق جل وعلا شانہ کو اپنے اشارہ اور ذکر سے زیادہ قریب مشاہدہ کرے اور ذکر کرنے کو بعید دیکھے تو یہ شخص ابھی فانی کامل اور عارف کامل نہیں اسلئے کہ گو حق تعالیٰ کو اشارہ اور بیان سے زیادہ قریب دیکھتا ہے لیکن پھر بھی اسکے ادراک میں مدرِک اور مدرَک کا فرق موجود ہے اور ابھی تک دوئی کے اندر مبتلا ہے بلکہ عارف حقیقی اور فانی مطلق جب ہوگا کہ حق تعالیٰ کی ہستی کے سامنے ایسا فنا اور اسکے مشاہدہ میں ایسا محو ہو کہ اشارہ اور بیان تو کرے لیکن اس اشارہ سے بیخبر ہو یعنے اپنی طرف اس کلام کی نسبت کے اعتبار سے بھی مدرکہ میں نہ ہو اور مردہ کی سی حالت ہو کہ وہ متحرک بحرکۃ الغیر ہوتا ہے ایسے ہی یہ متکلم اور مشیر ہے لیکن دوسری قوت سے بول رہا اور اشارہ کر رہا ہے۔

عارفین کا عمدہ اور اعلیٰ مطلب اللہ تعالیٰ سے عبودیت میں سچائی اور ربوبیت کے حقوق کی پوری بجا آوری ہے **ف** عارفین اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کے سوا کچھ نہیں مانگتے ہیں نہ ان کو دنیا کی نعمتیں مطلوب ہیں اور نہ جنت کا بالذات سوال کرتے ہیں اول مطلب تو ان کا اپنے مولیٰ سے یہ ہے کہ بندگی میں ہمکو سچائی نصیب ہو جائے اور عبودیت کے اوصاف میں ہم سچے ہوں اور عبودیت و بندگی کے اوصاف یہ ہیں کہ نعمت میں شکر اور مصیبت میں صبر اور حب فی اللہ و بغض فی اللہ کی صفت ہو اور اپنی تدبیر و اختیار کو اسکے اختیار کے سامنے نیست و نابود کر دینا اور ہر وقت قلب کو اسی کی طرف نگرانی و نگہداشت رہے اور تواضع و ذلت اسکے دربار میں حاصل ہو اور اسی کی طرف

احتیاج اور اسی سے خوف و خشیت ہو اور دوسرے یہ کہ ربوبیت کے حقوق کی بجا آوری پوری ہمت سے ہو جاوے کہ ظاہر ہمہ اطاعت کے ساتھ ہو اور باطن میں اس کی طرف لو لگی ہوئی ہو اور حضوری دائمی میسر ہو۔ عارفین کو صرف یہی دو باتیں مقصود ہیں بخلاف اور لوگوں کے کہ وہ اپنے مزے کے طالب ہیں چنانچہ کوئی دنیا کی چیزوں کا طالب ہے کوئی حور و قصور کا چاہنے والا ہے کوئی حالات واردات کشف و کرامات کو مانگتا ہے کوئی مقامات عالیہ کا خواہاں ہے کوئی نقط رسمی علوم کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور علوم حقہ سے اعراض ہے۔

عارف وہ ہے جس کی بیقراری کبھی زائل نہ ہو اور ماسوائے اللہ تعالیٰ کے اسکو کبھی قرار نہ آوے
ف عارف کو اپنے نفس اور صفات نفس سے آگاہی ہوتی ہے۔ اور نفس کی حقیقت کو پہچانتا ہے اور جسقدر یہ معرفت اسکی بڑہتی ہے اسی قدر حق تعالیٰ کی معرفت اسکو حاصل ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ پس وہ اپنے نفس کو دیکھتا ہے کہ وہ بالکل مجموعہ شر و نقائص ہے اور اسکی غایت ہمہ دنیا اور لذائذ دنیا ہے اسلئے عارف اپنے نفس کی یہ کیفیت دیکھ دیکھ کر ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف بیقرار او ملتجی اور اسکے شرور سے حفاظت الٰہی کے ساتھ امن ڈھونڈھنے والا رہتا ہے اور یہ صفت اس کی لازم غیر منفک ہو جاتی ہے اور نیز پہلے ارشاد میں آچکا ہے کہ عارفین کو بندگی مطلوب ہے اور کوئی شی مقصود نہیں اسلئے عارف کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شی کیساتھ قرار نہیں آتا یعنے اسکے دل کو سہارا اور میلان کسی شی کیساتھ نہیں ہوتا۔

زاہدوں کی جب مدح ہوتی ہے تو اسوجہ سے دل تنگ ہوتے ہیں کہ مدح کو خلق سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی عارفین کی مدح کرتا ہے تو خوش ہوتے ہیں اسوجہ سے کہ اسکو بادشاہ عالم حق جل و علا شانہ سے مشاہدہ کرتے ہیں ف زاہد کی نظر بصیرت کے سامنے غیر اللہ کا حجاب ہے اسیواسطے وہ دنیا کی ہر شی سے بھاگتا ہے اور ہر شی کو حجاب جانتا ہے پس اگر کوئی ایسے شخص کی مدح کرتا ہے تو چونکہ وہ مدح کو اس شخص مادح کیطرف سے جانتا ہے اسلئے تنگ دل ہوتا ہے کہ کہیں اسکی مدح کی وجہ سے میں فتنہ میں نہ پڑجاؤں اور یہ گمان ان زاہدین کا حق بھی ہے واقعی مدح فتنہ کا سبب ہے

اور عارفین کی نظر سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی پر نہیں ہوتی دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب کو نظر حقیقت سے حق تعالیٰ کے افعال اور اسکی قدرت کے عجائبات دیکھتے ہیں اسلئے اگر کوئی ان کی مدح کرتا ہے تو اس مدح کو وہ اپنے مالک حقیقی کی طرف سے دیکھکر مسرور اور منبسط ہوتے ہیں اور اس میں ان کی اور ترقی ہوتی ہے اور چونکہ نفس اور اسکے مزوں سے فانی ہو جاتے ہیں اسلئے ان کو خود پسندی اور عجب کا اندیشہ نہیں ہوتا ان کا یہ خوش ہونا بھی اللہ ہی کیواسطے ہوتا ہے اسلئے ان کو مضر بھی نہیں لیکن چونکہ ایسے عارفین کہ جن کے اندر سے شوائب نفس اس درجہ زائل ہو گئے ہوں کہ کوئی اثر ادنیٰ بھی نہ رہا ہو دنیا میں نادر الوجود ہیں لاکھوں کروڑوں میں ایک ہی ہوتا ہے اور اگر کوئی ہو بھی اس کا بھی نفس سے بالکلیہ ہمہ وقت دہر آن مامون رہنا مشکل ہے اسلئے حدیث شریف میں مدح مطلقاً سبب فتنہ وعجب کا ٹھرائی گئی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے کسی کے منہ پر اسکی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویلك قطعت عنق اخيك او صاحبك یعنی تجھکو ہلاکت ہو تونے تو اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی

اٹھائیسواں باب فراست اور ایک شئے سے دوسری شئے پر استدلال کرنے کے بیان میں

جسکو تو ہر سوال کا جواب دینے والا اور ہر مشاہدہ کا ظاہر کرنیوالا اور ہر علم کا بیان کرنیوالا دیکھے تو اس سے اسکا جہل سمجھ لیجئے ف جس صوفی وسالک کی حالت یہ ہو کہ جو سوال اس سے کیا جائے اسکا جواب دے کسی سوال کے جواب میں اپنی ناواقفیت ونادانی ظاہر نہ کرے اور جن علوم واسرار کو وہ اپنی بصیرت باطنیہ سے مشاہدہ کرتا ہو ان سب کو لوگوں سے بیان کر دے اور ہر علم باطنی کو ظاہر کرتا ہو تو ان علامات سے سمجھ لو کہ یہ شخص جاہل اور احمق ہے اسلئے کہ ہر سوال کا جواب دینا اسکا کام ہے جسکا علم تمام معلومات کے ساتھ محیط ہو اور یہ شان اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ کی ہے آدمی کا علم ہی کیا ہے اور نیز عالم پر یہ ضروری ہے کہ سائل کے حال کی رعایت

سے جواب دے اگر اہلیت اس میں اس سوال کے جواب سمجھنے کی ہو تو جواب دے ورنہ انکار کر دے اسکو اسکی تمیز نہیں ہے اور علوم و اسرار کو جو اپنے یہ بیان کرتا ہے یہ بھی جہل کی دلیل ہے اسلئے کہ یہ اسرار و علوم اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں ان کو ظاہر کرنا خیانت ہے اور نیز بیان کرنے اور عبارت میں لانے سے وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتے بلکہ ان میں اور پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے اسلئے کہ وہ ذوقی و وجدانی علوم ہیں عبارت سے انکا ادا کرنا محال ہے اور نیز بعض علوم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ظاہر کرنے سے ضرر اور فساد کا اندیشہ ہے اسلئے کہ جو اصلی مراد ہے اس تک تو سامعین پہونچ نہیں سکتے اور جو سمجھیں گے وہ غلط ہوگا پس سالک کے لئے لازم ہے کہ سکوت اختیار کرے اور ہر بات کو ظاہر نہ کرے۔

ابتدا سلوک میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا انتہا سلوک میں کامیابی کی علامت ہے

ف جیسے ہر علم و فن میں ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا اسیطرح سلوک میں بھی سالک کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ابتدا تو سلوک اور سیر کی حالت ہے اور انتہا وہ ہے جسکو یہ حضرات وصول و مشاہدہ سے تعبیر فرماتے ہیں مطلب ارشاد شیخ رحمہ کا یہ ہے کہ جس کے ابتدا سلوک میں یہ حالت ہو کہ ہر امر میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اپنی حول و طاقت و عمل و ذکر و شغل و مراقبہ وغیرہ کسی بات پر اسکا اعتماد نہ ہو۔ تو اس علامت سے سمجھ لو کہ یہ شخص انتہا سلوک میں کامیاب ہوگا اور اسکا وصول واقعی وصول الی اللہ ہوگا اور یہ شخص مقبول ہوگا اور اگر ابتدا میں یہ علامت موجود نہ ہو بلکہ اپنے اعمال و اشغال پر معتمد ہو اور مغرور رہو اور سمجھتا ہو کہ یہی ذریعہ وصول کا ہے یا سلوک سے مراتب عالیہ کا خواہشمند ہو تو گو کوئی شیخ اسکو منتہی بتا دے اور سلوک کی انتہا بیان کرے مگر وہ رستہ ہی سے واپس کردیا جائیگا اور مراد کو نہ پہونچے گا پس سالک پر لازم ہے کہ ہر امر میں حق تعالیٰ سے مدد لے اور اپنے مجاہدہ و ریاضت پر مطلق نظر نہ رکھے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا طالب نہ بنے اور کسی ادنیٰ عمل میں بھی اپنی قوت کو دخیل نہ جانے اور یہ قاعدہ سلوک کی بنیاد ہے کہ اسی پر اسکا دارومدار ہے کہ اپنی قوت و حول سے بالکل خارج ہو جانا۔

جس کی ابتدا سلوک اوراد کے التزام کے ساتھہ منور گی اسکی نہایت سلوک بھی انوار و معارف

کے ساتھ روشن ہوگی **ف** سالک کا معاملہ ابتدا ئ تو اعمال و اوراد و ذکر کے ساتھ ہوتا ہے جسکا تعلق جوارح اور ظاہر بدن کے ساتھ ہے اور انتہا میں معاملہ ظاہر سے باطن کی طرف چلا جاتا ہے یعنی معارف و انوار سے قلب کا نور بڑھتا ہے اور شغل اسکا قلب سے ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو سالک اپنی ابتدائی حالت کو منور کرے گا کہ ابتدا میں اوراد کا پابند ہوگا اور طاعات کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرے گا اور اپنے وقت کو فضول نہ جانے دیگا تو اس کی انتہائی حالت نہایت آب و تاب کیساتھ نکلے گی یعنے انوار و معارف کے آفتاب اسپر طلوع ہوں گے اور جو ابتدا میں سست و کاہل ہو اور پابندی ظاہری طاعات کی نہ کرتا ہو اس کی انتہا بھی کمزور ہوگی غرض انتہا کا کامل ہونا ابتدا کے کامل ہونے پر ہے جیسے دیوار کی اگر بنیاد درست ہے تو اوپر سے تمام دیوار مضبوط ہوگی ورنہ جسقدر اسمیں خامی ہوگی اسی قدر اسمیں خامی ہوگی۔

جس نے اپنے عمل کا ثمرہ لذت و حلاوت دنیا میں پالیا تو یہ اسکے آخرت میں قبول ہونے کی دلیل ہے **ف** عبادت کا بدلہ اور ثمرہ اصل تو آخرت میں ملیگا اور بہت سے بندوں کو دنیا میں بھی ثمرہ عطا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عمل میں حلاوت و لذت قلب کو حاصل ہوتی ہے تو جو شخص اپنے عمل میں لذت و حلاوت پاوے تو وہ خوش ہو کہ یہ بات اس عمل کے آخرت میں قبول ہونے اور ثواب کے ملنے کی دلیل ہے لیکن عمل کے اندر حلاوت و لذت کو مقصود نہ جانے کہ یہ اخلاص کے منافی ہے عمل تو بندگی کے لئے ہے خواہ مزہ آوے یا کراہت و گرانی نفس کو ہو۔

طاعت پر دنیا میں ثمروں کا پانا آخرت میں طاعت کرنیوالوں کے لئے ان پر بدلہ ملنے کی مبارکبادیاں ہیں۔ **ف** جو بندے طاعات میں حلاوت و ثمرات و انوار پائیں وہ خوش ہوں اسلئے کہ یہ ان کے لئے اللہ جل وعلا و شانہ کیطرف سے مبارکباد دی اور خوشخبری اس بات کی ہے کہ تمہارے یہ اعمال مقبول ہیں اور آخرت میں انپر بدلہ ملنے والا ہے لیکن یاد رہے کہ اس حلاوت و لذت ہی کو مقصود نہ بنادیں لذت آوے یا نہ آوے عمل کو نہ چھوڑیں اور نہ یہ سمجھیں کہ جس عمل میں لذت نہ آوے اُسپر آخرت میں کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوگا اسلئے کہ ثمرہ دنیوی صرف علامت مقبولیت

کی ہے مقبولیت کی شرط و علت نہیں ہے بسا اوقات عمل میں لذت نہیں آتی اور نفس کو کچھ مزہ نہیں آتا اور وہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں لذت وحلاوت والے عمل سے زیادہ مقبول ہو جاتا ہے۔

جب تو اپنی قدر اسکے نزدیک معلوم کرنا چاہے تو یہ دیکھ کہ اس نے تجھکو کس کام میں لگا رکھا ہے ف جو بندہ یہ معلوم کرنا چاہے کہ میری قدر اور رتبہ میرے رب کریم کے نزدیک کیسا ہے کہ میں اسکے نزدیک مقبول ہوں یا مردود و سعید ہوں یا شقی تو اسکو چاہیئے کہ اپنی حالت میں غور کر لے اور دیکھ لے کہ مجھکو اس نے کس کام میں لگا رکھا ہے اگر نیک عمل اور اپنی عبادت و رضا جوئی میں لگا رکھا ہے تو سمجھ لے کہ یہ بندہ اللہ کے نزدیک مقبول اور سعید ہے اور اگر نافرمانی اور معاصی اور ناراضی میں مبتلا ہے تو سمجھ لے کہ مردود بارگاہ اور شقی ہے

طاعت کے فقدان پر غم کا ہونا اور اسکے ساتھ طاعت کی طرف نہ اٹھنا دھوکہ میں پڑنے کی علامت ہے۔ ف بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسپر بہت مغموم ہوتے ہیں کہ ہمسے خدا تعالیٰ کی طاعت نہیں ہوتی اور بہت آنسو بہاتے ہیں لیکن اسکے ساتھ یہ بات نہیں کہ اسی وقت سے طاعت شروع کر دیں اور معاصی چھوڑ دیں ایسا غم کاذب ہے اور نفس کا دھوکہ ہے۔ غم صادق اور تاسف وندامت صادقہ وہ ہے جو طاعت پر برانگیختہ کرے اور ناکردنی امور کو چھوڑا دے۔

اللہ تعالیٰ کا تجھکو کسی حالت میں مستقیم رکھنا اور اسکے ساتھ نتائج کا بھی حاصل ہونا تجھکو اُس حالت میں خدا تعالیٰ کے قائم کرنے کی علامت ہے۔ ف اللہ تعالےٰ نے جس بندہ کو جس حالت میں قائم فرما دیا وہ حالت خواہ دنیا کی ہو جیسے تجارت یا زراعت یا نوکری میں لگا رکھا ہے یا آخرت کی ہو جیسے تعلیم تدریس یا ترک اسباب کر کے گوشہ میں بیٹھنا ہے اور اس حالت کے ثمرات و نتائج بھی اُسکو حاصل ہیں یعنی دین کے کاموں میں اس کام سے کوئی حرج نہیں ہوتا بلکہ تمام کام بخوبی ہوتے جارہے ہیں تو یہ علامت اس کی ہے کہ حق تعالےٰ کو تیرا اس حالت میں رہنا پسندیدہ ہے اور اپنی پسندیدگی سے اور تیرے لئے خیر جانکر اسمیں مشغول فرمایا ہے تو اب اس بندہ کو چاہیئے کہ خود اس حالت سے علیحدہ اور نکلنے کی خواہش نہ کرے بلکہ شکر کے ساتھ اسمیں رہکر اپنے مولیٰ کی بندگی میں لگا رہے۔

نوافل عبادات کی طرف مسارعت کرنا اور واجبات کی بجاآوری سے سستی کرنا ہوا رنفسانی کے اتباع کی علامت ہے۔ ف بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ نفل عبادات کی بہت حرص کرتے ہیں اور اسمیں مشغول رہتے ہیں مثلاً وظائف بہت پڑھتے ہیں اور روزے نفل بہت رکھتے ہیں اور نوافل بہت ادا کرتے ہیں لیکن واجبات کے ادا کرنے میں سست ہیں مثلاً ان کے ذمہ قرض ہے اور لوگوں کے حقوق ہیں وہ ادا نہیں کرتے یا حج فرض ہے اسکے لئے ہمت نہیں کرتے یا زکوۃ مفروضہ گذشتہ سالوں کی ادا نہیں کرتے یا لوگوں کو ستایا تھا ان سے معافی نہیں کراتے یہ نفس کا دھوکہ ہے اور یہ نفل کی حرص ہوا ر نفسانی کا اتباع ہے اس لئے کہ نفس شہرت پسند ہے نفل میں شہرت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جب واجبات وفرائض ذمہ پر ہیں نفل عبادت کیا کام دیسکتی ہے اسلئے کہ نفل عبادت مثل تجارت کے نفع کے ہے اور واجبات وفرائض اصل سرمایہ ہیں جب اصل سرمایہ میں ہی کمی ہے تو نفع نفع ہی نہیں ہے اسلئے واجبات وفرائض کی بجاآوری نوافل سے مقدم ہونی چاہیئے۔

جو کچھ انوار ومعارف دلوں میں پوشیدہ ودیعت ہیں ان کے آثار وبرکات ظاہری اعضاء کے مشاہدہ میں ظاہر معلوم ہوتے ہیں۔ ف کامل وصاحب باطن کی علامت یہ ہے کہ اسکے دل میں جو انوار ومعارف اللہ تعالیٰ نے ودیعت کی طرح پوشیدہ رکھے ہیں ان کے برکات وآثار چہرہ اور ہاتھ پاؤں پر بھی عیاں ہوں گے اور خود اس کے چہرہ کی حلاوت وبرکت کہے گی کہ میرے اندر کچھ ہے پس جس کے اندر یہ علامت ہو اور متبع شریعت ہو اسکا اتباع کرنا چاہیئے اور اسکی صحبت کو غنیمت جاننا چاہیئے

انتیسواں باب وعظ ونصیحت اور قلوب میں اس کی تاثیر کی شرائط کے بیان میں

جسکو حقائق اور معارف کے اظہار کی اجازت دیجاتی ہے اسکی تصریح خلق کے کانوں میں

پہونچتے ہی سمجھ میں آجاتی ہے اور اسکا اشارہ ان کے نزدیک جلی اور ظاہر ہوتا ہے **ف** جو اسرار و معارف و حقائق اللہ کے بندوں کے دلوں پر اس کی طرف سے وارد ہوتے ہیں وہ راز وامانت ہوتے ہیں اور امانت کو بغیر مالک کی اجازت کے کسی کو دینا جائز نہیں اسلئے وہ حضرات ان اسرار کے ساتھ لب کشا نہیں ہوتے اور کسی پر ظاہر نہیں فرماتے ہیں۔ ہاں جب اجازت اور حکم الٰہی ہو جاتا ہے اسوقت جو بات ظاہر کرنے کی ہوتی ہے اسکو ظاہر فرماتے ہیں تو جن حضرات کو حقائق و معارف کے ظاہر کر دینے اور بیان کرنے کی اجازت ہوتی ہے وہ ایسے حضرات ہوتے ہیں جن کا بولنا اللہ کیواسطے ہوتا ہے یعنی اپنے نفس کی بڑائی اسمیں مطلق نہیں ہوتی اور اللہ کیساتھ ہوتا ہے یعنی اپنے حول و قوت سے نہیں بولتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بمنزلہ آلہ کے ہوتے ہیں کہ بولنے والا کوئی اور ہی ہوتا ہے اور وہ بے حس و قوت رہ جاتے ہیں تو ایسے حضرات کا کلام دو قسم کا ہے ایک تصریح یعنی مقصود کو رمز و اشارہ سے بیان نہ کیا جائے بلکہ صاف عبارت ہو دوسرے اشارہ جو صاف عبارت نہ ہو بلکہ مقصود کی طرف رمز اور اشارہ ہو تو تصریح کی شان یہ ہوتی ہے کہ خلق کے کانوں میں آتے ہی سمجھ میں آجاتی ہے زیادہ تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اشارہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ سامعین کے نزدیک ظاہر اور واضح ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ ان حضرات کا بولنا چونکہ باذن اللہ ہوتا ہے اور نیز جو کچھ وہ بول رہے ہیں اسمیں وہ آلہ محض ہیں اصل میں وہ مضامین غیب سے بواسطہ ان کے آرہے ہیں جیسے بارش کا پانی پرنالے سے ہو کر گذرے اور آرہے ہیں سامعین کے فیض اٹھانے کے لئے اسلئے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں بخلاف اس شخص کے کہ اسکو بولنے کی اجازت نہ ہو اور حقائق و معارف بیان کرے کہ اس کی باتیں کچھ قلوب میں نہ اتریں گی اور نہ اس شخص کو بیان کرنے میں سہولت ہوگی تکلف سے کھینچ کھینچکر مضامین لائیگا اور الفاظ و عبارت میں لاکر ادا کرے گا اور لوگوں کے فہم اسکو قبول نہ کریں گے نہ متاثر ہوں گے پس سالک کو لازم ہے کہ جب تک اسکو اجازت بولنے کی نہ ملے ساکت رہے اور اجازت کی علامت یہی ہے کہ خود بخود غیب سے مضامین قلب میں آکر زبان ان کیساتھ چلنے لگے۔ اور

یہ شخص آلہ و واسطہ محض رہجاے ایسا ہی کلام مفید و موثر ہوگا۔

بسا اوقات حقائق اور معارف تجھ سے بے نور ظاہر ہوتے ہیں جب تجھکو ان کے اظہار کا اذن نہیں ہوتا **ف** جبکہ سالک کی حالت یہ ہو کہ اسکو اظہار حقائق و معارف کی اجازت نہ ہو یعنی بولنے میں اسکے ارادہ و اختیار کو بھی دخل ہو آلہ و واسطہ محض نہ بنا ہو اور وہ شان نہ ہوئی ہو جو برنالے کو بارش کے پانی کیساتھ ہے اور باوجود اس عدم اذن کے پھر وہ حقائق کا اظہار کرے تو وہ حقائق بے نور ہوں گے اسلئے کہ ان میں غیر اللہ کی ظلمت و تاریکی شامل ہوگی پس دلوں میں ان حقائق کی کوئی روشنی و نور نہ آئے گا اور نہ کسی قسم کی تاثیر ہوگی اور اگر کچھ ہوگی وہ پائدار نہ ہوگی اسلئے کہ وہ حقائق غیب سے نہیں آئے بخلاف اس شخص کے جو مسلوب الارادہ ہو گیا اور پھر اسکے قلب پر فیوض کی بارش ہو اور وہ بارش اس کی زبان کے پرنالے سے بہی کہ وہ جس آب و تاب و رونق کیساتھ آئے تھے اسی نور و چمک کے ساتھ قلوب میں آویں گے اور اندر اترتے چلے جائیں گے۔

عارفین اور حکماء امت کے نور ان کے اقوال سے پہلے پہونچتے ہیں تو جس جگہ انوار کی روشنی پہونچ ہے وہیں اقوال بھی پہونچتے ہیں **ف** عارفین جب اللہ کے بندوں کو کوئی وعظ و نصیحت کی بات ہدایت کرنا چاہتے ہیں تو بولنے سے پہلے ان کے دل حق تعالی کی جناب میں متوجہ اور ملتجی ہوجاتے ہیں کہ اے اللہ اپنے بندوں کے دلوں میں استعداد عطا فرما تو اسوقت ان کے دلوں کے نور باطنی سے ایک نور پیدا ہوتا ہے اور ان بندوں کے قلوب کو منور کر کے مستعد بنا دیتا ہے اسلئے اقوال سے پہلے لوگوں کے دلوں میں ان کے نور جا پہونچتے ہیں اسکے بعد وہ کلام فرماتے ہیں تو جن قلوب میں ان انوار کی روشنی پہونچی تھی وہاں ہی ان کے اقوال بھی اترتے چلے جاتے ہیں اور ان باتوں کا اثر ہوتا ہے۔

جو کلام کسی متکلم سے ظاہر ہوتا ہے ضرور اسپر اس قلب کا نورانی یا تاریک لباس ہوتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا **ف** زبان دل کی ترجمان ہے اور دل کے حال کو عیاں کرنیوالی ہے تو جو کلام کسی متکلم کی زبان سے ظاہر ہوتا ہے تو اگر اسکا دل نورانی ہے تو زبان سے جو کلام نکلے گا وہ بھی نورانی لباس سے آراستہ ہو کر ظاہر ہوگا۔ اور دلوں پر اسکا اسی قسم کا اثر ہوگا اور اگر دل کے اندر کدورات و اغراض کی ظلمت

بھری ہوئی ہے تو کلام کے اندر بھی ظلمت کا لباس ہوگا اور اس کا اثر بھی ویسا ہی ہوگا اور دلوں کے اندر نہ اترے گا۔

حقائق اور معارف کا بیان یا تو علوم وجدانیہ کے کثرت فیضان کے سبب سے ہوتا ہے یا کسی مرید کی ہدایت کی غرض سے پہلا تو مبتدی سالکوں کا حال ہے اور دوسرا اہل تمکین اور محققین کا **ف** سالک مبتدی پر جب علوم و واردات کی بارش ہوتی ہے اور دل اسکا ان کو سما نہیں سکتا اسلئے کہ تنگ ہوتا ہے تو وہ اُبل پڑتا ہے اور وہ علوم زبان سے اسکے نکلنے لگتے ہیں اور عارف کامل کا قلب بہت فراخ ہوتا ہے اسکے قلب پر جسقدر بھی علوم آدیں سب کو سما لیتا ہے اور ان علوم پر خود غالب رہتا ہے اسلئے وہ بیان نہیں کرتا ہاں اگر کسی مرید کو ہدایت کرنا ہو اور اسکو تعلیم منظور ہو تو حسب ضرورت بیان فرماتا ہے اول کی مثال تو اس ہنڈیا کی ہے جو آگ پر رکھی ہے اور اُبل رہی ہے۔ اور دوسری قلب کی مثال پختہ شدہ ہنڈیا کی ہے کہ حسب ضرورت اپنے اختیار سے جسقدر چاہیں گے نکالینگے خود اس میں سے ہرگز نہ نکلے گا اسلئے کہ پختہ ہے۔

علوم و معارف کے مختلف بیان محتاج سننے والوں کی غذائیں ہیں اور سوائے اُسکے جو تو کہا سکتا ہے تیرے لئے اور کچھ نہیں ہے۔ **ف** جیسے آدمی کے بدن کی غذا کھانا پانی ہے اسی طرح قلب اور روح کی غذا علوم اور معارف ہیں اسی لئے شیخ کا ارشاد ہے کہ علوم و معارف کے مختلف بیانات حاجتمند سننے والوں کی غذائیں ہیں اور جیسے غذا ہر شخص کی وہ ہے جو اسکے حال کے مناسب ہے ہر غذا ہر شخص نہیں کہا سکتا مثلاً قوی المعدہ شخص جو چاہے کہا سکتا ہے اور ضعیف المعدہ کم کہا سکتا ہے زیادہ کہائیگا تو نقصان ہوگا اور نیز مزاج جیسا ہوگا اُسکے مناسب غذا کھا سکتا ہے یہی حال غذائے باطنی کا ہے کہ ہر علم و معرفت کی بات ہر شخص کے مناسب نہیں ہے جس کے قلب کی جسطرح کی گنجایش ہے اسکے موافق حصہ لیتا ہے اسلئے فرماتے ہیں کہ تیرے لئے اُسکے سوا کچھ نہیں ہے جو تو کہا سکتا ہے

تیسواں باب شکر کے بیان میں

جو شخص اللہ تعالی کی طرف اسکی مہربانیوں اور احسانات سے متوجہ نہ ہوا تو وہ آزمائش کی زنجیروں میں اسکی طرف کھینچا جائیگا۔ ف جن بندوں کے نفوس کے اندر کرم اور عقل صحیح ہے وہ وہ حق تعالی کی نعمتوں اور احسانات نوع بنوع سے مغرور نہیں ہوتے اور غفلت و بطالت و حُبِ دنیا میں مشغول نہیں ہوتے بلکہ یہ نعمتیں ان کو منعم کی محبت بڑھاکر طاعت اور بندگی میں مشغول کر دیتی ہیں اور جو بندے ان احسانات اور نعمتوں سے اسکی طرف متوجہ نہیں بلکہ ان نعمتوں ہی کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں وہ آزمائش اور مصائب اور قسم قسم کی تکلیفوں میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور یہ مصائب ان کے لئے بمنزلہ زنجیروں اور بیڑیوں کے ہوکر ان کو مولی حقیقی کی طرف کھینچتی ہیں بہر حال ان کو اللہ تعالے اپنا بنا لیتے ہیں۔ ان کے لئے یہ مصائب ہی نعمت بنجاتے ہیں۔

جو نعمتوں کا شکر بجا نہ لایا وہ ان کے زوال کے درپے ہوا اور جو شکر بجالایا اُسنے ان کو گویا مضبوط شکیل میں باندہا۔ ف جو شخص اللہ تعالی کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا اور شکر یہ ہے کہ نافرمانی کو چھوڑ دے اور طاعت اختیار کرے اور تمام نعمتوں کا دینے والا ذات واحد کو جانے تو گویا وہ ان نعمتوں کے زوال کے درپے ہے اسلئے کہ ناشکری سے نعمت جاتی رہتی ہے اور جس نے کا شکر کیا اور اپنے منعم حقیقی کو پہچانا اس کی نعمتیں باقی رہیں گی۔ بلکہ اور بڑہیں گی چنانچہ ارشاد ہے لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید یعنی ہم قسم کہا کہتے ہیں کہ اگر تم شکر کروگے تو میں تم کو ضرور زیادہ دوں گا اور قسمیہ کہتے ہیں کہ اگر ناشکری کروگے تو یاد رکھو کہ میرا عذاب البتہ بہت سخت ہے۔

گاہے تجھ پر تاریکیاں اسلئے پہنچیں کہ تجھکو اپنے انوار و تجلیات کے احسانات کی قدر معلوم کرائے ف بندہ کی اس دنیا میں یکساں حالت نہیں رہتی ہے کبھی طاعت کا نور اور تجلی اسپر وارد ہے

تو دوسرے وقت غفلت وشہوات وکدورات کی تاریکیاں قلب پر چھا جاتی ہیں اور یہ اسواسطے کہ اگر انوار وتجلیات ہی رہیں تو ان کی قدر اس بندہ کو نہ ہوگی اور نیز نور کا نور ہونا بھی اس کی ضد یعنی ظلمت ہی سے معلوم ہوگا اور جب قدر نہ ہوئی تو شکر مولی کا ادا نہ ہوگا اسلئے بسا اوقات غفلت وشہوت کی تاریکی بھی جاتی ہے تاکہ نور طاعت کی قدر ہو۔

جس نے نعمتوں کی قدر ان کی موجودگی میں نہ پہچانی وہ ان کے نقدان کے بعد ان کی قدر پہچانیگا

ف بندوں پر اللہ تعالی کی نعمتیں بیشمار ہیں ہر وقت اور ہر آن نعمتوں میں غرق ہیں لیکن اکثر ان نعمتوں کی قدر نہیں جانتے اور ناشکری کرتے ہیں اور بعض تو مولی حقیقی کا شکوہ کرتے ہیں اور اپنی حالت ہمیشہ بری ہی ظاہر کرتے ہیں ایسے لوگ نعمتوں کی قدر اسوقت جانتے ہیں جب وہ نعمتیں پاس سے جاتی رہتی ہیں اسوقت ان نعمتوں کی قدر ہوتی ہے۔

شکر کے حقوق کی بجا آوری سے متواتر نعمتیں تجھکو غافل اور مدہوش نہ کریں کیونکہ یہ تیری موجودہ قدر ومنزلت کو گرادیگا۔ **ف** شکر کے ادا کرنے سے انسان کو دو چیزیں غفلت میں ڈالتی ہیں یا تو حق تعالی کی نعمتوں کو قلیل اور حقیر جانتا اور یا اتنا کثیر سمجھنا کہ یہ خیال کرے کہ میں شکر کو پوری طرح ادا تو کر نہیں سکتا اسلئے عاجز ہوکر شکر کو چھوڑ دے اسی کی نسبت شیخ رح کا یہ ارشاد ہے فرماتے ہیں کہ ایسا شکر نہ ہو کہ حق تعالی کی متواتر نعمتیں تجھکو شکر کے حقوق کی بجا آوری سے غافل اور مدہوش کردیں کہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اتنی بہت سی نعمتوں کا میں شکر نہیں ادا کر سکتا تو شکر کو چھوڑ بیٹھے کہ یہ بات تیری قدر ومنزلت موجودہ کو گرا دے گی اور تجھکو پستی کی اندر لے جائے گی اسلئے کہ حق تعالی نے تو اپنے فضل سے تیری قدر کو اعلی وارفع بنایا ہے اور تیری ایک نیکی کو دس ٹھیرایا ہے اور تیرے تھوڑے سے عمل کو بہت کیا ہے کہ جسکا مقتضے یہ ہے کہ تو ہر وقت شکر اور عمل میں لگا رہے اور نیز یہ بات تیرے ایک بہت بڑے جہل کو بتلا رہی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرا خیال ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ اپنی قوت سے کر رہا ہوں حالانکہ یہ بالکل جہل ہے تیرے تمام افعال کا مالک حق تعالی ہے تیرے ہاتھوں اور تیرے بدن سے وہ کام لیتے ہیں اور اپنے افعال کو تیری طرف نسبت فرماکر تجھکو مصلی اور ساجد وراکع وعابد

وشاکر وخاشع وذاکر کے القاب سے معزز کرتے ہیں ورنہ تیری کیا اصل ہے کہ تو ایک ذرہ بھی ہلاسکے یہ تو حق تعالیٰ کا تجھ پر احسان ہے اور تیری قدر افزائی ہے پس شکر کو نہ چھوڑنا چاہیئے۔

جب تجھ کو طاعت اور طاعت کے ساتھ ماسوائے استغنا عطا فرمائی تو تجھکو اپنی نعمتیں ظاہری

اور باطنی پوری دیدیں ف اللہ تعالیٰ جب بندہ کو اپنی طاعت میں مشغول فرمالیں اور منہیات سے اسکو الگ رکھیں اور اس طاعت کے ساتھ یہ بات بھی نصیب فرمادیں کہ اپنے ماسوائے استغنا ہو تو اس بندہ پر تمام نعمتیں ظاہری اور باطنی پوری پوری فائض فرمادیں اب کوئی نعمت ایسی نہیں جس کی یہ حرص کرے۔ ظاہری نعمت تو یہ ہے کہ اسکے جوارح کو اپنے کام میں لگا رکھا ہے اور باطنی نعمت یہ ہے کہ اسکے قلب کو اپنے غیر کی غلامی سے رہا کرکے اپنے میں مشغول کرلیا اس بندہ کو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

تجھکو بقدر کفایت دینا اور جو تجھکو سرکش بنادے اس سے روکدینا اس کی تجھپر پوری نعمت ہے

ف رزق کی زیادتی اکثر اوقات بندہ کو سرکشی اور غفلت کے اندر ڈالتی ہے۔ اور بندہ نعمتوں میں مست ہوکر اپنے مولیٰ کو بھول جاتا ہے اسی طرح ضروریات سے کم ملنا بھی اسکے دل کو شورش اور پریشان کرکے راہ مولیٰ سے علیحدہ کرتا ہے اور اسکی مشغولی میں خلل انداز ہے اور بقدر کفایت ملنا کہ نہ اتنا کم ہے کہ ضروری حاجت بند ہو اور نہ اسقدر زیادہ جو سرکش بنادے یہ حق تعالیٰ کی پوری نعمت ہے پس اب اس بندہ کو لازم ہے کہ بفراغ قلب اپنے مولیٰ کی راہ میں لگے۔

جب تجھکو ظاہر میں اپنے حکم کا فرمان بردار بنایا اور باطن میں اپنے قہر کا منقاد ٹھہرایا تو تجھ پر

بہت بڑا احسان فرمایا ف بندہ کو اللہ تعالیٰ نے اگر دو نعمتیں عطا فرمائی ہوں تو اس سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں اول تو یہ کہ ظاہر اسکا اپنے مولیٰ کا فرمانبردار ہو یعنی ظاہر بدن سے طاعت و عبادات میں مشغول رہتا ہو۔ اور باطن کی حالت اس کی یہ ہو کہ قضا و قدر سے جو احکام اسپر وارد ہوں خواہ طبعاً گوارا ہوں یا ناگوار ان سب سے راضی اور سرجھکانے والا ہو ان دو نعمتوں میں تمام دین و دنیا کی خوبیاں جمع ہوگئیں اسکے بعد کسی کی ضرورت نہیں اسلئے کہ بندہ کا کمال عبودیت ہے۔ اور اس بندہ کو عبودیت ظاہر

اور باطن کی میسر ہے۔

مراسلہ جو اپنے بعضے دینی بھائیوں کو مراتب شکر کے بیان میں لکھا

اگرچہ دل کی آنکھ دیکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے انعام اور احسان میں یکتا ہے لیکن شریعت مخلوق کے
شکر کے ضروری ہونیکا بھی حکم فرماتی ہے ف دل کی آنکھ جس سے حقائق امور کا ادراک ہوتا ہے وہ صاف دیکھ
رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت دینے اور احسان فرمانے کی صفت میں واحد دیکتا ہے کوئی اسکا شریک
نہیں یعنی نعمت دینے والا سوائے اسکے کوئی نہیں ہے پس منعم اور محسن اس کے سوا کوئی نہیں ہے لیکن
شریعت جسکا مدار اس عالم کے اسباب ومسببات پر ہے وہ مخلوق کے شکر کے ضروری ہونیکا بھی
حکم فرماتی ہے کہ جو نعمت رسانی کے وسائط ظاہرہ ہوں ان کا بھی شکر کیا جائے اگرچہ دینے والا اللہ
تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے آدمیوں کا شکر نہ کیا
اس نے خدا کا بھی شکر نہ کیا

اور اس بارہ میں لوگ تین قسم کے ہیں ایک تو اللہ تعالیٰ سے غافل اپنی غفلت میں ڈوبا ہوا۔
اسکی ظاہری ادراک کا دائرہ قوی اور اسکی نظر بصیرت جو اللہ تعالیٰ کی پاک دامنی کے فہم کا سرچشمہ
اندھی ہے اسنے احسان کو مخلوق سے دیکھا اور پروردگار عالم سے اسکا مشاہدہ نہ کیا۔ اگر اس نے اپنے
اصل اعتقاد سے ایسا سمجھا اسکا شرک تو ظاہر اور جلی ہے اور اگر مخلوق کو صرف سبب خیال کیا اور سبب
ہونے کی وجہ سے عطا کی مخلوقات کی طرف نسبت کی اسکا شرک خفی ہے ف بندوں کو جو نعمتیں
حق تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہیں تو اس بارہ میں تین قسم کے بندے ہیں ایک وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے
غافل ہے اور اپنی غفلت میں غرق ہے کہ کسی طرح اسکو تنبہ نہیں ہے اور اسکا ادراک صرف مخلوقات
ظاہرہ کے اندر محدود ہے مخلوقات سے باہر ایک قدم بھی باہر نہیں اور اسکی نظر بصیرت یعنی دل کی سمجھ
کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی پاکی سمجھی جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی صفات کا علم اس سے ہوتا ہے۔ وہ بالکل اندھی ہے۔
اس کی حالت تو یہ ہے کہ وہ نعمت اور احسان کو مخلوق کی طرف سے جانتا ہے اور پروردگار عالم سے اسکو

نہیں دیکھتا مثلاً زید اسکو تنخواہ دیتا ہے تو وہ زید کو ہی معطی جانتا ہے تو اگر اعتقاد یہی اسکا یہی ہے کہ واقع میں دینے والا زید ہے تو یہ شخص تو ایمان سے نکلکر کفر میں داخل ہوگیا اور اُسکا شرک بالکل ظاہر اور کھلا ہوا ہے کہ اعطار کی صفت میں مخلوق کو شریک ٹھرایا۔ اور اگر مخلوق کو محض سبب اور واسطہ جانتا ہے اور اصل دینے والا خدا تعالی کو سمجھتا ہے اور اس سبب و واسطہ ہونیکی وجہ سے عطار کو مخلوق کی طرف نسبت کرتا ہے مخلوق کو معطی حقیقی نہیں جانتا تو یہ شخص مومن ہے۔ مگر شرک خفی میں مبتلا ہے اسلئے کہ مخلوق کو ایک درجہ میں عطا کے اندر دخیل سمجھ رہا ہے۔

اور دوسرا صاحب حقیقت ہے جو بادشاہ عالم حق جل وعلا کا مشاہدہ کرکے مخلوق سے بیخبر ہوا اور مسبب الاسباب کا مشاہدہ کرکے اسباب سے لاعلم ہوا یہ بندہ فی الحقیقت بارگاہ حق سبحانہ کی طرف منہ کئے ہوئے ہے اس بارگاہ متعالی کی روشنی اسپر غالب ہے حق سبحانہ کے رستہ کا چلنے والا ہے اس کے انتہا پر پہونچ گیا ہے مگر یہ کہ یہ انوار و تجلیات کے دریا میں غرق ہے اسکی نظر بصیرت آثار کے دیکھنے سے اندھی ہے۔ اس کی بے ہوشی اسکی ہوشیاری اور مقام جمع یعنی رویت صرف حق سبحانہ مقام فرق (یعنی رویت حق کے ساتھ رویت خلق) پر اور اس کی فنا اس کی بقا پر اور اسکی غیبت اسکے حضور پر غالب ہے

ف دوسرا بندہ وہ ہے کہ اس عالم ظاہری سے اسکی نظر بصیرت علیحدہ ہوکر اس کی نظر حقیقت بین ہوگئی ہے اور بادشاہ عالم حق جل وعلا شانہ کا مشاہدہ کرکے مخلوق سے بیخبر ہوگیا مخلوق کی طرف بالکل التفات نہیں رہا۔ اور دوئی کے بوسے نکلکر وحدت کے میدان میں پہونچ گیا مسبب الاسبات کے مشاہدے اسباب سے لاعلم ہوگیا اسباب اس کی نظروں سے نکل گئے۔ اس بندہ کا رُخ بارگاہ حق کی طرف ہے اور حقیقت کی روشنی کا اسپر غلبہ ہے حق سبحانہ کے رستہ میں چلکر اس کی انتہا کو پہونچ گیا ہے تو یہ بندہ اہل غفلت کے اعتبار سے کامل ہے لیکن اکمل و افضل مرتبہ پر نہیں پہونچا اور صحو و ہشیاری کے مقام میں نہیں آیا اسلئے کہ انوار و تجلیات کے دریا میں غرق ہے اسلئے مخلوقات و مصنوعات کے دیکھنے سے اسکی نظر بصیرت اندھی ہے وحدت کے سوا کوئی شے اسکے سامنے نہیں ہے اس کی بے ہوشی اس کی ہوشیاری پر غالب ہے اور مقام جمع یعنی مشاہدۂ حق کا اُسپر غلبہ ہے اور مقام فرق یعنی رویت

حق کے ساتھ مشاہدہ خلق) اسکا مغلوب ہے۔ اور فنا یعنی وجود حق کے سامنے اپنے اور سب کے وجود کا ہلاک اس پر غالب ہے۔ اور بقا یعنی بعد فنا کے جو التفات خلق کی طرف عطا ہوتا ہے وہ اسکو نصیب نہیں ہے اور غیبت اسکی حضور پر غالب ہے یعنی مخلوق نظروں میں نہیں رہی تو یہ بندہ شکر علی النعمت میں کامل ہے۔ اور یہ سوائے مولیٰ تعالیٰ شانہ کے کسیکا شکر ادا نہ کرے گا اور خلق کا شکر جو واجب ہے اسکو ادا کرنے سے یہ معذور ہے اس سے ادا ہی نہ ہوسکیگا اسلئے کہ اسکی نظر وسائط واسباب سے بالکل اٹھ گئی۔ اس کی نظر میں سوائے مولیٰ کے کوئی رہا ہی نہیں۔ پھر شکر کس کا ادا کرے گا۔

اور تیسرا اس سے بھی زیادہ کامل بندہ جو توحید کی شراب پیکر بھی ہوشیاری میں پڑا۔ اور اغیار کی رویت سے غائب ہوکر بھی خلق کے احوال کا اسکو حضور زیادہ ہوا نہ اسکو رویت حق رویت خلق سے روکتی ہے اور نہ رویت خلق رویت حق سے پردہ کرتی ہے نہ اسکی فنا بقا سے مانع ہے۔ اور نہ بقا فنا سے حاجب ہے ہر ایک حصہ والے کو اسکا حصہ اور ہر ذی حق کو اسکا حق پورا دیتا ہے **ف** تیسرا بندہ وہ ہے جو دوسرے سے زیادہ کامل ہے کہ اسنے توحید کی شراب پی اور فنا اور ماسوا سے فانی ہوکر مقام بقا میں پہونچگیا اور باوجود بے ہوشی کے ہوشیاری میں پڑا ہوا ہے اور غیر اللہ کے دیکھنے سے غائب ہوکر بھی خلق کے احوال کو دیکھتا ہے مخلوق اسکے لئے جمال حق کے دیکھنے کا آئینہ بن گئی ہے رویت حق اسکو رویت خلق سے نہیں روکتی ہے اور نہ رویت خلق رویت حق کے لئے سدراہ ہے اور نہ فنا اس کی بقا سے مانع ہے اور نہ بقا فنا سے حاجب ہے باہمہ اور بے ہمہ اسکی شان ہے عین مجلس اور محفل میں خلوت گزیں ہے اور عین خلوت میں محفل آرا ہے ہر ایک حصہ والے کو اسکا حصہ اور ہر ذی حق کو اسکا پورا حق دیتا ہے یعنی خلوت کا جیسا شکر واجب ہے وہ بھی ادا کرتا ہے اور حق کا جیسا شکر واجب ہے۔ اس سے بھی غافل نہیں ہے اسکا حال نہ تو اس غافل کا سا ہے کہ خلق میں مبتلا ہوکر خالق سے بیخبر و غافل ہوگیا اور نہ اس فانی کا سا ہے کہ مشاہدہ حق میں لگ کر خلق سے بالکل لاعلم ہوگیا ایسا شخص شکر کا کامل درجہ اور ہر پہلو ادا کرنے والا ہے۔ کسی جہت سے افراط و تفریط میں واقع ہونے والا نہیں ہے۔ پس یہ دو شخص ہوئے ایک تو وہ جو مشاہدہ حق میں غرق

ہے۔ اور خلق سے بے خبر ہے یہ تو چونکہ حقیقت کا اسپر غلبہ ہے اسلئے خلق کے شکر سے بے خبر ہے
اور دوسرا کامل جو شاہدہ حق کے ساتھ ملتفت الی الخلق بھی ہے۔ فنا کے ساتھ بقا میں بھی کامل ہے
یہ حق اور خلق دونوں کا علی حسب المراتب شکر کریگا۔ چنانچہ اگلے ارشاد میں دونوں کو ایک مثال
سے واضح فرماتے ہیں اور وہ مثال بطور دلیل کے بھی ہے۔

چنانچہ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بہتان سے، پاکدامنی حضرت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی زبان پر نازل ہوئی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا کہ اے عائشہ
اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا
کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں کسی دوسرے کا شکریہ ادا نہ کروں گی میں صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا
لاؤں گی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو ان کو مقام اکمل مقام بقا کے (جو آثار اور مخلوقات کے ثابت
ہونیکو مقتضی ہے۔) رہنمائی کی تھی (دیکھو) حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں جس نے لوگوں کی شکر گذاری نہ کی وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر
بجا نہ لایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسوقت اپنی موجودہ حالت میں محو اور آثار
سے غائب تھیں اسلئے انہوں نے سوائے واحد قہار کے کسی دوسرے کا شاہدہ نہ کیا ف حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے تہمت لگائی تھی جس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کئی
روز تک غمگین رہے اور حق الامر کے جویاں رہے اول اول تو اسکی خبر حضرت صدیقہؓ کو ہوئی
نہیں جب خبر ہوئی تو بیحد رنج وغم طاری ہوا اور اسی غم میں بہت نحیف ہوگئیں اور پہلے سے بیمار بھی تھیں
اور اسپر یہ حضور کی ویسی عنایت جو پہلے سے تھی اپنے اوپر نہ دیکھنے سے ہر وقت غم میں گھلتی تھیں اور
حضور واقعہ کی تحقیق ہر ایک سے فرماتے تھے اسی غم میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور سے اجازت
لیکر اپنے والدین کے گھر تشریف لیگئیں ایک دن حضور بھی وہاں تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ
سے فرمایا کہ اے عائشہ اگر تم سے گناہ ہوگیا ہے تو توبہ کرو۔ اور اور بھی کلمات فرمائے حضرت عائشہ نے اپنے
ماں اور باپ سے کہا کہ میری طرف سے حضور کو جواب دو انھوں نے کہا کہ ہم حضور کے سامنے کیا بول سکتے ہیں

یہ سنکر حضرت عائشہ خود کھڑی ہوئیں اور بعد حمد الٰہی کے فرمایا کہ میرا اور تمہارا حال یوسف علیہ السلام کے باپ کا سا ہے کہ بھائیوں نے جب آکر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کہا گیا اور کرتہ خون آلود سامنے ڈالدیا تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون یہ کہکر بیٹھی ہی تھیں کہ وحی کے آثار شروع ہوگئے جب حضور کو اس حالت سے افاقہ ہوا تو آپکا چہرہ مبارک خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا کہ اے عائشہ خوش ہو اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت فرمائی اور سورہ نور کی آیتیں ان الذین جاءو بالافک عصبۃ منکم الخ جو اسی وقت نازل ہوئی تھیں جنمیں بہتان لگانے والوں کو سخت وعید ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے حضور نے پڑھکر سنائیں اسوقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عائشہ اٹھو اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو کہ حضور کی بدولت تمہارا دامن مخلوق کے نزدیک اس دھبہ سے پاک ہوا تو حضرت صدیقہ رضی نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی کا شکر ادا نہ کروں گی میں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی پس اس قصہ سے مقام فنا اور مقام بقا دونوں کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو مقام اکمل یعنی مقام بقا کی طرف رہنمائی کی اور مقام بقا میں آثار اور مخلوقات کی طرف جمال حق کے آئینہ ہونیکے اعتبار سے التفات ہوتا ہے اور حق اور خلق دونوں کا حق اس مقام میں بندہ ادا کرتا ہے تو مقصود یہ تہا کہ حق تعالیٰ کا شکر تو حقیقتاً واجب ہی کہ اصل نعمت تو اسی کی طرف سے تم کو ملی باقی جن ذات کے واسطہ سے ملی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا شکر بھی ادا کرو اسلئے کہ خالق کا شکر بھی واجب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے لوگوں کی شکر گزاری نہ کی وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی بجا نہ لایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسوقت اپنی موجودہ حالت میں آثار اور مخلوق کے دیکھنے سے غائب تہیں مخلوق ان کی نظروں میں نہ تھی اسلئے اسوقت انھوں نے سوائے واحد قہار لاشریک لہ کے کسی دوسرے کا مشاہدہ نہ کیا اور بے تکلف فرمایا کہ سوائے اسکے کسیکا شکر ادا نہ کروں گی۔

اور یہ حالت حضرت صدیقہؓ کی اسوقت تھی ورنہ اور اوقات میں وہ مقام اکمل کے مرتبہ علیا سے مشرف
تھیں اور فنا و بقا دونوں سے حصہ کاملہ رکھتی تھیں۔

مراسلہ مراتب شکر کے بیان میں

انعام اور احسان الٰہی کے وارد ہونے میں لوگ تین قسم کے ہیں پہلے تو وہ لوگ ہیں جو
احسانات کے ساتھ خوش ہوتے ہیں اور اتراتے ہیں لیکن نہ ان کے ہدیہ بھیجنے والے اور پیدا کرنے
کی حیثیت سے بلکہ صرف اپنا نفع حاصل ہونے کے لحاظ سے یہ لوگ تو غافل ہیں ان پر اللہ تعالیٰ
کا ارشاد آخر جب ہماری دی ہوئی چیز پر اترائے تو ہمنے دفعتاً ان کو پکڑ لیا پورا صادق ہے ف بندوں
پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور احسانات ہیں اس بارہ میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ لوگ
ہیں جو نعمتوں میں مست ہیں اور انپر اتراتے ہیں لیکن انکا یہ خوش ہونا اس حیثیت سے نہیں
کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں ہمکو بھیجی ہیں یہ اسکا احسان ہے اور اس کی عنایات ہیں ان کا خوش ہونا
اس لحاظ سے ہے کہ مزے اڑاتے ہیں اور نفع حاصل کرتے ہیں اپنے مزہ میں آکر مولے اور منعم
حقیقی سے بالکل غافل ہیں انپر تو اللہ تعالے کا یہ ارشاد ہی حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذناھم
بغتۃ یعنی جب ہماری ہی ہوئی چیز پر اترائے تو ہم نے انکو دفعتاً پکڑ لیا پورے طور سے صادق ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جنکا احسانات سے خوش ہونا انکے بھیجنے والے کی منت اور انکے
پہونچانے والے کے مشاہدہ کے لحاظ سے ہو انپر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تو کہہ اللہ تعالے کے فضل اور
اس کی رحمت سے سو اسی پر وہ خوش ہوں یہ اس سے بہتر ہے جو فراہم کرتے ہیں" راست
آتا ہے۔ ف دوسری نعمت کے بارہ میں وہ لوگ ہیں جو نفس نعمت سے نہیں خوش ہوتے ہیں
بلکہ اس لحاظ سے خوش ہوتے ہیں کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں بھیجی ہیں یہ اسکا احسان ہے اور اسکا
ہمپر فضل ہے اور اسی کا شکر ادا کرتے ہیں انپر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے قل بفضل اللہ
وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے

فضل اور اُسی کی رحمت کے ساتھ چاہیے کہ خوش ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل دنیا کی اُن چیزوں سے بہتر ہے جنکو یہ لوگ فراہم اور جمع کرتے ہیں پس یہ لوگ اپنے مولیٰ سے غافل نہیں ہیں اگرچہ حال ان کا ابھی اکمل وافضل حالت کے اعتبار سے ناقص ہے اسلئے کہ اِن کے نفس کو التفات نعمت کی طرف ہے تمام تر توجہ منعم کی طرف نہیں ہے۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ احسانات کے ظاہری تمتع اور نہ باطنی منت کے مشاہدہ میں مشغول ہوکر اپنے محسن سے غافل ہوئے بلکہ جمالِ محبوب کے دیدار نے جمیع ماسوا سے اُنکو محو کردیا اور اِن کے دل کے مختلف ارادے اُس محسن حقیقی پر مجتمع ہوگئے وہ بجز اُسکے کسی دوسری چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "تو کہہ اللہ تعالیٰ پھر اُنکو انکے باطل میں کھیلتا چھوڑ" صادق ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام پر وحی بھیجی اے داؤد میرے سچے بندوں سے کہدو کہ میرے ہی ساتھ خوش ہوں اور میرے ذکر کے ساتھ ہی دل ٹھنڈا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری فرحت اپنی اور اپنے انعام کی رضامندی کیساتھ فرمائیے اور ہمکو اپنی سمجھنے والوں میں سے بنائے اور غافلوں میں سے نہ کرے اور اپنے کرم و احسان سے ہمکو اہل تقویٰ کے راستہ پر چلاوے ف تیسرے وہ لوگ ہیں جو احسانات و نعمتوں کے ظاہری نفع اور مزہ میں لگ کر غافل نہیں ہوئے اور نہ باطنی منت میں گئے کہ اِن نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کی علامات سمجھیں اسلئے کہ اسمیں بھی غیر اللہ کیطرف التفات ہے بلکہ وہ تو محبوب حقیقی کے جمال کے دیدار میں ایسے مشغول ہوئے کہ سوائے مولیٰ حقیقی کے نعمت اور غیر نعمت سب ان کے قلب سے نکل گئی نہ تو وہ پہلے گروہ کی طرح صرف نعمت ہی کیطرف ملتفت ہیں کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کے مزہ میں لگ کر اپنے مولیٰ سے غافل ہوگئے اور نہ دوسرے گروہ کی طرح نعمت کی طرف اس حیثیت سے مشغول و مائل ہیں کہ وہ نعمت اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس صورت میں یہ حضرات نعمت کیطرف متوجہ ہیں بلکہ وہ تو اپنے مولیٰ کے جمال میں محو ہیں اور اِن کے دل کے مختلف ارادے اور خواہشیں محسن حقیقی کی ذات میں مجتمع ہوگئیں ہیں انکی توجہ نعمت کی طرف کسی حیثیت سے نہیں ہے وہ بجز اُسکی ذات کے کسی دوسری چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے

ان حضرات کے بارہ میں حق تعالیٰ کا یہ قول صادق ہے قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کہہ میرا محبوب اللہ ہے پھر اُنکو اُنکے باطل میں کھیلتا چھوڑ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیٰ نبیا وعلیہ السلام پر وحی بھیجی اے داؤد میرے سچے بندوں سے کہدے کہ میرے ہی ساتھ خوش ہوں اور میرے ذکر کے ساتھ ہی دل ٹھنڈا کریں دنیا اور دنیا کی لذتوں سے نہ خوش ہوں اور نہ اُس سے دل ٹھنڈا کریں اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری فرحت اپنی اور اپنے انعام کی رضامندی کے ساتھ فرمادے اور سبکو ان لوگوں سے بنائے جو اسکی ذات وصفات کو سمجھنے والے ہیں اور اہل غفلت سے نہ کرے اور اپنے کرم واحسان سے ہمکو اہل تقوی کے راستہ پر چلادے آمین۔

خاتمہ اپنے پروردگار جل ذکرہ کے ساتھ مولف رضی اللہ تعالے کی مناجات کے بیان میں

الٰہی جب میں اپنے غنا کی حالت میں بھی محتاج ہوں تو اپنے فقر کی حالت میں کیونکر فقیر ومحتاج نہ ہونگا ف۔ اے اللہ میری صفت اصلی فقیری اور احتیاج ہے فقر اور احتیاج میرا ذاتی امر ہے جو کسی حالت میں مجھ سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اور غنا میرا عارضی امر ہے پس جب غنا کی حالت میں بھی میں حاجتمند ہوں تو فقر کی حالت میں تو کیسے فقیر ومحتاج نہ ہونگا پس میں ہر حال میں تیرے در کا گدا اور محتاج ہوں۔

الٰہی جب میں اپنے علم کی حالت میں بھی جاہل ہوں تو اپنے جہل کی حالت میں کیسے سخت جاہل ونادان نہ ہونگا ف آدمی کے اندر اصلی امر کے کمال کا نہ ہونا ہی کمال عارضی امر ہے پس جہل انسان کی صفت اصلی ہے اور علم عارض ہے اور جو عارضی امر ہے وہ زائل ہونیوالا ہے اسی بناپر فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں اپنے علم کی حالت میں بھی جاہل ہوں اسلئے کہ میرا علم کوئی شئی نہیں ہے جو کچھ ہے آپکی صفت کا پرتو ہی تو جہل کی حالت میں کیسے سخت جاہل ونادان نہ ہونگا۔

الٰہی تیری تدبیر کے اختلاف اور تیری تقدیر کے سرعت نزول نے تیرے عارفین بندوں کو تیری عطا پر مطمئن ہونیسے اور مصیبت میں تجھ سے ناامیدی سے روکدیا ف تدبیر کا اختلاف اس کا نوع بنوع کے ساتھ بدلنا ہے کہ بندہ کبھی فقیر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے لئے غنا مقدر فرماتے ہیں اور کبھی امیر ہوتا ہے تو اسکے لئے فقیری مقدر کیجاتی ہے کبھی مریض ہوتا ہی تو صحت اسکے لئے مقدر ہوتی ہے کبھی تندرست ہوتا ہے تو مرض اسکو آتا ہے اور تقدیری امور کا تیزی کے ساتھ اترنا بھی یہی ہے کہ کبھی بندہ کا حال کچھ ہے کبھی کچھ ہے ان دونوں باتوں نے تیرے عارفین بندوں کو تیری عطا پر مطمئن ہونے سے روک دیا چنانچہ جب ان حضرات کو دنیوی عطائیں مال اولاد وغیرہ عطا ہوتی ہیں یا دینی عطائیں جیسے علوم اور معارف اور اسرار و مکاشفات وغیرہ تو ان عطاؤں کی طرف انکو التفات نہیں ہوتا اور نہ ان میں سے کسی عطا پر مطمئن ہوتے ہیں اسلئے کہ خوب سمجھ گئے ہیں کہ یہ چیزیں آنے جانیوالی ہیں اپر کیا دل ڈالا جائے اور نیز مصائب میں تجھ سے ناامیدی کو بھی روکدیا کہ جب مصائب ان حضرات پر واقع ہوتے ہیں تو رحمت سے مایوس نہیں ہوتے اسلئے کہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مصیبت رہنے والی شئے نہیں زائل ہو جائیگی

الٰہی مجھ سے وہ ہے جو میرے بدی اور کمینگی کے لائق ہے اور تجھ سے وہ ہے جو تیرے کرم کو سزاوار ہے۔ ف اے اللہ مجھ سے یہ ہی افعال صادر ہوتے ہیں جو میری کمینگی کے لائق ہیں یعنی معاصی و غفلت اسلئے کہ انسان کی شان یہ ہے کہ رب کے حقوق اس سے ادا نہ ہوسکیں اور تیری طرف سے وہ معاملات میرے ساتھ ہیں جو تیرے کرم کے سزاوار ہیں اور وہ عفو و مغفرت و درگذر و ستاری ہے۔

الٰہی تو نے میری ناتوانی کے وجود سے پہلے اپنے آپکو میرے ساتھ لطف و مہربانی سے متصف فرمایا تو کیا اب میری ناتوانی کے وجود کے بعد مجھکو لطف و مہربانی سے محروم فرمائیگا ف اے اللہ میری ناتوانی و ضعف کا اسوقت وجود بھی نہ ہوا تھا کہ تیری ذات لطف و مہربانی کے ساتھ موصوف تھی اسلئے کہ رحیم اور رؤف تیرے نام پاک تو ازلی ہیں تو کیا یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ

جب میری ناتوانی و ضعف کا وجود ہوا تو مجھپر لطف و رحم نہ فرمائیگا ہرگز نہیں۔

الٰہی اگر مجھ سے نیکیاں ظاہر ہوں تو تیرا فضل اور تیرا مجھ پر احسان اور اگر مجھ سے برائیاں ہوں تو تیرا عدل اور تیری مجھ پر حجت ثابت۔ ف اے اللہ اگر مجھ سے طاعات اور نیکیاں صادر ہوں تو یہ میری قوت اور میری طاقت سے نہیں بلکہ تیرے فضل سے ہیں اور اسمیں تیرا مجھ پر احسان ہے کہ مجھسے نیکیاں ظاہر کرائیں میرا کوئی استحقاق تجھ پر نہیں۔ اور اگر مجھ سے برائیاں اور گناہ ہوں تو یہ تیرا عدل ہے ظلم ہرگز نہیں اسلئے کہ مالک کو اختیار کلی ہے کہ اپنی ملک میں جو چاہے کرے اور تیرا ان گناہوں میں تیری حجت مجھ پر قائم ہے کہ تو یہ کہے کہ ای بندے ایسا کیوں کیا اور مجھکو کچھ حجت نہیں ہے کہ میں کہوں کہ تیری تقدیر اور حکم سے میں نے کیا اسلئے کہ یہ حال جاہل اور سرکش کا ہے اسلئے کہ مالک یہ کہہ سکتا ہے کہ مالک جو کچھ چاہے اپنی ملک میں کرے اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ تو نے یہ کیوں کیا۔

الٰہی جب تو میرا کفیل ہے تو مجھکو میرے نفس کو کیونکر سپرد کرتا ہے۔ اور جب تو میرا مددگار ہے تو میں کیونکر ذلیل ہو سکتا ہوں اور جب تو مجھ پر مہربان ہے تو میں کب ناکام ہو سکتا ہوں۔ میں اپنے فقر و مسکنت کو تیری طرف وسیلہ پکڑتا ہوں اور جس چیز کا تیری بارگاہ عالی تک پہونچنا محال ہے میں کیونکر اُسکو وسیلہ بناؤں۔ ف اے اللہ جب تو میرا کفیل و کارساز بنگیا تو اب مجھکو میرے نفس کے حوالہ کیسے کرتا ہے یعنی مجھکو میرے نفس کے حوالہ نفرما ورنہ میں تباہ ہو جاؤنگا۔ اور اے اللہ جب تو میرا مددگار ہے تو میں کیسے ذلیل ہو سکتا ہوں یعنی ہرگز نہیں ہو سکتا اسلئے کہ ناصر اُسکا نام ہے اور اس اسم کا لامحالہ ظہور ہوگا تو پھر جب تیری نصرت ہوگی تو ذلت کہاں اور اے اللہ جب تو مجھپر مہربان ہے تو میں کب ناکام ہو سکتا ہوں اسلئے کہ جسوقت بندہ کو رحمت کی حاجت ہوگی اُسکا ظہور ضرور ہوگا کیونکہ رحمت اسکی ازلی سرمدی ہے وہ کبھی جانیوالی نہیں پس جب بندہ اُس کا محتاج ہوگا تو وہ ضرور اُسکو ملیگی۔ ای اللہ میں اپنے اعمال و احوال کو تیری دربار میں وسیلہ نہیں لاتا اسلئے کہ میرے اعمال و احوال سب لاشئی اور ناقص محض ہیں میں اپنے فقر اور مسکنت و ذلت کو تیری طرف وسیلہ لایا ہوں اور چونکہ وسیلہ ایسی شئی کو بنایا کرتے ہیں کہ اُس وسیلہ اور جسکی طرف وسیلہ لیگئے ہیں اُسمیں کچھ علاقہ ہو اور وہ وسیلہ

اس کے دربار میں پہنچ بھی سکے اور فقر و مسکنت کے اندر دونوں باتیں مفقود ہیں اسلئے شیخ رح
کلام سے رجوع کر کے فرماتے ہیں کہ جس چیز کا آپکی بارگاہ عالی تک پہنچنا محال ہو میں اُسکو کیسے وسیلہ بناؤں
پس میرا فقر بھی اس قابل نہ ٹھہرا کہ اُسکو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناؤں اور نیز فقر کیا تھا وسیلہ بنانا اسبات کو مقتضی
ہے کہ اُس فقر پر اُس بندہ کو اعتماد ہے اور فقر اس بندہ کی صفت ہے تو اپنی ایک صفت پر اعتماد
ہوا پس کامل فقر یہ ہے کہ نظر نہ ہو اور اسکی طرف التفات نہ ہو

جب میرا حال تجھ پر مخفی نہیں تو میں تجھ سے اُسکا کیونکر شکوہ کروں بلکہ جب میرا کلام تیرے حکم سے
تیری بارگاہ عالی تک نکلا ہے تو میں اسکو اپنا کلام ہونا کیونکر ظاہر کروں بلکہ جب میری امیدوں کی جماعت
تیری بارگاہ عالی میں چلکر پہنچی ہیں تو وہ کیونکر ناکامیاب ہو سکتی ہیں بلکہ جب میرے احوال کا مبدا اور
مرجع تو ہی ہے تو وہ کیونکر عمدہ اور پسند نہ ہونگے **ف** ای اللہ جب میرا حال تجھ پر روشن ہے تو میں اُسکا
شکوہ تجھ سے کیونکر کروں اسلئے کہ شکوہ تو اُس سے کیا جاوے جسکو حال معلوم نہ ہو بلکہ جب میرا کلام میری
زبان سے تیری بارگاہ عالی میں تیرے ہی حکم سے نکلا ہے اور تو نے ہی میری زبان کو اسکے ساتھ بولتا کیا ہے
تو میں اپنا کلام ہونا اسکو کیونکر ظاہر کروں اور کیسے کہوں کہ یہ میرا کلام ہے آگے اور ترقی کر کے کہتے ہیں کہ بلکہ جب
میری امیدوں کی جماعت تیری بارگاہ عالی میں پہنچی ہیں تو وہ امیدیں کیسے ناکامیاب ہو سکتی ہیں مجھکو
بولنے کی ضرورت ہی نہیں اسمیں امیدوں کو اپنی طرف نسبت کیا ہے اسلئے اس سے بھی ترقی کر کے فرماتے
ہیں بلکہ جب میرے تمام احوال کا مبدا و مرجع تو ہی ہے تو وہ احوال کیونکر عمدہ اور پسندیدہ نہ ہونگے پھر میں
کیوں ناامید ہوں

الہی باوجود میری بڑی نادانی اور ناعاقبت اندیشی کے تو مجھ پر کسقدر مہربان ہے اور باوجود میرے افعال کے قبیح
کے تو مجھ پر کسقدر رحم والا ہے **ف** ای اللہ باوجود اسکے کہ میں بڑا نادان ہوں اور ناعاقبت اندیش ہوں کہ جو
مصائب مجھپر آتے ہیں وہ مجھکو ناگوار ہوتے ہیں حالانکہ انمیں تیری مہربانیاں ہوتی ہیں پھر باوجود اسکے تو مجھ پر
کسقدر مہربان ہے اور باوجود اسکے کہ میرے افعال قبیح ہیں جنکا مقتضی عقوبت ہے لیکن کسقدر رحمت فرماتا ہے

الہی تو مجھ سے کسقدر نزدیک ہے اور میں تجھ سے کتنا دور ہوں الہی تو مجھ پر کسقدر مہربان ہے پھر کونسی چیز مجھکو

تیرے شاہد سے حاجب ہو سکتی ہے ف ای اللہ تو مجھ سے کسقدر نزدیک ہے کہ میری جان سے بھی زیادہ مجھ سے
قریب ہے اور میں اپنی صفات نفسانیہ کے حجاب کی وجہ سے تجھ سے کتنا دور ہوں یعنی بہت دور ہوں اے
اللہ تو مجھ پر کسقدر مہربان ہے کہ کوئی آن تیری مہر سے خالی نہیں پھر کونسی چیز تیرے مشاہدہ سے روکنے
والی ہو سکتی ہے اسلئے کہ رحمت کا جب ہر وقت مشاہدہ ہے تو پھر کونسی چیز کا حجاب باقی رہا۔

الٰہی میں نے اپنی کیفیات کے اختلاف اور حالات کے تبدل سے معلوم کرلیا ہے کہ مجھ سے تیری غرض اور

ارادہ یہ ہے کہ میں تجھکو ہر چیز میں پہچانوں یہانتک کہ کسی چیز میں تیری معرفت سے جاہل نہ ہوں۔
ف ای اللہ میرے حالات جو مختلف ہوتے رہتے ہیں کہ کبھی مریض ہوتا ہوں کبھی تندرست کبھی فقیر
ہوتا ہوں کبھی غنی کبھی ذلیل ہوتا ہوں کبھی عزت والا کبھی قبض میں مبتلا ہوں کبھی بسط میں کبھی
کوئی شے پالیتا ہوں کبھی گم کرتا ہوں ان اختلاف احوال سے مجھے معلوم ہوگیا کہ آپ کا ارادہ
یہ ہے کہ میں تجھکو ہر چیز میں پہچانوں اور کسی حال میں اور کسی چیز میں تیری معرفت سے جاہل نہ رہوں
اسلئے کہ اگر ایک حالت میری رہتی جسکو میں پسند کرتا تو میری معرفت ناقص رہتی مثلاً تندرست
اور غنی ہی رہتا مرض اور فقر پیش نہ آتا تو اس کی معرفت حالی نصیب نہ ہوتی کہ وہ مرض اور
مصیبت کو زائل کرنے والا بھی ہے اسی طرح اگر مریض ہی رہتا تو یہ معرفت نہ ہوتی کہ وہ
صحت عطا فرمانے والا بھی ہے علیٰ ہذا اور حالات کو سمجھنا چاہئے۔

الٰہی جب کبھی میری بدی نے میری زبان بند کی تیرے کرم نے مجھکو گویا کر دیا اور جب کبھی میرے
بُرے اوصاف نے مجھکو مایوس کیا تیرے احسان نے میری امید بندھائی ف ای اللہ میرے
گناہوں نے میری طلب کی زبان بند کر دی اسلئے کہ طلب دوستی اور محبت سے ہوتی ہے اور دوستی و محبت
مولیٰ سے طاعت سے ہوتی ہے اور میرے پاس سوائے ناکارگی اور نالائقی کے کوئی طاعت نہیں
اسلئے طلب کیلئے زبان بند ہوگئی لیکن تیرے کرم نے زبان کو بولتا کر دیا ہے اسلئے کہ جب مجھکو یہ معلوم ہوا کہ
تیری ذات کریم ہے تو اُس کرم نے جرأت دلائی۔ اے اللہ مجھکو میرے بُرے اوصاف نے اس بات سے
مایوس کر دیا کہ مجھکو تیرے رستہ پر استقامت اور ہمیشگی نصیب ہو لیکن جب کبھی یہ مایوسی پیش آئی تیرے

احسان نے میری امید بندھائی اور مجھکو مایوس نہ ہونے دیا۔

الٰہی جس کی نیکیاں بھی برائیاں ہیں تو بھلا اُسکی برائیاں کیونکر برائیاں نہ ہونگی اور جس کے علوم و حقائق بھی محض دعوی ہیں تو بھلا اُس کے دعوے کیونکر دعوے نہ ہونگے **ف** اے اللہ جسکی نیکیاں بھی بوجہ ریا و عجب کی آمیزشوں کے برائیاں ہیں تو بھلا اُس کی برائیاں تو کیونکر برائیاں نہ ہونگی اور اے اللہ جسکی حقائق یعنی علوم و معارف دعوی ہیں (مصنف اپنے علوم و حقائق کو اپنے نزدیک بوجہ تواضع کے دعوے فرما رہے ہیں اور جب عظمت حق پیش نظر ہوتی ہے تو اپنے علوم و حقائق بیان کئے ہوئے سب دعوے اور پندار نظر آتے ہیں) تو بھلا جو حقیقۃً اُس کے دعوے ہیں وہ تو کیونکر دعوے نہ ہونگے

الٰہی تیری حکم نافذ اور مشیت غالب نے کسی صاحب مقال کیلئے مقال اور کسی صاحب حال کیلئے حال اطمینان کے قابل نہ چھوڑا۔ **ف** اے اللہ تیرا حکم ہر شئی میں نافذ اور تیری مشیت ہر شئی پر غالب ہے پس اس حکم نافذ و مشیت غالبہ نے کسی صاحب گفتگو کے لئے گفتگو پر اطمینان نہیں چھوڑا یعنی جس شخص کو علوم و حقائق و معارف کھلے ہوئے ہوں اور انکو بیان کرتا ہو تو اس بیان پر اسکو دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ میں بڑا محقق و عالم ہوں اسلئے کہ حق تعالیٰ کی قہاریت اس درجہ کی ہے اور مشیت اسکی ایسی غالب ہے کہ وہ تمام حقائق کے چھین لینے پر قادر ہے اور ایسا واقع ہو چکا ہے۔ اور کوئی صاحب حال اپنے عمدہ حال پر مغرور نہ ہو کہ بہت سوں کے حالات چھین لئے گئے ہیں۔

الٰہی میں بہت سی طاعتیں بجالایا اور بہت سی حالتوں کو میں نے پختہ اور راسخ کیا مگر تیرے عدل نے ان پر میرے اعتماد کو ڈھا دیا نہیں بلکہ تیرے فضل نے مجکو ان پر اعتماد کرنے سے پھیر دیا **ف** اے اللہ میں بہت سی طاعتیں ظاہری بجالایا اور ان کی شرطیں و آداب پورے پورے ادا کئے اور بہت سی باطنی حالتوں کو میں نے کدورات سے صاف کیا اور ان کے اندر اخلاص تام پیدا کیا جس سے میں سمجھا کہ میں اب مضبوط قلعہ میں آگیا اور میں دقائق ریا و عجب سے محفوظ ہو گیا لیکن تیرے عدل پر جو نظر پڑی تو اس نے ان طاعات و حالات پر میرے اعتماد کے قلعہ کو منہدم کر دیا اسلئے کہ عدل کا مقتضی یہ ہے کہ تو جو چاہے کرے اور عمل کرنیوالونکے عمل کی کچھ پرواہ نہ کرے تو ممکن ہے کہ اس طاعت پر بھی تو مجھ کو سزا دے۔

آگے ترقی فرماتے ہیں کہ بلکہ تیرے فضل نے مجھکو ان طاعات پر اعتماد کرنے سے ہٹا دیا اب میرا اعتماد اپنی طاعت پر نہیں بلکہ تیرے فضل پر ہے

الٰہی تو جانتا ہے اگرچہ یقیناً مجھ سے طاعت کی بجاآوری پر مداومت نہیں ہوئی لیکن طاعت کی محبت اور عزم پر مداومت رہی۔ ف اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں طاعت کی بجاآوری میں قاصر رہا ہوں اور اسپر ہمیشگی کیساتھ قدرت نہیں ہوئی۔ لیکن طاعت کی محبت اور اسکے عزم پر مداومت رہی ہے اور یہ بھی تیرا فضل ہے ورنہ بہت سے شخص اس سے بھی محروم ہیں۔

الٰہی جب تو قاہر ہے تو میں کیونکر عزم کروں اور جب تو حکم فرمانیوالا ہے تو میں کیسے پختہ عزم نہ کروں ف اے اللہ جب تو ہر شے پر قادر ہے اور غالب ہے تو میں طاعت کے کرنے اور معاصی چھوڑنے پر کیسے اپنے عزم کو پختہ کروں ممکن ہے کہ میں عزم کو پختہ کروں اور تو اسکو توڑ دے اور جب طاعت کرنے اور معاصی کو چھوڑنے کے عزم کا حکم فرمانیوالا ہے تو پھر میں کیسے عزم نہ کروں پس میں حیران ہوں کہ کیا کروں اور تدبیر سے عاجز ہوں کہ نہ کسی بات کا عزم کر سکتا ہوں اور نہ عزم کو چھوڑ سکتا ہوں پس مجھکو سوائے تسلیم اور تجھپر اعتماد کرنے کے کوئی چارہ نہیں اسی واسطے عارفین کسی شی کا عزم نہیں کرتے اور اپنے معاملہ کو تفویض فرماتے ہیں اور اسی واسطے کہتے ہیں کہ عارف کا دل ہی نہیں۔

الٰہی احوال مخلوقات میں میرا تردد تجھ تک پہونچنے میں دوری کو مقتضی ہے تو مجھ کو ایسی خدمت پر جو تیری بارگاہ عالی تک پہونچا دے ہمہ تن مجتمع فرما دے ف اے اللہ مخلوقات کے احوال میں میرا دل بھٹکتا ہے کہ کبھی کسی مخلوق سے تعلق ہوتا ہے اور کبھی کسی سے اور کبھی مقامات و مکاشفات کے پیچھے پڑتا ہے کبھی واردات کے کہ یہ بھی مخلوق ہی ہے اس بھٹکنے نے مجھ کو تیری بارگاہ سے دور کر رکھا ہے تو مجھکو ایسی طاعت پر ہمہ تن جمع کر دے۔ جو تجھ تک پہونچا دے اور میرے قلب کو مخلوقات کے تعلق سے قطع کر دے۔

الٰہی جو چیز اپنے وجود میں تیری محتاج ہے اس سے تیرے وجود پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے کیا تیرے ماسوا کا ظہور اسقدر ہو سکتا ہے جو تجھے حاصل نہ ہو۔ یہاںتک کہ وہ تیرا ظاہر کرنیوالا بنے تو کب غائب ہے جو تیرے وجود پر کسی دلیل کی دلالت کی حاجت ہو اور تو کب بعید ہے جو مخلوقات تجھ تک پہونچا دیں ف جو لوگ

حق تعالیٰ کے وجود پر مخلوقات سے استدلال کرتے ہیں ان پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ تعجب فرماکر کہتے ہیں کہ اے اللہ جو چیز اپنے وجود میں تیری محتاج ہے کہ اگر تو موجود نہ کرتا تو وہ شئے موجود نہ ہوتی وہ شئے تیرے وجود پر کیسے دلیل ہو سکتی ہے اسلئے کہ دلیل ہمیشہ مدلول سے ظاہر ہوا کرتی ہے تو کیا تیرے ماسوا کا ظہور اسقدر ہے کہ وہ ظہور تجھے حاصل نہیں یہانتک کہ وہ شئے تیری ظاہر کرنیوالی بنی اور تجھ پر دلیل ہے۔ ہرگز نہیں تیرے سے زائد ظہور ہر حیثیت سے کس کا ہو سکتا ہے اور تجھ پر دلیل قائم کرنیکی ضرورت ہی کیا ہے اسلئے کہ دلیل تو غائب پر ہوتی ہے اور تو غائب ہی کب ہے جو تیرے وجود پر کسی دلیل کی دلالت کرنیکی حاجت ہو اور تو بعید و دور کہاں ہے کہ مخلوقات تجھ تک پہونچا دیں تو تو ہر شئی سے زائد حاضر وظاہر ہے۔ اور ہر شے سے زیادہ قریب ونزدیک۔ پھر کیسی دلیل اور کہاں کا استدلال

الٰہی وہ آنکھ جو تجھکو اپنے اوپر نگہبان اور محافظ نہ دیکھے اندھی ہو اور اس بندہ کی تجارت جس نے اپنے لئے تیری محبت کا حصہ نہیں لیا ٹوٹے میں پڑ جاوے۔ اے اللہ وہ دل کی آنکھ جو تجھکو اپنے اوپر نگہبان و محافظ نہ دیکھے اندھی ہو جائے جس شخص نے خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر نگہبان اور محافظ نہیں جانا وہ درحقیقت اندھا ہے حضرت شیخ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ خدا کرے وہ اندھا ہی رہے اور جس بندہ نے اپنی تجارت یعنی اپنے افعال و اعمال میں تیری محبت کا حصہ نہ لیا خدا کرے اس کی تجارت میں نفع نہ ہو ٹوٹے ہی میں رہے اور فی الواقع وہ سخت خسارہ میں ہے مگر اسکو نظر نہیں آتا۔

الٰہی تو نے آثار کی طرف رجوع کرنیکا حکم فرمایا تو مجھکو اپنے انوار کے لباس اور نظر بصیرت کی رہنمائی کیساتھ ان کی طرف پھیر تاکہ جس طرح تیرے حکم سے میں ان کی طرف نظر کرنے سے قلب محفوظ اور انپر اعتماد کرنے سے اُن سے بلند ہمت داخل ہوا تھا اسی طرح ان سے تیری بارگاہ عالی کی جانب پھر لوں تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ آپ تک پہونچ اور مشاہدہ کے بعد آپنے مجھکو مخلوقات یعنی اہل و عیال و مال کیطرف رجوع کرنے اور ان کی طرف التفات ہونیکا حکم فرمایا ہے تو ایسا نہ ہو کہ ان کی طرف رجوع کرکے میں تجھ سے محجوب ہو جاؤں اسلئے مجھکو تو اسطور سے انکی طرف پھیر کہ تیرے انوار کے لباس میں ہوں یعنی میرے چاروں طرف تیرے انوار ہوں کہ مخلوق میں میں تجھکو ہی دیکھوں اور میری بصیرت کی نظر میری رہنمائی کرتی رہے تاکہ میں غیر میں مشغول نہ ہو جاؤں۔ جیساکہ ابتدائے سلوک میں میرا قلب ان سے محفوظ رہا اور انپر اعتماد کرنے سے بلند ہمت رہکر تیری بارگاہ میں داخل ہوا تھا اسی

طرح اب بعد فنا و مشاہدہ کے ان سے تیری ہی بارگاہ عالی کی جانب پھیر دں یعنی ہر شئی میں تیرا ہی مشاہدہ
کروں تو ہر چیز پر قادر ہے۔ لہذا اس میری حاجت براری پر بھی تجھکو قدرت ہے۔

الٰہی یہ میری خواری تیرے سامنے ظاہر اور یہ میری حالت تجھپر غیر مخفی تجھ سے ہی تیری بارگاہ عالی تک
پہونچنا طلب کرتا ہوں اور تیرے ہی ساتھ تیری بارگاہ عالی تک رہنمائی چاہتا ہوں تو میری اپنے تک اپنے
نور کیساتھ رہنمائی فرما اور سچی عبودیت میں اپنے ساتھ مجھکو ٹھہرا۔ ف ای اللہ میری ذلت اور خواری جو میرا ذاتی
امر ہے تیرے سامنے ظاہر ہے اور میری حالت تجھ پر پوشیدہ نہیں ہے۔ ذلت اور خواری اپنے نفس کی جسکو شکست
ہو گئی یہ حقیقت میں عین عزت ہے اور جسکو اپنی خواری کا علم نہیں اور اپنے نفس کو عزت والا جانتا ہے حقیقت میں
خواری ہے اے اللہ میں تجھ سے ہی تیری بارگاہ عالی تک پہونچنا طلب کرتا ہوں یعنی اپنے علم و حال کو کچھ دخل نہیں
جانتا اور تیرے ہی ساتھ تیری بارگاہ عالی تک رہنمائی چاہتا ہوں یعنی اوروں کیطرح مخلوقات کی تجھپر استدلال
نہیں کرتا کہ مخلوق تجھ تک رہنمائی کرے تجھکو ہی تیری ذات پر دلیل بناتا ہوں ایک عارف کسی نے پوچھا کہ تم نے
کس چیز سے رب کو پہچانا انہوں نے فرمایا عرفت ربی بربی یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے رب ہی سے پہچانا تو میری اپنی ذات
تک اپنے نور کیساتھ رہنمائی فرما یعنی نور معرفت میرے قلب میں ڈالدے کہ اس سے میں راہ یاب ہوں اور سچی بندگی
میں مجھکو اپنے سامنے ٹھہرا اسطور سے کہ ربوبیت کے اوصاف مجھپر ظاہر نہ ہوں بلکہ بندگی اور عبودیت کے
اوصاف سے متصف ہوں اور وہ اوصاف ذلت اور عجز اور مسکنت ہیں

الٰہی اپنے پوشیدہ علم کی مجھکو تعلیم فرما اور اپنے محفوظ نام کے راز کے ساتھ محفوظ رکھ الٰہی اہل قرب کے محقق مقامات
میں مجھکو تحقق اور پختگی عطا فرما اور اہل جذب کا رستہ مجھکو چلا۔ ف پوشیدہ علم سے مراد اسرار الٰہیہ کا علم ہے جو حضرات
اولیاء کو عطا ہوتا ہے اسی کی طلب ہے اور محفوظ نام سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک ہیں کہ جو اہانت و ابتذال سے
محفوظ ہیں اور ان کے راز سے مراد ان اسماء کے انوار و تجلیات ہیں جو اللہ پاک کے اسماء پاک کی تجلیات کے
ذریعہ سے تمام مکروہات کی اپنی حفاظت طلب فرماتے ہیں اے اللہ اہل قرب کے مقامات میں مجھکو پختگی اور تحقق عطا
فرما کہ جیسے وہ حضرات مقام فنا و بقا میں راسخ القدم ہو گئے ہیں مجھکو بھی ایسا ہی کر دے اور اہل جذب
کہ جنکو تو نے بغیر مجاہدہ و ریاضت اپنی طرف کشش فرمایا ہے ان کا رستہ مجھکو نصیب کر۔

الٰہی مجھکو اپنی تدبیر کیساتھ میری تدبیر سے اور اپنے اختیار کیساتھ میرے اختیار سے بے پرواہ فرما اور مجھکو میری بیقراری کے مرکزوں پر ٹھہرا۔ ف اے اللہ اپنی تدبیر کے ساتھ میری تدبیر سے بے پرواہ کر دے یعنی اپنی تدبیر سے میرے کام بنا اور میری تدبیر سے مجھکو چھڑا دے اسلئے کہ میری تدبیر کرنے میں اپنے نفس کے احوال میں مشغولی ہے جو تیری حضوری سے دور ڈالنے والی ہے اور اے اللہ اپنے اختیار کیساتھ مجھکو میرے اختیار سے بے پرواہ کر دے یعنی میرے تمام امور میں آپ ہی کا اختیار ہو میرا کچھ اختیار نہ ہو اسلئے کہ اگر میں نے اپنا اختیار چلایا تو یہ ربوبیت کے ساتھ منازعۃ کی صورت ہے اسلئے کہ تدبیر اور اختیار خاص اسی کی صفت ہے بیقراری کے مرکز سے مراد وہ صفات ہیں کہ جس صفت پر بندہ قرار پاوے اور وہ صفات بیقراری اور التجا کے ہیں جیسے ذلت اور عجز اور فقر مرکز ان کو اس اعتبار سے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھکو ان صفات پر جما دے کہ میں کبھی ان صفات سے جدا نہ ہوں اور ہر وقت اپنے فقر اور عجز اور ذلت کو پیش نظر رکھوں۔

الٰہی مجھکو میرے نفس کی ذلت حرص اور طمع سے نکال اور قبر میں میرے اترنے سے پہلے مجھکو میرے شک اور شرک سے پاک فرما تجھی سے اپنی ہوائے نفسانی اور وساوس شیطانی پر مدد مانگتا ہوں تو میری مدد کر اور تجھی پر بھروسہ کرتا ہوں کسی دوسرے کے سپرد نہ فرما اور تجھہی سے سوال کرتا ہوں مجھکو ناامید نہ کر اور تیرے فضل و کرم ہی میں رغبت کرتا ہوں مجھکو محروم نہ فرما اور تیری ہی بارگاہ عالی کی طرف منسوب ہوں مجھکو دور نہ کر اور تیرے ہی دروازہ پر کھڑا ہوں مجھکو نہ دھکیل۔ ف نفس کی ذلت و طمع سے مراد یہاں یہ ہے کہ نفس کو غیر اللہ کیطرف طمع و حرص سے نکالنے کو طلب فرماتے ہیں شک سے مراد دل کی تنگی ہے جو کسی ناگوار امر کے پیش آنے سے ہو جب اس قسم کی تنگدلی پیش آئے گی تو دل تاریک ہو جائیگا اور پاکی اس کی یہ ہے کہ یقین کی قوۃ کا درود ہو کہ اس سے قلب کھلتا چلا جاوے اور سینہ فراخ ہو جاوے اور اپنے مولیٰ سے فرحت و خوشی کو پاوے اور شرک یہ ہے کہ دل کو سبب غفلت ہو اور اسباب کے ساتھ اسکا تعلق ہو اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ شک کی تاریکی کا جب غلبہ ہوتا ہے اور یقین کا نور کم ہوتا ہے تو اسوقت قلب اس بات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسلئے کہ اسوقت نور یقین تو ہوتا نہیں کہ جس سے توحید کو دیکھے لامحالہ اسباب ہی کیطرف ملتجی ہوتا ہے پس فرماتے ہیں کہ اے اللہ قبر میں جانے سے پہلے مجھکو شک اور شرک سے پاک فرما دیجیے۔ آگے دعا کا مضمون صاف ہے

الٰہی جب تیری رضا اس سے بھی پاک اور منزہ ہے کہ تجھ سے اسکے لئے کوئی علت اور سبب ہو تو تجھ سے
میرا کوئی عمل یا حال اسکی علت کیونکر ہو سکتا ہے۔ الٰہی جب تو اپنے ذات کاملہ میں اس سے بھی غنی ہے کہ تجھکو تجھ سے نفع
پہونچے تو مجھ ناقص و ناکارہ سے کیونکر غنی نہ ہوگا ف جاننا چاہیئے کہ رضا حق تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی
تمام صفات قدیم ہیں اور قدیم علت سے پاک ہے پس مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جب تیری رضا بوجہ صفت قدیمہ ہونے کے
اس سے بھی پاک اور منزہ ہے کہ اسکی علت کوئی ایسی شے ہو کہ جو تیری ہی طرف سے صادر ہو تو بھلا میرا کوئی عمل
یا حال اسکی علت کیسے ہو سکتا ہے پس آپ کی رضا میرے عمل و حال پر موقوف نہیں بلکہ خود عمل و حال کا سبب رضا ہے
کہ اگر رضا کا تعلق میرے ساتھ ہوگا تو میرے عمل و حال پسندیدہ ہوگا ورنہ نہیں اسی طرح غنی بھی حق تعالیٰ کی صفت ہے
اور علت سے پاک ہے پس فرماتے ہیں کہ اے اللہ تو اپنی ذات کاملہ میں جبکہ اس سے بھی غنی ہے کہ خود تجھکو تیرے سے کوئی نفع پہونچے
تو مجھ ناقص اور نکمے سے تو کیونکر غنی نہ ہوگا یعنی میرے عمل و حال کی وہاں کچھ احتیاج نہیں۔

الٰہی قضا و قدر مجھپر غالب آئی اور ہوائے نفسانی نے شہوت کی مضبوط رسیوں میں مجھکو جکڑ لیا تو میرا
مددگار ہو کہ میری بھی مدد کرے اور میرے واسطہ سے میرے متعلقین کی بھی مدد فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے
اسقدر غنی کر کہ تیرے مشاہدہ جلال و جمال کے ساتھ اپنی طلب سے بھی مستغنی ہو جاؤں ف اے اللہ قضا
و قدر مجھپر غالب آئی کہ جب کسی طاعت کا عزم کرتا ہوں یا کسی معصیت کے ترک کا ارادہ کرتا ہوں وہ ارادہ میرا
توڑ دیا جاتا ہے اور اے اللہ ہوائے نفسانی نے شہوت کی مضبوط رسیوں میں مجھکو باندھ لیا کہ شہوات
نفسانیہ سے نہیں نکل سکتا پس میرا کوئی چارہ کار نہیں ہے آپ ہی میری مدد فرمائیے اور میرے واسطے سے میرے
احباب اور متعلقین کی جو مجھ سے اللہ کیواسطے تعلق رکھتے ہیں مدد کیجئے اور اپنے فضل و کرم سے مجھکو ایسا مشاہدہ
تیرے جمال و جلال کا نصیب ہو کہ اپنی طلب سے بھی مستغنی ہو جاؤں اسلئے کہ جس شخص کو مشاہدہ دائمی نصیب ہوگا
وہ کسی شی کے طلب کرنے سے شرمائیگا ہر وقت مشاہدہ میں محو رہے گا۔

تو وہ ذات پاک ہے جسنے اپنے دوستوں کے دلوں میں معارف کے انوار یہانتک روشن کئے کہ انہوں نے
تجھے پہچانا اور تیری وحدانیت کا اعتراف کیا اور تو وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے دوستوں کے دلوں سے اغیار کے
تعلق یہانتک قطع کئے کہ انہوں نے تیرے سوا کسیکو محبوب نہ بنایا اور تیرے سوا کسی کو بیقرار ہو کر سہارا نہ ٹھہرایا

تو ہی ان کا مونس ہوا جو عالم کے تعلقات وکدورات نے ان کو متوحش اور پریشان کیا اور تو ہی نے ان کی رہنمائی کی۔ یہاں تک کہ حق کے راستے ان کے لئے منکشف ہو گئے ف اے اللہ تو ایسی پاک ذات ہے کہ تو نے اپنے دوستوں کے دلوں میں اپنی معرفت کے نور اسقدر روشن کئے کہ انہوں نے تجھکو پہچانا اور تیری وحدانیت کا اقرار اور مشاہدہ کیا اور تو وہ پاک ذات ہے کہ جسنے اپنے دوستوں کے دلوں سے غیر اللہ کے نقش کو اسقدر زائل کیا کہ سب کی محبت ان کے دلوں سے نکل گئی کہ انہوں نے تجھکو ہی محبوب بنایا اور تیرے سوا کسیکو سہارا نہیں ٹھہرایا اور جب دنیا کی چیزوں مال و اولاد وغیرہ کے تعلقات وکدورات نے انکو متوحش و پریشان کیا تو ہی ان کا مونس بنا اور تو نے اپنے نور سے انکی رہنمائی کی یہاں تک کہ حق کے راستے ان کو کھل گئے اور حق انکو صاف نظر آنے لگا

جسنے تجھکو نہ پایا اسنے کیا پایا اور جس نے تجھکو پایا اس نے کیا نہ پایا جو تیرے بدلے کسی دوسرے سے راضی ہوا ناکامیاب ہوا اور جس نے تیری بارگاہ عالی سے دوسری طرف منتقل ہونا چاہا نقصان میں پڑا ف جس نے آنکھ سے اور دل سے صرف مخلوقات ہی کو دیکھا اور دل سے خالق کا مشاہدہ نہ پایا تو اس نے کیا پایا کچھ نہیں پایا اسلئے کہ مخلوقات فی نفسہا عدم محض ہیں تو اسکے ہاتھ کچھ نہ آیا اور جس نے دنیا کی نعمتیں نہ پائیں لیکن تیرا مشاہدہ اسکو نصیب ہو گیا تو اسنے کیا کھویا یعنی سب کچھ پا لیا اور جو تیرے بدلے کسی دوسری شے سے راضی ہوا مثلاً دنیا کی لذتوں میں لگ گیا یا احوال باطنیہ اور کرامات ومکاشفات کی لذت میں مشغول ہو گیا وہ ناکامیاب ہوا اور جسنے تیری بارگاہ عالی سے دوسری طرف منتقل ہونا چاہا مثلاً دنیا کو چاہا یا ثواب اور مقامات عالیہ کی طلب میں لگا وہ نقصان میں پڑا اور اسکی ایسی مثال ہوئی کہ بادشاہ کی ہمنشینی چھوڑ کر چوپایوں کی خدمت اختیار کرے۔

الٰہی تو نے اپنا احسان کم نہیں کیا تو پھر کسطرح تیرے سوا کسی دوسرے کی امید کیجاوے اور تو نے اپنی بندہ نوازی کی عادت کو نہیں بدلا تو تیرے غیر سے کیونکر سوال کیا جاوے۔ ف اے اللہ تو نے اپنا احسان بندوں کے ساتھ کم نہیں کیا بلکہ تیرے احسان کا دریا ہمیشہ سے ایک حالت پر جاری ہے تو پھر کیوں تیرے سوا دوسرے سے امید کیجائے اور تو نے اپنی بندہ نوازی کی عادت کو نہیں بدلا اسلئے کہ تیری صفت میں تغیر وتبدل نہیں تو تجھکو چھوڑ کر پھر کیوں دوسرے سے سوال کیا جاوے۔

اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی انس جان بخش کی شیرینی کا ذائقہ چکھایا تو وہ اسکے

سامنے محبت کے ساتھ عاجزانہ کھڑے ہوئے اور اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی ہیبت کا لباس پہنایا تو وہ اسکی عزت کے ساتھ عزت والے ہو کر قائم ہوئے۔ ف محبوب کے جمال کے مشاہدے جو سرور قلب کو ہو وہ انس ہے اسکو شیرینی سے تشبیہ دیکر فرماتے ہیں کہ اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی انس جان بخش کی شیرینی کا ذائقہ چکھایا یعنی ان کو سب سے بے تعلق کر کے اپنا انس بخشا اسکا اثر یہ ہوا کہ وہ اسکے سامنے محبت کے ساتھ عاجزانہ کھڑے ہوئے اور اے وہ ذات جس نے اپنے دوستوں کو اپنی ہیبت کا لباس پہنایا یعنی اپنے اولیاء کو عظمت شان وجلالت شان عطا فرمائی کہ جو کوئی ان کو دیکھتا ہے مرعوب ہو جاتا ہے اور اسکا اثر یہ ہوا کہ وہ اسکی عزت کے ساتھ عزت والے ہو کر قائم ہوئے یعنی انہوں نے دوسری شے سے عزت حاصل نہیں کی بلکہ اس کی صفت عزت سے معزز ہو کر اسکے سامنے کھڑے ہیں۔

تو ذکر کرنیوالوں کے وجود سے پیشتر اپنے احسان سے ان کا یاد کرنیوالا ہے اور عبادت کرنیوالوں کی توجہ سے پہلے احسان کی ابتدا کرنیوالا ہے اور سوال کرنیوالوں کے سوال سے پہلے بخشش کے ساتھ سخاوت کرنیوالا ہے اور نہایت بخشش کرنیوالا ہے پھر جو کچھ ہمکو ہبہ کیا ہے اسکا قرض مانگنے والا ہے۔

ف اے اللہ تیرے ذکر کرنیوالوں کا وجود بھی نہ تھا ان کے وجود سے پہلے ہی اپنے احسان سے ان کا یاد کرنیوالا ہے کہ ان کو وجود کی نعمت بخشی اور عبادت کرنیوالوں کی توجہ سے پہلے احسان کی ابتدا کرنیوالا ہے عبادت کرنیوالوں کا وجود بعد میں ہوا اور سوال کرنیوالوں کا وجود بعد میں ہوا تو جود و سخاوت کیساتھ پہلے ہی سے موصوف ہے اور تو نہایت دینے والا ہے اور پھر جو کچھ ہمکو ہبہ کیا ہے اسکا قرض مانگنے والا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا یعنی کون ہے جو اللہ کو قرض اچھا دے اور اس قرض کا بدلہ پھر ہمکو ہی آخرت میں ملنے والا ہے اسکی ذات کو اسکا کوئی نفع پہونچنے والا نہیں ہے اور قرض کے عنوان سے بیان فرمانا اپنے بندوں کے ساتھ حق تعالیٰ کی عجیب لطف و مہربانی کو بتلا رہا ہے جیسے بچہ کو خود ہی کوئی شے دیں اور اس سے کہیں کہ تم ہمکو قرض دو تو ہم تمکو اس سے عمدہ شے دینگے۔ اگر بچہ عاقل ہے تو فوراً دیدیگا۔

الٰہی مجکو اپنی رحمت کیساتھ طلب فرما کہ تجھ تک پہنچوں اور اپنی منت کیساتھ مجکو کھینچ کہ تیری طرف متوجہ ہوں

الٰہی اگرچہ میں تیری نافرمانی کروں پھر بھی تجھ سے میری امید منقطع نہیں ہوتی جیسے اگر طاعت بجا لاؤں پھر بھی تیرا خوف

مجھ سے جدا نہیں ہوتا الٰہی تمام عالم نے مجھکو تیری طرف ڈھکیل دیا اور تیرے لطف و کرم کے علم نے تیرے
دروازہ پر ٹھہرا دیا۔ ف اے اللہ مجھکو اپنی رحمت سے اپنی بارگاہ قرب میں طلب فرما اسلئے کہ میں اپنے اعمال
سے تجھ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ عمل کسی کا بغیر رحمت کے تجھ تک پہونچانیوالا ہے اور اپنے احسان سے مجھکو کھینچ کہ پھر
میں خواہ مخواہ تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھ سے اعراض کرنیکی قدرت نہو اے اللہ اگرچہ میں تیری نافرمانی کروں لیکن
پھر بھی میری امید تجھ سے منقطع نہیں ہوتی اسلئے کہ جانتا ہوں کہ تیرا احسان کسی علت پر موقوف نہیں اسی طرح اگرچہ طاعت
بجا لاؤں مگر پھر بھی میرا خوف مجھ سے جدا نہیں ہوتا اس لئے کہ جانتا ہوں کہ تو جو چاہے کرے طاعت کرنے پر بھی اگر سزا
دے تو بجا ہے ظلم نہیں اسلئے کہ تو مالک ہے اے اللہ جہان کی جس شی کی طرف میں گیا سب نے مجھکو تیری ہی طرف ڈھکیل
دیا یعنی ہر شی زبان حال پکار کر کہتی ہے کہ میں فانی ہوں مجھ سے تعلق نہ کر اپنے مولے سے تعلق پیدا کر اور میں نے جب پہچان لیا
کہ تو لطف و کرم فرمانیوالا ہے تو اس علم و معرفت نے مجھکو تیرے دروازہ پر ٹھہرا دیا۔

الٰہی تو میری امید ہے تو پھر کیونکر خائب ہوں اور میرا سہارا تجھ پر ہے میں کیونکر ذلیل ہوں الٰہی تو نے مجھے ذلت
میں جما دیا تو میں کیونکر عزت پا سکتا ہوں اور تو نے مجھکو اپنی طرف نسبت کیا تو میں کیونکر صاحب عزت نہ ہوں الٰہی
تو نے مجھکو فقر و احتیاج میں ٹھہرایا تو میں کیونکر محتاج نہ ہوں اور تو نے مجھکو اپنے وجود کیساتھ غنی کیا تو کیونکر محتاج
ہوں ف اے اللہ تجھ سے ہی میری امید ہے تو پھر میں کیونکر نامراد ہوں یعنی ضرور بامراد ہونگا اور تجھ پر میرا سہارا ہے
تو میں کیونکر ذلیل ہو سکتا ہوں اے اللہ تو نے مجھکو اصل سے ذلت میں جما دیا۔ کہ ممکن کی اصل
عدم ہے تو میں اصلی اور مستقل عزت کیسے پا سکتا ہوں کہ وہ تو تیرا ہی خاصہ ہے۔ اور تو نے مجھکو اپنی طرف نسبت کیا کہ اپنا بنایا۔
اور اپنے ساتھ تعلق عطا فرمایا تو اس اعتبار سے میں کیونکر تیری عزت سے صاحب عزت نہ ہوں پس میں اپنی ذات کے اعتبار سے
ذلیل ہوں اور تیری عزت دینے سے اور تیری صفت عزت کے پرتو سے عزیز ہوں اے اللہ تو نے مجھکو اصل سے فقر و احتیاج
میں ٹھہرا دیا کہ فقیری و حاجتمندی میرا اصلی امر ہے تو میں اصل ذات سے کیسے محتاج نہ ہوں اسلئے کہ ممکن ہوں اور ممکن ہر وقت
اپنی ہر صفت میں اپنے پیدا کرنیوالے اور تھامنے والے کا محتاج ہے اور تو نے اپنے وجود کیساتھ مجھکو غنی کیا کہ مجھکو غیر کے تعلق سے بے
نیاز کیا اور اپنے قرب کی نعمت بخشی تو میں کسی کا کیونکر محتاج ہوں۔

تو وہ ذات ہے کہ بجز تیرے دوسرا کوئی معبود نہیں ہر چیز کو اپنی معرفت عطا فرمائی تو کوئی چیز تجھ سے ناواقف نہ ہوئی تو وہ ذات ہے کہ تو نے

مجھکو ہر شے میں اپنی معرفت عطا فرمائی تو میں نے ہر شے میں تیری تجلی ظاہر دیکھی پس تو سب پر ظاہر و آشکار ہے اے وہ ذات جو اپنے رحمان
ہونیکے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہوا کہ وہ عرش اس کی رحمانیت میں اس طرح غائب ہوا جیسے تمام عالم اسکے عرش میں غائب ہے
ف تو وہ ذات ہے کہ بجز تیرے دوسرا عبادت و پرستش کے لائق نہیں تو نے ہر شئ کو اپنی معرفت عطا فرمائی حتی کہ کوئی چیز تجھ
سے ناواقف نہیں ہے ہر شئ اپنے مرتبہ کے موافق جیسی معرفت اسکو عطا ہوئی تجھکو پہچانتی ہے تو وہ ذات ہے کہ تو نے مجھکو ہر شے میں
اپنی معرفت عطا فرمائی کہ ہر شئ میرے لیے تیرے جمال کا آئینہ بنگئی پس میں نے ہر چیز میں تیری تجلی ظاہر دیکھی پس تو ہر شے کے لیے ظاہر و
آشکار ہے۔ اور اے وہ ذات جو اپنے رحمان ہونیکے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہوا یعنی اپنی رحمت کے وسعت سے عرش پر غالب
اور قاہر ہوا کہ رحمت نے اسکو اپنے اندر سمالیا اور رحمت نے اسکو گھیر لیا اور وہ عرش اس رحمت میں ایسا غائب
ہوگیا جیسے تمام عالم اس عرش میں غائب ہے کہ تمام عالم اس عرش کے سامنے کوئی شئ نہیں ہے۔

آثار کو تو نے آثار سے مٹایا اور اغیار کو انوار کے آسمانوں کی چاردیواریوں سے نیست و نابود کیا اے وہ ذات جو اپنی
عزت کے پردوں میں آنکھوں کے ادراک سے محجوب ہے اے وہ ذات جس نے اپنی صفات کمالیہ کیساتھ عارفین کے قلوب پر تجلی فرمائی پھر اسکی
بے نہایت عظمت باطن قلوب پر متحقق ہوگئی تو کیونکر چھپ سکتا ہے تو ظاہر و آشکارا ہے اور تو کیونکر غائب ہو سکتا ہے تو نگہبان
اور حاضر ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے اور اسی سے اعانت طلب کرتے ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔ ف پہلے آثار سے مراد تمام آسمان اور زمینیں اور لوح و قلم وغیرہ
ہیں اور دوسرے آثار سے مراد عرش عظیم کہ اسکے مقابلہ میں یہ سب مخلوقات لاشی محض ہیں اور یہی مراد مٹانے سے ہے اور اغیار سے مراد
عرش عظیم ہے کہ ان کو ایسے انوار رحمۃ سے جو احاطہ میں آسمانوں کے مشابہ ہیں مٹایا یعنی رحمت کے انوار نے ان کو سما لیا حاصل
یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت اسقدر عام اور شامل ہے کہ عرش و فرش سب کو شامل ہے اور وہ ایسا قوی عزت و عظمت والا ہے
کہ آنکھوں سے اسکا ادراک محال ہے دنیا میں تو مطلقاً ادراک ان آنکھوں سے نہیں ہو سکتا اور آخرۃ میں احاطہ کی طور پر ادراک محال ہے
اور وہ ایسی ذات ہے کہ جس نے عارفین کے دلوں پر اپنی صفات کمالیہ مثل جلال و جمال کی تجلی اور عکس نازل فرمایا اس تجلی سے
ان کے دلوں میں اسکی بے نہایت عظمت متحقق ہوگئی تو کیسے چھپ سکتا ہے حالانکہ تیرا جلال و جمال ہر شے سے ظاہر ہے اور تو کیونکر
غائب ہو سکتا ہے حالانکہ تو ہر شئ پر نگہبان ہے اور ہر شے کیساتھ حاضر ہے فقط

الحمد للہ شرح اتمام النعم بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ یوم شنبہ کو تمام ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسکو نافع فرماوے ++

یہ وہ مضمون ہی جس کا ذکر اکمال الشیم کی تمہید میں ہے

ملفوظ در تسہیل طریق سلوک ملقب بہ

السلسبیل لعابری السبیل

من مقالات شریفہ حضرت اشرف العلماء حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب عم فیوضہم العالی۔ ضبط کردہ احقر خواجہ عزیز الحسن عفی عنہ مرقومہ ۷ محرم ۱۳۴۵ھ

عرض کیا گیا کہ حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مامور بہا سب اختیاری ہیں اور اختیاری امور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہیں۔ تو یہ تو بظاہر بہت معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر طریق میں اہمیت ہی کیا رہی۔ فرمایا کہ ہے تو یہ معمولی اور موٹی بات لیکن لوگوں کو اس کی جانب التفات نہیں حالانکہ اسی پر دارومدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا۔ عرض کیا گیا۔ کہ جب آدمی باوجود کوشش کے اپنی اصلاح سے عاجز ہو جاتا ہے تب ہی تو اس کی تدابیر اور معالجہ پوچھتا ہے۔ تو اس سے پھر بھی یہی کہدینا کہ ہمت اور اختیار سے کام لو کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمت اور استعمال اختیار کی اسے توفیق ہی نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ وہ استعمال اختیار پر قادر ہے یا نہیں۔ ضرور قادر ہے ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جب استعمال اختیار پر قادر ہے تو ہمت کر کے اختیار کا استعمال کرے جب

جب اختیار کا استعمال کریگا تو کامیابی لازم ہے ناکامیابی کی کوئی صورت ہی نہین البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے۔ عرض کیا گیا۔ کہ واقعی قدرت اور اختیار کا تو انکار نہین کیا جا سکتا۔ لیکن جب دشواری اور کلفت کی وجہ سے اُس کے استعمال ہی کی نوبت نہ آئی تو وہ اختیار مفید ہی کیا ہوا۔ کیونکہ نتیجہ تو وہی ہوا جو عدم اختیار کی صورت مین ہوتا یعنے عدم صدور اعمال۔ فرمایا کہ جب علاج پوچھا جائیگا۔ تب تو وہی بتایا جائیگا جو دراصل علاج ہے۔ رہی خود اُس علاج کے استعمال کی دشواری سو جب اس کے متعلق سوال کیا جائیگا اسوقت اُسکا جواب دیا جائیگا۔ عرض کیا گیا کہ اب سوال کیا جاتا ہے۔ اس استفسار پر فرمایا کہ اختیاری امور مین کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور استعمال اختیار کے اور کچھ نہین۔ البتہ اس استعمال اختیار مین کلفت اور دشواری ضرور ہوتی ہے۔ سو اُسکا علاج بھی یہی ہے کہ باوجود کلفت کے ہمت اور اختیار سے برابر بتکلف اور بہ جبر کام لیتا رہے۔ رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بہ سہولت ہو جائیگی۔ ساری ریاضت اور سارے مجاہدے بس اسی لئے کئے جاتے ہین۔ کہ اختیار اوامر اور اجتناب نواہی مین سہولت پیدا ہو جائے۔ مین تو کہا کرتا ہون کہ خلوص اور ہمت بس یہ دو چیزین ماحصل ہین سارے تصوف کا اور ساری پیری مریدی کا۔ کیونکہ اگر ہمت نہوگی تو عمل ہی نہوگا۔ اور اگر خلوص نہوا تو عمل ناقص ہوگا۔ اگر ان دو چیزون کو جمع کرلیا جائے تو پھر شیخ کی بھی ضرورت نہین۔ کیونکہ شیخ بھی بس انھین دو چیزون کی تعلیم کرتا ہے۔ دفع کلفت اور تحصیل سہولت کا۔ جو یہ طریق ارشاد فرمایا۔ کہ بہ تکلف ہمت اور اختیار سے کام لیتا رہے۔ رفتہ رفتہ سہولت ہونے لگے گی۔ اسکے ضمن مین یہ بھی فرمایا۔ کہ ہر کام شروع مین مشکل ہوتا ہے۔ مگر کرتے کرتے مشق ہو جاتی ہے اور پھر نہایت سہولت کے ساتھ ہونے لگتا ہے۔ جیسے سبق شروع مین دشوار ہوتا ہے۔ مگر رٹتے رٹتے یاد ہو جاتا ہے۔ اگر شروع کی کلفت اور تعب کو دیکھکر ہمت ہاردی تو پھر کوئی

صورت ہی کامیابی کی نہین اور اگر برداشت کرلی تو چند روز کے بعد دیکھے گا کہ سہولت کے ساتھ وہ عمل ہونے لگیگا۔ ع چند روزے جہد کن باقی بخند۔ جب حضرت یہ بیان فرما رہے تھے۔ کہ اخلاص وہمت خلاصۂ تصوف ہین۔ تو ایک صاحب نے عرض کیا۔ کہ کیا اخلاص بھی اختیاری ہے۔ فرمایا کہ جب مامور بہ ہے تو ضرور اختیاری ہے کیونکہ غیر اختیاری امور کا شریعت نے مکلف ہی نہین فرمایا۔ اور اختیاری کیون نہ ہوتا۔ کیا گھی کا خالص رکھنا اختیار مین نہین۔ اُس مین چربی نہ ملائے نیل نہ ملائے پس وہ گھی بقول عوام (ظرافت کے لہجے مین) نخالص ہے۔ یعنی خالص ہے۔ اور عبادت کے خالص رکھنے ہی کو اخلاص کہتے ہین عرض کیا گیا کہ شیخ کی دعا و برکت کو بھی تو بہت بڑا دخل ہے اصلاح مین۔ فرمایا کہ برکت کا انکار نہین۔ مگر اُس کا درجہ بھی تو متعین کرنا چاہیئے اس کا مرتبہ صرف ایسا ہے جیسا عرق سولف کا مرتبہ مسہل مین۔ کہ اُس سے اعانت ضرور ہوتی ہے مسہل مین مگر کیا محض عرق سولف بغیر مسہل کے کارآمد ہو سکتا ہے۔ اور مسہل کا کام دے سکتا ہے۔ ہرگز نہین۔ عرض کیا گیا کہ اس کا تو مشاہدہ ہے کہ شیخ کی دعا و توجہ کی برکت سے بہت کچھ تغیر اپنی حالت مین محسوس ہونے لگتا ہے۔ فرمایا کہ مسہل مین ادہر عرق سولف پیا اُدہر دھڑا دھڑ دست ہونے شروع ہو گئے۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اکیلا عرق سولف کافی ہو گیا ہے۔ حضرت نری دعا و برکت سے کچھ نہین ہوتا جب تک خود اپنے اختیار کو کام مین نہ لائے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو بڑھکر نہ کوئی صاحب برکت ہو سکتا ہے نہ مقبول الدعوات۔ حضرت کے چچا ابوطالب کیسے جان نثار اور عاشق زار تھے۔ حضور نے دعا بھی دل وجان سے کی کہ وہ مسلمان ہو جائین۔ اصرار بھی فرمایا۔ مگر چونکہ خود انھون نے نہ چاہا ایمان نصیب نہ ہوا۔ بالکل طبیب اور مریض کی سی مثال ہے اگر مریض دوا نہ پیئے تو کیا محض طبیب کی شفقت اور توجہ سے مریض اچھا ہو جائیگا صحت تو اُس کے نسخہ ہی سے

ہوگی۔اسی طرح اگر بچہ سبق یاد نہ کرے تو سبق کیسے یاد ہوجائیگا محض استاد کی توجہ سے تو سبق یاد نہیں ہوسکتا۔ وہ تو یاد کرنے ہی سے یاد ہوگا۔ عرض کیا گیا۔ کہ شیخ کی برکت سے توفیق ہوجاتی ہے۔ فرمایا کہ یہ تو مین کہہ ہی چکا ہون کہ برکت معین ضرور ہے مگر کافی نہین اس کا دخل دخل اعانت ہے دخل کفایت نہین۔ یہانتک کہ محض شیخ کی برکت تو ہرگز کافی نہین ہوسکتی۔ مگر یہ ہوسکتا ہے کہ محض ہمت اور استعمال اختیار کافی ہوجائے۔ مین توان باتون کو علی الاعلان کہتا ہون۔ خواہ مخواہ مین اپنے متعلقین کو اپنا مقید بنانا نہین چاہتا۔ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح خود کرسکے تو چشم مار وشن دل ماشاد خوشی کا مقام ہے۔ کیونکہ ہمارا بوجھ ہلکا ہوا۔ عرض کیا گیا کہ یہ تقریر تو کہین اس کے تو خلاف نہ ہوجائے گی۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

فرمایا کہ خلاف کیون ہوتی یہ تو اور ہماری مؤید ہے۔ آگاہِ عشق فرمایا ہے۔ یعنی بلا شیخ کے آگاہ نہ ہوگا۔ علم کا درجہ حاصل نہ ہوگا۔ سو اس سے ہمین کب انکار ہے شیخ راہ بتائیگا مگر اس کا یہ مطلب تو نہین کہ وہ گھسیٹ کرلے چلیگا۔ اندھے کو سوانکھا راہ بتاتا ہے۔ گو مین تو اٹھا کر نہین لیجاتا۔ راستہ تو قطع خود اُس کے چلنے ہی سے ہوگا۔ راستہ بتانا تو بے شک شیخ کا کام ہے۔ لیکن اسکا قطع کرنا تو سب ہی کے ذمہ ہے۔ جامع عرض کرتا ہے۔ کہ اس جگہ حضرت کا ایک بڑا ملفوظ یاد آگیا۔ ایک صاحب کو بہت مفصل طور پر راہِ سلوک کی حقیقت بیان فرما کر فرمایا کہ الحمد للہ مین تو طالب کو ایک جلسہ مین خدا تک پہونچا دیتا ہون۔ کیونکہ مقصود کی حقیقت بتلادینا۔ گویا مقصود ہی تک پہونچا دینا ہے۔ اگر کوئی راستہ بتادے اور دکھادے کہ دیکھو وہ چراغ جل رہا ہے۔ تو یہ اُسکو گویا چراغ ہی تک پہونچا دینا ہے۔ اب صرف راستہ ہی چلنا باقی رہ جاتا ہے بسو یہ طالب کے اختیار مین ہے۔ قدم اٹھاتا چلا جائے مقصود تک پہنچ جائے گا۔ اختیار

کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ اختیار تو بدیہیات بلکہ محسوسات میں سے ہے۔ اور بدیہیات محسوس کیلئے دلائل کی حاجب نہین ہوا کرتی۔ اختیار کا ہونا تو اتنا ظاہر ہے کہ انسان تو انسان جانورون تک کو اس کا ادراک ہے۔ دیکھیئے اگر کسی کتے کو لکڑی سے مارا جائے تو وہ مارنے والے پر حملہ کرتا ہے نہ کہ لکڑی پر۔ اُسکو بھی یہ امتیاز ہوتا ہے کہ کون مختار ہے کون مجبور۔ ہر شخص اپنے وجدان کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ جب وہ کوئی ناشائستہ حرکت کرتا ہے تو اُسکو خجالت ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے کو مجبور سمجھتا تو پھر خجلت کیون ہوتی۔ خجلت تو اپنے اختیاری فعل ہی پر ہو سکتی ہے۔ لہذا یہ یقینی ہے کہ انسان مختار ہے۔ اور یہ مسئلہ اختیار اسقدر ظاہر ہے۔ کہ ہر شخص اپنے اندر صفت اختیار کو وجداناً اور طبعاً محسوس کرتا ہے حتے کہ جو جبری ہین وہ بھی محض قولاً جبری ہین۔ وجداناً وہ بھی اختیار کے قائل ہین کسی کو اس سے مجال انکار نہین۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی کُنہ اور حقیقت کسیکو معلوم نہین۔ نہ معلوم ہو سکتی ہے۔ مگر کسی شئی کی حقیقت معلوم نہ ہونے سے اس کے وجود کا انکار نہین کیا جا سکتا۔ ضیاء اور روشنی کی حقیقت کسی کو معلوم نہین لیکن اسکا وجود بالکل واضح اور مشاہد ہے کیا اسکے وجود کا کوئی انکار کر سکتا ہے حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت سادہ اور سہل عنوان سے اس مسئلہ جبر و اختیار کو بیان فرمایا ہے فرماتے ہین ؎

زاری ما شد دلیلِ اضطرار خجلتِ ما شد دلیل اختیار

اگر اضطرار نہین تو یہ زاری کیون ہے اور اگر اختیار نہین تو اپنے کئے پر یہ شرمساری کیون ہے۔ غرض نہ خالص جبر ہے نہ خالص اختیار ہے اختیار خالص نہ ہونے کے یہ معنے ہین۔ کہ وہ ماتحت ہے اختیار حق کے مستقل اختیار نہین ہے۔ بہرحال انسان مین صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے۔ جب یہ ہے تو اپنی اصلاح کرنے مین بھی اس صفت اختیار کا استعمال کرنا چاہیئے۔ جب تک یہ نکریگا اصلاح ممکن ہی نہ ہوگی۔ مثلاً کسی مین

بخل ہے۔ تو کیا نرے ذکر و شغل یا شیخ کی دعا و توجہ اور برکت سے یہ رذیلہ زائل ہو سکتا ہے ہرگز نہین۔ یہ رذیلہ تو نفس کی مقاومت ہی سے زائل ہوگا۔ البتہ ذکر و شغل وغیرہ معین ضرور ہو جائین گے۔ مگر کافی ہرگز نہین ہو سکتے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ العزیز جا بجا اپنے مکتوبات مین بھی فرماتے ہین۔

کار کن کار بگذار از گفتار — کاندرین راہ کار باید کار

کام ہی کرنے سے کام چلتا ہے۔ نری تمناؤن یا نری دعاؤن سے کچھ نہین ہوتا۔ عرض کیا گیا۔ کہ بعض بزرگون کی توجہ سے تو بڑے بڑے بدکارون کی خود بخود اصلاح ہو گئی ہے۔ فرمایا کہ یہ ایک قسم کا تصرف ہے۔ اور ایسا تصرف نہ اختیاری ہے نہ بزرگی کیلئے لازم۔ بہت سے بزرگون مین تصرف بالکل بھی نہین ہوتا۔ اور پھر نرے تصرف کے اثر کو اکثر بقا بھی نہین ہوتی۔ کچھ دن بعد پھر ویسے کے ویسے ہی بخلاف اس اثر کے جو کہ ہمت اور اعمال کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ وہ باقی رہتا ہے۔ توجہ کے اثر کی تو ایسی مثال ہے۔ کہ کوئی شخص تنور کے پاس بیٹھ گیا۔ تو جب تک وہان بیٹھا ہوا ہے تمام بدن گرم ہے مگر جیسے ہی وہان سے ہٹا پھر ٹھنڈے کا ٹھنڈا۔ اور اعمال کے ذریعہ سے جو اثر ہوتا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ جیسے کسی نے کشتۂ طلا کھا کر اپنے اندر حرارت غریزیہ پیدا کر لی۔ تو وہ اگر شملہ پہاڑ پر بھی چلا جائیگا۔ تب بھی وہ حرارت بدستور باقی رہے گی۔ اور اصل نفع وہی ہے جو باقی رہے۔ غرض نری دعا و توجہ پر بیٹھے رہنا اور خود اپنی اصلاح نہ کرنا محض خیال خام ہے۔ پھر ان شبہات کے پیش کرنے پر مزاحًا فرمایا کہ مین تو گویا یہ طب اکبر لوگون کے لئے پیش کر رہا ہون۔ مگر آپ چاہتے ہین۔ کہ اس کے ورقون پر کاغذ چپکا چپکا کر اس کے مضامین کو چھپائے رکھین۔ عرض کیا گیا کہ جبلت تو کسی کی بدل نہین سکتی پھر جبلی صفات رذیلہ کی اصلاح کیونکر اختیار مین ہو سکتی ہے فرمایا کہ تعجب ہے۔ کہ آپ کو ابھی تک یہ شبہات ہین۔ یہ تو فرمائیے کہ مادہ جبلی ہوتا ہے یا فعل بھی

جبلی ہوتا ہے۔ یہ تو مانا کہ مادہ اختیار مین نہین ہے۔ مگر فعل تو اختیار مین ہے وہ تو
جبلی نہین۔ مادہ بیشک زائل نہین ہوتا مگر اُسکے مقتضا پر عمل کرنا نہ کرنا یہ تو اختیار
مین ہے۔ اور اسی کا انسان مکلف ہے۔ اور بار بار اس مقتضا کی مخالفت کرنے سے
وہ مادہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ بڑے کام کی باتین ہین اور دراصل تعلیم کے
لائق یہی باتین ہین۔ مگر مین دیکھتا ہون کہ آجکل ان باتون کا کہین تذکرہ نہین نہ علماء
کے یہان نہ مشائخ کے یہان تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے اسیوجہ سے مدت سے اس کی
حقیقت مستور چلی آتی تھی۔ مگر الحمد للہ اسوقت ایسا وضوح ہو گیا ہے کہ کوئی خفا اور
التباس کسی قسم کا اس مین باقی نہین رہا۔ مجھے تو بحمد اللہ کسی مسئلہ تصوف مین مطلق شبہ
یا خلجان نہین ہوتا۔ نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے مین نہ اس کی اصلاح
کی تدابیر تجویز کرنے مین۔ خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو مین خیرخواہی سے
عرض کرتا ہون۔ کہ اس وضوح کو اس زمانہ مین غنیمت سمجھ کر اس کی قدر کرنی چاہیئے
اور اس سے منتفع ہونا چاہیئے جامع عرض کرتا ہے۔ کہ ایک زمانہ مین حضرت نے طریق
اصلاح کا خلاصہ ایک طالب کو جنھون نے اپنے اندر صدہا عیوب کا ہونا بیان کیا
تھا۔ اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی تھی۔ صرف استحضار اور ہمت تجویز کیا تھا
اور اس سے اُن کو بہت نفع ہوا تھا۔ اُس تجویز کا اور اس تقریر کا حاصل ایک ہی ہے
دونون ایک ہی معنون کے عنوان ہین۔ اخلاص اور ہمت مین بھی اصل چیز ہمت ہے
کیونکہ اخلاص پیدا کرنے کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہو گی۔ اور ہمت کا معین
استحضار ہے۔ اور استحضار کی صورتین مختلف ہین جو صورت شیخ تجویز کر دے اسپر عمل کرے
مثلاً ہر کوتاہی پر دس یا کم و بیش نفل بطور جرمانہ ادا کرنا۔ تاکہ جب دوسرا موقع کوتاہی کا
پیش آئے۔ جرمانہ کے خوف سے استحضار کی کیفیت پیدا ہو جائے۔ اور جب استحضار
ہو جائے فوراً ہمت سے کام لے اور تقاضائے نفس کو مغلوب کرے اگر استحضار

اور ہمت کا اہتمام رکھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کوتاہیوں سے محفوظ رہے گا۔ اور رفتہ رفتہ پوری اصلاح ہو جائے گی۔ طالب مذکور کیلئے علاوہ جرمانۂ مذکورہ کے مین نے ہر روز مطالعہ نزہۃ البساتین بھی تجویز کیا تھا۔ جسمین ایک ہزار حکایات اولیاء اللہ کی درج ہین اُنسے بھی علاوہ برکت کے بہت کچھ قوت استحضار اور ہمت کو پہنچتی ہے۔ نیز جامع عرض کرتا ہے کہ احقر نے حضرت کی اس تجویز پر استحضار و ہمت کو بوجہ غایت نافع ہونے کے ایک شعر مین محفوظ کر لیا تھا۔ وھو ھذا ؎

جو کر حضرت نے فرمایا ہی استحضار و ہمت کا ۔ سراسر نسخۂ اکسیر ہے اصلاح امت کا

بس اب اتمام حجت ہو چکا۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ ٥

ضمیمہ السلسبیل ملقب بہ الیم فی السم

بنام مرسل بالا

جو ملفوظ بالا کا بھی خلاصہ ہے۔ اور یہ ایک خط کا جواب ہے جس مین ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا گیا تھا جس سے طاعات مین ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا۔

طاعت اور معصیت دونوں امر اختیاری ہین جن مین وظیفہ کو کچھ دخل نہین رہا طریقہ سو طریقہ امور اختیاریہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہین۔ ہان سہولت اختیار کے لئے ضرورت ہی مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہی مخالفت (یعنے مقاومت) نفس اسکو ہمیشہ عمل مین لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ مین نے تمام فن لکھدیا۔

(نوٹ) آگے شیخ کے دو کام رہجاتے ہین ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ ان امراض کا علاج ہے۔

کتبہ اشرف علی